جماعت اسلامی

شیش محل

مصنف

علامہ مشتاق احمد نظامی

مکتبہ حامدیہ ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

جماعتِ اسلامی کا

شیش محل

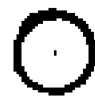
— مصنف —

علامہ مشتاق احمد نظامی

مکتبہ حامدیہ ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

نام کتاب ——— شیش محل
مصنف ——— علامہ مشتاق احمد نظامی
حرفِ آغاز ——— جناب اختر شاہجہانپوری
سنِ طباعت ——— ۱۹۸۲ء
مطبع ——— گنج شکر پرنٹرز لاہور
ناشر ——— مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ۔ لاہور
قیمت ——— روپے

فہرس



حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔ اما بعد

جماعتِ اسلامی کے نام سے جو تازہ فرقہ منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر تیس چالیس سال سے پاک و ہند کی سرزمین میں چہل قدمی کرتا ہُوا نظر آرہا ہے ، اس کے بانی و موسس عالیجناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہیں ۔ موصوف تاحال زندہ ہیں اور پاک و ہند کی جانی پہچانی شخصیت ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی ان کی شہرت دُور دُور تک ہے۔ موصوف اگرچہ کوئی مستند عالمِ دین تو نہیں لیکن دینی موضوعات پر اُن کی کتنی ہی تصانیف موجود ہیں ، جن کے باعث مدتوں ان کا نام زندہ رہ سکتا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ فنِ تصنیف میں انھیں کافی ملکہ حاصل ہے ۔ زبان و بیان پر اُن کی قدرت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ طرزِ استدلال ایسا دلنشین ہوتا ہے کہ ایک عام قاری سراسر بات کو سو فیصد صحیح ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اُس کے سابقہ نظریات کی دیواریں یکے بعد دیگرے گرتی چلی جاتی ہیں۔ کاش ! مودودی صاحب اپنے قلم کی اِس سحر کاری سے مسلمانانِ پاک و ہند کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے ۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً مسلمان انھیں سر آنکھوں پر جگہ دیتے ، وہ دِلوں میں گھر کر گئے ہوتے، مسلمانوں کے دلوں پر وہ حکمرانی کر رہے ہوتے لیکن افسوس ! مودودی صاحب نے اِس نعمتِ خداوندی کی قدر نہ کی ۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں رہنمائی کے سازوسامان سے مالا مال کیا تھا۔ لیکن اسے بخت کی نارسائی کے لیے یا حالات کی ستم ظریفی کہ پاک و ہند کے اس سحر آفریں قلم کار کو جہاں اپنے قلم سے رہنمائی کا کام لینا چاہیے تھا وہاں اِس کے برعکس استعمال کیا۔

ممکن ہے بعض قارئین ہمارے ان لفظوں پر چونک پڑیں اور مجسمۂ سوال بن کر پُوچھ بیٹھیں کہ مودودی صاحب نے مسلمانوں کو کب غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی ؟ بعض حضرات جو دن کے اُجالے میں عالیجناب مودودی صاحب کی بارگاہ میں یُوں سجودِ عقیدت لُٹاتے ہیں کہ علمائے دین و ائمہ مجتہدین سے صحابہ کرام تک اور وہاں سے جملہ انبیائے کرام و سیدالانبیاء

علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنا اپنا پیدائشی اور موروثی حق گردانتے ہیں اور اِس حق سے کسی مرحلے پر بھی وہ دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں لیکن اس کے برعکس کوئی مودودی صاحب پر تنقید کرے تو بات انتہائی خطرناک موڑ پر آ پہنچتی ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک اس کائناتِ ارضی و سماوی میں سے اگر کوئی ہستی تنقید سے بالاتر ہے تو وہ صرف اور صرف مودودی صاحب کی ذاتِ گرامی ہے۔ ایسے جملہ حضرات اگر ہمارے مذکورہ ریمارک کو افتراء قرار دیں تو کیا جائے تعجب ہے! ہم سرِ دست اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ قارئینِ کرام کو قرآن کریم کے یہ الفاظ سُنا دیں:

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ۔

یہ چند پراگندہ سطور ان الفاظ کی ہلکی سی شرح میں جو محض خیر خواہی کے جذبے سے لکھی جا رہی ہیں کیونکہ:

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

مودودی صاحب چونکہ بین الاقوامی پوزیشن کے مالک ہیں، جس کے پیشِ نظر اُنھوں نے مسلمانوں پر اپنی قد آور شخصیت کے مطابق ہی مہربانیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ اس کرم نوازی کی فہرست تو بہت طویل ہے، جس پر ہم نے سیر حاصل تبصرہ تحفۂ مودودیت میں کیا ہے یہاں صرف چیدہ چیدہ عنایات کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے کیونکہ یہ چند اوراق تفصیل کے متحمل کہاں؛ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق۔

پہلی عنایت

فرقہ سازی ملتِ اسلامیہ جو پہلے ہی متعدد فرقوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی، مودودی صاحب نے از راہِ کرم اُس پر ایک تازہ فرقہ جماعتِ اسلامی کا بوجھ اور لاد دیا۔ کہنے کو تو موصوف یہی کہتے ہیں کہ میں نے نیا فرقہ نہیں بنایا اور میرا تیار کردہ گروہ بنام جماعتِ اسلامی کوئی جدید فرقہ نہیں ہے بلکہ اسلام کی رُوح سے نا آشنا ہستیوں اور صالحین کی ایک جماعت تیار کی جا رہی ہے۔ موصوف کا یہ فرمانا اپنی جگہ پر بجا ہے کیونکہ آج تک کسی بڑے سے بڑے گمراہ گر نے بھی یہ نہیں کہا ہوگا کہ میں گمراہوں کی جماعت بنا رہا ہوں یا میں گمراہ گر ہوں۔ دُور

کیوں جائیں اپنے ہی ملک میں مسٹر غلام احمد پرویز صاحب اور مرزا غلام احمد قادیانی کی مثالیں سامنے ہیں۔ دونوں حضرات ہی تعمیرِ ملت کا دعوٰی کرتے رہے۔ پیشِ خولیش بھولے بھٹکے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے ہی کا دعوٰی تھا لیکن گمراہ گری کے سوا انہوں نے اور کیا کیا ہے؛ حقائق کی روشنی میں مودودی صاحب کی رہبری بھی مذکورہ دونوں حضرات سے چنداں مختلف نہیں۔ مودودی صاحب نے اِس حقیقت کو خود بھی ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

"یہ بھی انسان کی عین فطرت ہے کہ وہ بُرائی کی کُھلی دعوت کو کم ہی قبول کرتا ہے۔ عموماً اُسے جال میں پھانسنے کے لیے ہر داعیِ شر کو خیرخواہ کے بھیس ہی میں آنا پڑتا ہے۔" [1]

بہرحال مودودی صاحب کمل خیرخواہ ہی کے بھیس میں آئے اور اسی بھیس میں تاحال جی رہے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ موصوف ہی کی ذات تفہیم القرآن کی مصنف ہے جو دوسروں کو قرآنِ کریم کے مفہوم و مطالب ذہن نشین کروانے میں ایک مدت سے کوشاں ہے۔ وہ ارشادِ خداوندی؛

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ [2]	اور اللہ کی رسّی کو مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔

سے کس طرح بے خبر رہ سکتا ہے؟ یہاں اللہ جل مجدہٗ نے فرقہ سازی سے روکا ہے لیکن مودودی صاحب نے جرأتِ رندانہ سے کام لے کر ملتِ اسلامیہ کو ایک تازہ فرقہ مرحمت فرما ہی دیا۔ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کی مخالفت ہوئی تو ہوتی پھرے کیونکہ مسلمانوں کے سامنے خیرخواہ کے بھیس میں جو آنا ہے یقیناً یہ آیہ کریمہ بھی پیشِ نظر ہوگی؛

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ	اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اُس پر کُھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے۔ ہم اسے اس کے

---

[1] تفہیم القرآن، جلد دوم، طبع ہشتم ۱۹۷۴ء، ص ۱۶

[2] پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳

مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۵ لہ — حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول کا خلاف کرنے والوں اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں سمجھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک ہی جماعت بنائی تھی۔ اب جو مسلمانوں کی اُس اصل جماعت کے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے وہ خود کو جہنم کا ایندھن بنانے پر ہی تُلا ہوا ہے۔

بموجب احادیث مسلمانوں کی اُس اصلی جماعت نے قیامت تک موجود رہنا ہے اور فرمانِ نبوی ولا یزال طائفۃ من امتی..... (الحدیث) کے مطابق اُس کا ایک گروہ تو حقانیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دینِ متین کی نگہبانی کا قیامت تک فریضہ ادا کرتا رہے گا۔ جماعتِ اسلامی کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے بھی یقیناً مسلمانوں کی اصلی جماعت موجود تھی۔ سابقہ تمام جماعتوں میں سے جس کو بھی اصلی جماعت شمار کرتے اُس کے اندر رہ کر دین کی خدمت کرتے رہتے۔ لیکن مودودی صاحب نے ایسا نہیں کیا بلکہ جماعتِ اسلامی کے نام سے تازہ فرقہ کھڑا کرکے اپنا راستہ سب سے علیحدہ متعین کیا حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی رُو سے نیا فرقہ یا نئی دینی جماعت بنانا جہنم خریدنا ہے لیکن اُنھوں نے ایسا کر گزرنے میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ قرآن مجید کی صریح مخالفت کا وبال اپنے سر لے لیا اور سابقہ فرقوں میں ایک فرقے کا مزید اضافہ کرکے بانیانِ فرقِ باطلہ کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔

ممکن ہے مودودی صاحب یہ فرمائیں کہ میرے نزدیک سابقہ ساری جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی اصلی نہیں ہے۔ فرض کر لیجیے کہ سب کباڑی کی دُکان کا سودا ہیں۔ سب کے سکے کھوٹے ہیں کھرا مال نایاب ہو گیا تھا۔ دریں حالت جماعت اسلامی کو کھرا مال کہاں سے ملا؟ کیا مودودی صاحب اپنے متبعین کو عرش سے لا کر دین عطا فرما رہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ یا اُس کے آخری رسول سے

لہ پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۱۱۵

براہِ راست دین حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ایجاد فرما لیا گیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جماعتِ اسلامی کی جھولی میں جو مال ہے اُسے کھرا کس بنیاد پر کہا جائے؟

اے صاحبانِ عقل و دانش! مسلمانوں کی اصلی جماعت کو غلط بتانا حقیقت میں اپنے غلط ہونے کا اقرار کرنے اور جہنم کا ایندھن بننے کے سوا اور کچھ نہیں۔ امام مہدی کا ظہور اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول اُسی اصلی جماعت میں ہوتا ہے جسے خیرِ اُمت اور اُمتِ وسطیٰ کہا گیا ہے اور جس نے قیامت تک بنی نوعِ انسان کو راہِ ہدایت دکھائی اور آندھیوں میں بھی چراغِ انسانیت روشن رکھنا ہے۔ اگر کھرا مال یعنی صحیح دین جماعتِ اسلامی کے پاس تسلیم کر لیا جائے تو تقریباً چالیس سال پہلے جب جماعتِ اسلامی کا وجود ہی نہیں تھا، یا جب مودودی صاحب اس دنیا میں تشریف ہی نہیں لائے تھے تو اُس وقت سے لے کر پچھلی صدیوں کے تمام مسلمان گویا اصلی دین سے محروم ہی رہے۔ آج بھی جن ممالک میں جماعتِ اسلامی کا وجود نہیں یا جو حضرات مودودی صاحب کے یہاں بھی حلقہ بگوش نہیں اُن بیچاروں کی محرومی کا داغ تو مودودی صاحب کی موجودگی میں بھی نہ دُھل سکا۔ معلوم نہیں گزشتہ صدیوں کے ایسے مسلمانوں اور موجودہ محروموں کو جماعتِ اسلامی والے اُمتِ مرحومہ کے زمرے میں اپنی فیاضی سے شمار کر لیتے ہیں یا اپنے عادلانہ نظام کے تحت اُسے اُمتِ ملعونہ قرار دے دیتے ہیں؟ آخر انھیں کسی نہ کسی کنارے پر تو فرود لگایا جاتا ہوگا۔

یقیناً مودودی صاحب سے لے کر جماعتِ اسلامی کے کتنے ہی افراد نماز پڑھتے ہوں گے اور نمازوں میں اپنے پیدا کرنے والے سے اُس کے حضور کھڑے ہو کر یوں دُعا بھی مانگتے ہوں گے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔	ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا۔ جو معتوب نہیں ہُوئے، جو بھٹکے ہُوئے نہیں ہیں۔[1]

---

[1] تفہیم القرآن، جلد اوّل، طبع یازدہم، ص ۴۵

صراطِ مستقیم کیا ہے؟ انسان اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر صراطِ مستقیم کی التجا پیش کرتا ہے، جس سے یہ بات پردۂ ذہن پر آتی ہے کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں میں صراطِ مستقیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی لیے تو بندہ سب سے پہلے اسی کی درخواست پیش کرتا ہے مودودی صاحب سے سُنیئے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے:

"یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں خیال اور عمل اور برتاؤ کا وُہ طریقہ ہمیں بتا جو بالکل صحیح ہو، جس میں غلط بینی اور غلط کاری اور بدانجامی کا خطرہ نہ ہو، جس پر چل کر ہم سچی فلاح وسعادت حاصل کر سکیں — یہ ہے وہ درخواست جو قرآن کا مطالعہ شروع کرتے ہُوئے بندہ اپنے خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔ اُس کی گزارش یہ ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں بتائیں کہ قیاسی فلسفوں کی اِس بھُول بھلیاں میں حقیقت نفس الامری کیا ہے۔ اخلاق کے ان مختلف نظریات میں صحیح نظامِ اخلاق کون سا ہے۔ زندگی کی اِن بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان فکروعمل کی سیدھی اور صاف شاہراہ کون سی ہے۔" [1]

چونکہ صراطِ مستقیم کا تعین اللہ جل مجدہٗ نے خود فرمایا اور اپنے بندوں سے لکھوایا ہے کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی صراطِ مستقیم اُس راستے کا نام ہے جس پر انعام پانے والے بندے چلتے رہے۔ اس حقیقت کی مختصر سی تشریح جناب مودودی صاحب کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے:

"یہ اُس سیدھے راستے کی تعریف ہے جس کا علم ہم اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں، یعنی وُہ راستہ جس پر ہمیشہ سے تیرے منظورِ نظر لوگ چلتے رہے ہیں۔ وہ بے خطا راستہ کہ قدیم زمانہ سے آج تک جو شخص اور جو گروہ بھی اس پر چلا وہ تیرے انعامات کا مستحق ہُوا اور تیری نعمتوں سے مالامال ہو کر رہا۔" [2]

---

[1] تفہیم القرآن، جلد اوّل، ص ۴۵

[2] ایضاً، ص ۴۵

جس راستے پر مودودی صاحب کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر بندے چلتے رہے تھے یقیناً وُہ راستہ جماعتِ اسلامی تو ہر گز نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو کل پرسوں کی پیداوار ہے۔ اس کے باوجود ہمارا ناقص فہم یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مودودی صاحب ان برگزیدہ ہستیوں کے راستے کو چھوڑ کر اپنی علیحدہ پگڈنڈی کیوں بنا بیٹھے؟ بلکہ موصوف نے اپنی تمام صلاحیتیں اسی مقصد کے لیے وقف رکھی ہیں کہ دُوسروں کو بھی اُس شاہراہ (صراطِ مستقیم) سے ہٹا کر اپنی پگڈنڈی پر چلایا جاسکے۔ اسلام کے محافظوں اور علمِ نبی کے وارثوں یعنی حضرات علمائے کرام کی موجودگی میں مودودی صاحب ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے اور مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کرنے کی جسارت کیوں کر بیٹھے، ممکن ہے اس کا بھید ہمیں معلوم نہ ہوتا لیکن موصوف نے ہماری یہ مشکل خود ہی آسان فرما دی کہ فرقہ سازی کی غرض و غایت پر یُوں تبصرہ کیا ہے:

"اِس تفرقہ بازی کا محرک کوئی نیک جذبہ نہیں تھا بلکہ یہ اپنی پُرانی اُپج دکھانے کی خواہش، اپنا الگ جھنڈا بلند کرنے کی فکر، آپس کی ضدم ضدّا ایک دُوسرے کو زک دینے کی کوشش اور مال وجاہ کی طلب کا نتیجہ تھی۔ ہوشیار اور حوصلہ مند لوگوں نے دیکھا کہ بندگانِ خدا اگر سیدھے سیدھے خدا کے دین پر چلتے رہیں تو بس ایک خدا ہوگا، جس کے آگے لوگ جھکیں گے۔ ایک رسول ہوگا جس کو لوگ پیشوا اور رہنما مانیں گے۔ ایک کتاب ہوگی جس کی طرف لوگ رجوع کریں گے اور ایک صاف عقیدہ اور بے لاگ ضابطہ ہوگا جس کی پیروی وہ کرتے رہیں گے۔ اِس نظام میں اُن کی اپنی ذات کے لیے کوئی مقامِ امتیاز نہیں ہو سکتا، جس کی وجہ سے اپنی مشیخت چلے اور لوگ ان کے گرد جمع ہوں اور اُن کے آگے سر بھی جھکائیں اور جیبیں بھی خالی کریں۔ یہی وُہ اصل سبب تھا جو نئے نئے عقاید اور فلسفے، نئے نئے طرزِ عبادت اور مذہبی مراسم اور نئے نئے نظامِ حیات ایجاد کرنے کا محرک بنا اور اِسی نے خلقِ خُدا کے ایک بڑے حصّے کو دین کی صاف شاہراہ سے ہٹا کر مختلف راہوں میں پراگندہ کر دیا۔"[1]

---

[1] تفہیم القرآن، جلد چہارم، طبع سوم، ص ۳۹ ،۴۹

مودودی صاحب نے بڑی فراخدلی کے ساتھ فرقہ سازی کی غرض وغایت تو بیان فرما دی، اب یہ بات بھی کیوں نہ موصوف ہی سے پُوچھ لی جائے کہ ایسے فرقہ سازوں، تفرقہ بازوں اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کیا حکم دیتی ہے کہ مسلمانوں کو اُن کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب رقمطراز ہیں،

> اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن وُہ ہیں جو مسلمانوں میں بدعقیدگی اور نافرمانی پھیلا رہے ہیں۔ یہ منافقوں کی سب سے زیادہ بُری قسم ہے جس کا وجود مسلمانوں کے لیے حربی کافروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ باہر سے حملہ نہیں کرتے بلکہ گھر میں بیٹھ کر اندر ہی اندر ڈائنا مائٹ بچھاتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو دین اور دُنیا دونوں میں رُسوا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وُہ تمہیں بھی اُسی طرح کافر بنانا چاہتے ہیں جس طرح وہ خود ہو گئے ہیں۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً۔ ان کے شر سے بچنے کی کم سے کم تدبیر یہ ہے کہ جو لوگ دل سے مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں وہ ان سے قطع تعلق کر لیں فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ ورنہ قرآن نے تو اِن کی آخری سزا یہ قرار دی ہے کہ ان سے جنگ کی جائے فان تولوا فخذوھم واقتلوھم من حیث وجدتموھم۔[1]

مودودی صاحب نے بجا فرمایا ہے، واقعی مسلمانوں کو اپنے ان بدترین دشمنوں، اشد منافقوں سے قطع تعلق کرنا چاہیے تھا۔ علماءِ کرام کے سمجھانے بجھانے پر اگر عام مسلمانوں نے کما حقہٗ عمل کیا ہوتا تو ملّتِ اسلامیہ کے بدخواہ کبھی اتنے فرقے بنانے اور اہلسنّت وجماعت کے سینوں پر دندنانے میں کبھی کامیاب نہ ہوتے لیکن خود کردہ را چہ علاج؟

---

[1] تنقیحات، ص، ۴۴

دُوسری عنایت

تکفیر مسلمین مودودی صاحب نے مسلمانوں پر دُوسرا اکرم یہ فرمایا کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی (المتوفی ۱۲۰۶ھ) اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کی طرح مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت کو کافر ومشرک بتا کر اُمتِ مرحومہ کو اُمتِ ملعونہ بنا دیا۔ موصوف کو سچے اور پکے مسلمان اور مسلمانوں کے عوام وخواص، موجودہ اور گزشتہ سب کفر وشرک کے سمندر میں ڈوبے ہُوئے نظر آتے ہیں۔

مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے چار دیوبندی مولویوں کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تو وہابیوں کی ساری کائنات نے ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۹۷ھ تک وُہ اُودھم مچائی ہُوئی ہے کہ آسمان ہی سر پہ اُٹھا رکھا ہے کہ ہائے ہائے ہمارے فلاں ابن فلاں کو کافر کیوں کہدیا؛ لیکن محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی معنوی ذریت اگر کروڑ در کروڑ مسلمانوں کو کافر ومشرک ٹھہرائے، مسلمانوں کے سوادِ اعظم اور ناجی گروہ کو سراسر ناری بتائے تو اس شرارت کا شکوہ ہی کیا؟ آخر کس جُرم کی پاداش میں وہابیوں کا ہر مولوی مسلمانوں کی ساری جمعیت کو کافر ومشرک ٹھہراتا ہے؟ اس پر طرّہ یہ کہ اپنی اس مفسدانہ روش کو ذرا بھی قابلِ اعتراض واحتراز واجتناب سمجھ کر اِس پر کوئی بھی نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

جماعتِ اسلامی کے پڑھے لکھے حضرات یہ کہتے ہُوئے نہیں تھکتے کہ مودودی صاحب کے قلم پر احتیاط کا جو پہرہ ہے وہ دُوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ اُن کی تحریروں میں گالی گلوچ اور سوقیانہ پن کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ جہاں تک موصوف کے گالی گلوچ نہ دینے اور سوقیانہ پن سے اجتناب کرنے کا تعلق ہے تو واقعی وُہ اپنے معاصرین سے محتاط انداز میں گفتگو کرتے ہیں لیکن جب وہ اپنے رہوارِ قلم کا رُخ مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت کی جانب پھیرتے ہیں تو سراسر محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی آفس کاپی بن جاتے ہیں۔ اگر جماعتِ اسلامی کے طبقے میں کوئی منصف مزاج بھی ہے تو غور فرمائے کہ سچے اور پکے مسلمانوں کو کافر ومشرک ٹھہرا دینے سے بڑی اور کون سی گالی ہے جو مودودی صاحب مسلمانوں کو دے سکتے ہیں؟ یہ جناب مودودی صاحب

ہی کا شاخسانہ ہے جس کی رُو سے دنیا کا کوئی مسلمان کافر و مشرک قرار پائے بغیر نہ رہ سکا۔ اُن کے نزدیک ایک وہابی تو مسلمان قرار پا سکتا ہے لیکن کیا مجال کہ کسی مسلمان کو دائرۂ اسلام میں پَیر رکھنے کو جگہ مل جائے۔

مودودی صاحب نے مسلمانوں پر یہ نوازش جاہلیتِ مشرکانہ کے عنوان سے فرمائی ہے۔ موصوف نے اسی جاہلیتِ مشرکانہ پر اپنا ایٹمی حکم سنانے اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو کافر د مشرک ٹھہرانے کی وجہ سے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:

"جاہلیتِ مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستہ سے ہٹا کر اُن کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بُت پرستی تو نہ ہو سکی، باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے مسلمانوں میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہلی قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لیے چلے آئے اور یہاں اُن کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پُرانے معبودوں کی جگہ بزرگانِ اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کریں۔ پرانے معبدوں کی جگہ مقابرِ اولیاء سے کام لیں اور پُرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔ اِس کام میں دنیا پرست علماء نے اُن کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات اُن کے راستہ سے دُور کر دیں جو شرک کو اسلام کے اندر نصب کرنے میں پیش آ سکتی تھیں اُنھوں نے بڑی دیدہ ریزی سے آیات و احادیث کو توڑ مروڑ کر اسلام میں اولیاء پرستی اور قبر پرستی کی جگہ نکالی، مشرکانہ اعمال کے لیے اسلام کی اصطلاحی زبان میں سے الفاظ بہم پہنچائے اور اس نئی شریعت کے لیے رسموں کی ایسی صورتیں تجویز کیں کہ شرکِ جلی کی تعریف میں نہ آ سکیں۔ اس فنی امداد کے بغیر اسلام کے دائرے میں شرک بیچارہ کہاں بار پا سکتا تھا۔" [۱]

مودودی صاحب اگر ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں تو جتنے امور مسلمانانِ اہلسنت و جماعت میں

---

[۱] تجدید و احیائے دین، مطبوعہ پاکستان ٹائمز پریس لاہور۔ ص ۳۹، ۴۰

اُنھیں مشرکانہ نظر آتے ہیں اور جن کے باعث یہ مشرکانہ پُوجا پاٹ اور بُت پرست مشرکین کی میتھالوجی قرار دیئے گئے ہیں، ہم یہ دکھانے کے لیے تیار ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے ہاں یہ تمام امور موجود ہیں۔ وہاں بھی اِنھیں جواز کا درجہ حاصل ہے وہ اور اُن کا سارا خاندان اِن کا فاعل وعامل تھا بلکہ تمام وہابیانِ پاک وہند کے ملجا و ماویٰ عالیجناب مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی صاحب اپنی شرعی گھڑنت بنام صراطِ مستقیم میں ان جملہ امور کی تعلیم و تبلیغ فرما گئے تھے۔ اگر مودودی صاحب کو مذکورہ تصانیف میں وہ باتیں نظر آجائیں تو انصاف کی رُو سے سارے ولی اللّٰہی خاندان اور اپنے روحانی پیشوا مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کو بھی اپنے اصطلاحی مشرکوں، ٹھیٹ بُت پرستوں کے زمرے میں شامل ہونے کا اعلان فرما دیں۔ اگر انھیں ایسا مواد نظر نہ آئے تو راقم الحروف اس خدمت گزاری کے لیے حاضر ہے اور بعونہٖ تعالیٰ یہ دکھائے گا کہ مودودی صاحب کے مشرکوں کی فہرست میں ان حضرات کا نمبر ڈبل ہے۔ اُس وقت ہم جناب مودودی صاحب سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اسی تجدید و احیائے دین میں آپ نے مذکورہ دونوں ہستیوں کو مجددین و مصلحین میں کیوں شمار کیا، کافروں اور مشرکوں میں کیوں شمار نہیں کیا؟ دُوسرا سوال یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ جو حضرات آپ کی اصطلاح میں نہ صرف مشرک بلکہ مشرک گر ہوں، کیا وُہ مجدد ہو سکتے ہیں؟ بہرحال یہ معاملہ تو اجازت پر موقوف رہا۔ اب اِن اصطلاحی مشرکوں کی دوسری فہرست بھی مودودی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

" اگر کسی کے ذہن میں ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہو تو اُس کے لیے قرآن کی پُوری تعلیم غیر واضح ہوگی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اُس کا عقیدہ اور عمل دونوں نامکمل رہ جائیں گے۔ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا رہے گا اور اس کے باوجود بہتوں کو الٰہ بناتا رہے گا۔ وہ اللہ کے سوا کسی کے رب نہ ہونے کا اعلان کرتا رہے گا اور اس کے باوجود بہت سے ارباباً من دون اللہ اس کے رب بنے رہیں گے۔ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا اور پھر بھی بہت سے معبودوں

کی عبادت میں مشغول رہے گا۔ وہ پورے زور کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے دین میں ہوں اور اگر کسی دوسرے دین کی طرف اسے منسوب کیا جائے تو لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا، مگر اس کے باوجود بہت سے دینوں کا قلادہ اُس کی گردن میں پڑا رہے گا۔ اُس کی زبان سے کسی غیر اللہ کے لیے الٰہ اور رب کے الفاظ تو کبھی نہ نکلیں گے مگر یہ الفاظ جن معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں اُن کے لحاظ سے اُس کے بہت سے الٰہ اور رب ہوں گے اور اُس بیچارے کو خبر تک نہ ہوگی کہ میں نے واقعی اللہ کے سوا دوسرے ارباب والٰہ بنا رکھے ہیں۔ اُس کے سامنے اگر آپ کہہ دیں کہ تو دوسروں کی عبادت کر رہا ہے اور دین میں شرک کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ پتھر مارنے اور منہ نوچنے کو دوڑے گا مگر عبادت اور دین کی حقیقت سے اُس کے لحاظ سے واقعی وہ دوسروں کا عابد اور دوسروں کے دین میں داخل ہوگا اور نہ جانے گا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ حقیقت میں دوسروں کی عبادت ہے اور یہ حالت جس میں مبتلا ہوں یہ حقیقت میں غیر اللہ کا دین ہے۔"[۱]

ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ نیک نیتی سے یہ کہنے والا کہ میں ایک خدا کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہیں سمجھتا، پورے زور سے کہنے والا کہ میں اللہ کے دین میں ہوں نیز وہ خدا کے سوا کسی کو الٰہ اور رب تسلیم نہیں کرتا لیکن جناب مودودی صاحب کے نزدیک ابھی بھی وہ غیروں کا پجاری، دیگر ادیان کا پیروکار اور ارباباً من دون اللہ کا پرستار ہے۔ اُس کے مسلمان قرار پانے اور دائرۂ اسلام میں ہونے کی صرف اور صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ الٰہ، رب، عبادت اور دین کا وہ مفہوم تسلیم کرے جو مودودی صاحب نے بتایا ہے۔ قارئین کرام پر اگر بارِ خاطر نہ ہو تو الٰـہ کا وہ مفہوم ملاحظہ فرما لیا جائے جو مودودی صاحب نے ایجاد فرمایا ہے:

"لیکن اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اُس کو الٰہ بنانا اور اُس سے

---

[۱] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، بار ہفتم، ص ۱۰۰، ۱۰۱

دُعا مانگتا ہے، کیونکہ جو ولی صاحب مجھ سے سیکڑوں میل دُور کسی قبر میں آرام فرما رہے ہیں، اُن کو پکارنے کے یہ معنی ہیں کہ میں اُن کو سمیع و بصیر سمجھتا ہُوں اور یہ خیال رکھتا ہُوں کہ عالمِ اسباب پر اُن کی فرمانروائی قایم ہے، جس کی وجہ سے وہ مجھ تک پانی پہنچانے یا بیماری کو دُور کردینے کا انتظام کر سکتے ہیں۔“ [1]

مودودی صاحب کے نزدیک الٰہ کا دُوسرا مفہوم کیا ہے، یہ بھی موصوف ہی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمایا جائے:

”لہٰذا اُن کی اصطلاح کے مطابق کسی کو خدا کے ہاں سفارشی قرار دے کر اُس سے مدد کی التجا کرنا اور اُس کے آگے مراسمِ تعظیم و تکریم بجالانا اور نذر و نیاز پیش کرنا، اُس کو الٰہ بنانا ہے۔“ [2]

اب عبادت یا پرستش کی تعریف بھی مودودی صاحب کے بین الاقوامی شہرت یافتہ قلم سے لکھی ہُوئی ملاحظہ فرمائیے:

”دُوسرے یہ کہ کسی کو عالمِ اسباب پر ذی اقتدار خیال کر کے اپنی حاجتوں میں اُس سے دُعا مانگی جائے، اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں میں اُس کو مدد کے لیے پکارا جائے اور خطرات و نقصانات سے بچنے کے لیے اُس سے پناہ مانگی جائے۔ یہ دونوں قسم کے فعل قرآن کی رُو سے یکساں پرستش کی تعریف میں آتے ہیں۔“ [3]

پرستش کے مفہوم کی مزید وضاحت میں یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے:

”یہاں اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معبودوں سے مراد اولیاء اور صلحاء ہیں اور ان کی عبادت سے مراد اُن کو بندگی کی صفات سے بالاتر اور خدائی کی صفات سے متصف سمجھنا، اُن کو غیبی امداد اور مشکل کشائی و فریاد رسی پر قادر خیال کرنا اور اُن کے لیے تعظیم کے وہ مراسم ادا کرنا ہے جو پرستش کی

---

[1] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: بار ہفتم۔ ص ۲۰ [2] ایضاً، ص ۲۳

[3] ایضاً، ص ۱۲۴

حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔" ؎

فیصلہ وہی ہوتا ہے جو کسی بھی مرحلے پر ٹوٹنے نہ پائے۔ اگر مودودی صاحب کے نزدیک قرآن کریم کے بعض الفاظ کا حقیقی اور اسلامی و ایمانی مفہوم یہی ہے جو اُنھوں نے بیان کیا تو اس کے بالمقابل ہم سیکڑوں اکابر اور خود مودودی صاحب کے ممدوحین کے وہ واقعات پیش کرنے کے لیے تیار ہیں جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اُنھوں نے بعض مواقع پر مصائب و آلام میں دُوسرے بزرگوں کو اپنی مشکل کشائی اور فریاد رسی کے لیے اُن کی وفات کے بعد پکارا۔ کیا اُس صورت میں مودودی صاحب اُنھیں لا تکتموا الحق و انتم تعلمون o کے تحت نام لے لے کر غیر اللہ کے پرستار اور کافر و مشرک قرار دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟ جواب اثبات میں ہو تو جلد اطلاع دی جائے تاکہ مودودی صاحب اپنے ہی ہاتھوں اپنے ممدوحین اور مسلّمہ اکابر کو جہنم میں پہنچا آئیں۔ جواب اگر نفی یا خاموشی میں ہو تو کم از کم اِس طرزِ عمل کی وجہ بیان فرما دی جائے کہ حق بیان کرنے سے اُنھیں کون سی مصلحت روکتی ہے؟

اگر مودودی صاحب کی مذکورہ تعبیرات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو مُٹھی بھر وہابیہ کے سوا اُمتِ محمدیہ کے کسی فرد کا اسلام ثابت نہ کیا جا سکے گا اور موجودہ اہلسنّت وجماعت کا تو ذکر ہی کیا، یہ تو سارے کے سارے موصوف کے نزدیک شرک کے ساگر میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ موصوف کو جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک فرقہ کھڑا کرنا پڑا تاکہ اپنے اصطلاحی مشرکوں، غیر اللہ کے پجاریوں کو مسلمان بنا کر جماعتِ اسلامی میں شامل کرتے چلے جائیں۔ اِس مقصد کو کما حقہٗ حاصل کرنے کی خاطر اُنھوں نے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے ہر حربے سے بھی امکان بھر استفادہ کیا ہے۔ اگر مودودی صاحب سے کوئی سوال کر بیٹھے کہ جناب! قرآنِ کریم کے مذکورہ الفاظ کے جو مفہوم آپ نے بیان کیے ہیں وہ مفسرین کرام کے بیان فرمودہ مفہوم و مطالب سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے، ذرا بھی لگا نہیں کھاتے، اس کی وجہ کیا ہے؟ موصوف نے قبل از وقت اِسی کتاب کے شروع میں اِس امر کی پیش بندی

؎ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: ص ۱۲۷

یوں زور شور سے کی ہُوئی ہے:

"اِنھی دونوں وجوہ سے دورِ اخیر کی کتبِ لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے اُن معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔ مثلاً۔ لفظ الٰہ کو قریب قریب بُتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا۔ رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھیرایا گیا۔ عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے گئے۔ دین کو دھرم اور مذہب اور RELIGION کے مقابلہ کا لفظ قرار دیا گیا۔ طاغوت کا ترجمہ بُت یا شیطان کیا جانے لگا۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو الٰہ نہ بناؤ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بُتوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ دیا ہے، لہٰذا قرآن کا منشاء پورا کر دیا، حالانکہ الٰہ کا مفہوم اور جن جن چیزوں پر عاید ہوتا ہے اُن سب کو وہ اچھی طرح پکڑے ہُوئے ہیں اور اُنھیں خبر نہیں ہے کہ یہ ہم غیر اللہ کو الٰہ بنا رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو رب تسلیم نہ کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے سوا کسی کو پروردگار نہیں مانتے، لہٰذا ہماری توحید مکمل ہو گئی حالانکہ رب کا اطلاق اور جن مفہومات پر ہوتا ہے اُن کے لحاظ سے اکثر لوگوں نے خدا کے بجائے دوسروں کی ربوبیت تسلیم کر رکھی ہے قرآن کہتا ہے کہ طاغوت کی عبادت چھوڑ دو اور صرف اللہ کی عبادت کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بُتوں کو نہیں پُوجتے، شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں اور صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا ہم نے قرآن کی یہ بات بھی پُوری کر دی حالانکہ پتھر کے بتوں کے سوا دُوسرے طاغوتوں سے وہ چمٹے ہُوئے ہیں اور پرستش کے سوا دوسری قسم کی تمام عبادتیں اُنھوں نے اللہ کے بجائے غیر اللہ کے لیے خاص کر رکھی ہیں یہی حال دین کا ہے کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے [illegible] ۔ اس

بنا پر ہر وہ شخص جو مذہب اسلام میں ہے یہ سمجھ رہا ہے کہ میں نے اللہ کے لیے
دین کو خالص کر رکھا ہے، حالانکہ دین کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے اکثریت
ایسے لوگوں کی ہے جن کا دین اللہ کے لیے خالص نہیں ہے۔" [1]

مندرجہ بالا عبارت کے اِن جملوں پر پھر غور فرما لیا جائے —— اکثر لوگوں نے خدا کے بجائے دوسروں کی ربوبیت تسلیم کر رکھی ہے —— پتھر کے بتوں کے سوا دُوسرے طاغوتوں سے وہ چمٹے ہُوئے ہیں —— اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا دین اللہ کے لیے خالص نہیں ہے۔

یہ سمجھنا تو ذرا بھی دشوار نہیں کہ پہلے جملے میں اکثر لوگوں اور آخری میں "اکثریت ایسے لوگوں کی ہے" کس کے متعلق کہا ہے۔ یہ اپنے مذہبی دشمنوں، اصطلاحی مشرکوں کے سوا اور کس کے لیے کہا جا سکتا تھا، لیکن دل چھیلنے والی ادا تو یہ ہے کہ دُوسرے جملے میں دُوسرے طاغوتوں سے اُن کی مراد کیا ہے؟ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو طاغوت ٹھہرانے کا دل گردہ مودودی صاحب ہی کے پاس ہے۔ اِس اندھیر نگری میں تو اس کا اُنھیں کیا جواب مل سکتا ہے لیکن محشر کی تپتی ہُوئی زمین پر جب وہ مقربینِ بارگاہِ الٰہیہ مودودی صاحب کو گریبان سے پکڑ کر بارگاہِ خداوندی میں پیش کریں گے اور انصاف کے طلب گار ہوں گے، اُس وقت کا تصوّر اگر مودودی صاحب کو اپنے الفاظ پر نظرِ ثانی کرنے کی ترغیب دلائے تو اُن کا اپنا ہی بھلا ہے ورنہ: سہ

قریب ہے یارو روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

مودودی صاحب نے مذکورہ عبارت میں شکوہ کیا ہے کہ دورِ اخیر کی کتبِ لغت و تفسیر میں قرآنِ کریم کے مذکورہ الفاظ کے اصلی مطالب کو بدل دیا تھا۔ یہ بھی موصوف ہی سے معلوم کرتے ہیں کہ اُن کے نزدیک دورِ اوّل سے کون سا زمانہ مراد ہے۔ چنانچہ انھوں نے

---

[1] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: ص ۱۲، ۱۳

بقلم خود لکھا ہے:

" لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے اُن کے لیے الٰہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے"[1]

مودودی صاحب کی مذکورہ عبارتوں اور تصریحات کے پیشِ نظر چند سوال پیدا ہوتے ہیں جو مخلصانہ انداز میں اُن کے سامنے برائے وضاحت پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) مذکورہ چاروں الفاظ کے اصل معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے جب وہ اہلِ لغت و تفسیر نے یکسر بدل دیے اور مبہم مفہومات کے لیے انھیں خاص کر دیا، ساری اُمت اُن کے بیان کردہ مبہم مفہومات اور شرکیہ معانی ہی کو اصل مفہومات گردانتی رہی، دریں حالت نزولِ قرآن سے لے کر آج تک کی اُمتِ محمدیہ کو کافر و مشرک ہی قرار دیا ہے یا کچھ اور؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ خیر امت ہے مودودی صاحب اسے شریر امت بتاتے اور کافر و مشرک ٹھہراتے ہیں، فریقین میں سے کس کو جھوٹا اور دروغ گو کہا جائے؟

(۲) جب نزولِ قرآن کے بعد ہی کفر کو ایمان اور ایمان کو کفر ٹھہرانا شروع ہو گیا۔ ٹوکنے کے بجائے ہر کوئی اُس پر اتفاق کرتا چلا گیا۔ سب خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا سے بالکل عاری ہو چکے تھے تو اُنھوں نے قرآن و حدیث اور سارے اسلامی لٹریچر میں لفظی اور معنوی کون سی تحریف نہ کی ہوگی؟ ان حالات میں قرآن و حدیث کی صحت پر اعتماد کا کون سا راستہ ہے؟

(۳) کفر و شرک کی ان اندھیریوں میں، مودودی صاحب کے اصطلاحی کافروں مشرکوں کے ہاتھوں یہاں تک پہنچے ہوئے سارے اسلامی لٹریچر کو ایک طرف رکھ دیجیے، اب مودودی صاحب

---

[1] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۱۲

بتائیں کہ اِن اصطلاحوں کے جو اصل معنی نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے وہ اُنھیں کب اور کن ذرائع سے حاصل ہُوئے ہیں ؛

④ مودودی صاحب کے بقول کروڑ در کروڑ مسلمانوں کو کافر و مشرک مان لیا جائے۔ ہزاروں صلحائے اُمت ، اولیاء کرام ، ائمہ مجتہدین ، مفسرین ، محدثین ، فقہاء ، متکلمین اور لاکھوں علمائے دینِ متین کو مشرک بلکہ مشرک گر تسلیم کرکے اُمتِ مرحومہ کو اُمتِ ملعونہ اور بہترین اُمت کو بدترین اُمت تسلیم کر لیا جائے یا یہ باور کرنا چاہیے کہ وہابیت و خارجیت کی کفر ریز و کفر بیز و کفر خیز فضا کے باعث مودودی صاحب ہی کو ساون کے اندھے کی طرح ہرا ہی ہرا سُوجھتا ہے یہ بین الاقوامی مفکر المسلمین ہی کی خارجی نظر کا قصور ہے یا اُمتِ مرحومہ ہی کافر مشرک ہے ؛

؎ دیکھو تو دلفریبیِ اندازِ نقش پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گُل کتر گئی

تیسری عنایت

مجددین کے خلاف نفرت پھیلانا

مودودی صاحب کی اپنے لٹریچر میں یہ غایت سعی رہی ہے کہ مسلمانوں کو جو راسخین فی العلم اور علمِ نبی کے وارثوں سے تعلق ہے اُسے حتی الامکان کمزور کیا جائے تاکہ وہ ایک ہی رسّی کو مضبوطی سے نہ تھامے رہیں بلکہ جو لوگ اصلاح کے پردے میں تخریب کرنا چاہتے ہیں ، جو رہنمائی کے بجائے رہزنی اپنا شیوہ بنا چکے ہیں ، اُن کی بات بھی سُن سکیں ، اُن کی آواز پر بھی کان دھریں ۔ چنانچہ اُمتِ محمدیہ کے مخصوص افراد جو انتہائی نامساعد حالات میں گلشنِ اسلام کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے رہے ، جو باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور غضب کی آندھیوں میں بھی شمعِ ہدایت کو روشن رکھتے رہے ، جنھوں نے اپنے اپنے دور میں باطل سے فیصلہ کن ٹکر لے کر گلشنِ اسلام کو بہار در کنار کرکے ہمیشہ نئی تر و تازگی بخشی ، اُن مقدس ہستیوں کے بارے میں مودودی صاحب یُوں رقمطراز ہیں ؛

" تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا

نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے اُن میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے، مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو۔ خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزاروں گردشوں کے بعد پیدا ہو۔ اس کا نام الامام المہدی ہوگا، جس کے بارے میں صاف پیشگوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں۔[1]

اسلام کے بطل جلیل اور ملت اسلامیہ کی جلیل القدر اور مایۂ ناز ہستی یعنی حضرت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے متعلق مودودی صاحب یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم اُن نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے اُن کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم اُن کے نقائص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے۔"[2]

ملت اسلامیہ کی اس خلاصۂ روزگار اور سرمایۂ افتخار ہستی کو تو مودودی صاحب نے یوں داغدار دکھانے کی سعی فرمائی لیکن مجموعۂ کفر و ضلالت، خارجیت کی مردہ ہڈیوں میں از سر نو جان ڈالنے والے ابن تیمیہ حرانی علیہ ما علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) کی تعریف و توصیف میں موصوف کا قلم یوں بالمقابل رطب اللسان ہوتا ہے:

"ان کمزوریوں سے بچ کر امام موصوف (امام غزالی) کے اصل کام یعنی اسلام کی ذہنی و اخلاقی روح کو زندہ کرنے اور بدعت و ضلالت کی آلائشوں کو نظام فکر و نظام تمدن سے چھانٹ چھانٹ کر نکالنے کے کام کو جس شخص نے آگے بڑھایا

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص ۴۹
[2] ایضاً، ص ۷۲، ۷۳

وہ ابنِ تیمیہ تھا۔" [1]

ابنِ تیمیہ کی مزید قصیدہ خوانی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی بغض و عداوت کا اظہار یوں بھی فرمایا ہے:

"ابنِ تیمیہ قرآن میں گہری بصیرت رکھتے تھے، حتیٰ کہ حافظ ذہبی نے شہادت دی کہ اما التفسیر فمسلّم الیہ۔ تفسیر تو ابنِ تیمیہ کا حصّہ ہے۔ حدیث کے امام تھے۔ یہاں تک کہا گیا کہ: کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیۃ فلیس بحدیث (جس حدیث کو ابنِ تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے) تفقہ کی شان یہ تھی کہ بلا شُبہ اُن کو مجتہد مطلق کا مرتبہ حاصل تھا۔ علومِ عقلیہ، منطق، فلسفہ اور کلام میں اتنی گہری نظر تھی کہ اُن کے معاصرین میں سے جن لوگوں کا سرمایۂ ناز یہی علوم تھے وُہ ان کے سامنے بچّوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ کے لٹریچر اور اُن کے مذہبی فرقوں کے اختلافات پر اُن کی نظر اِتنی وسیع تھی کہ گولڈ زیہر کے بقول کوئی شخص جو تورات کی شخصیتوں سے بحث کرنا چاہے وہ ابنِ تیمیہ کی تحقیقات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور اِن سب علمی کمالات کے ساتھ اُس شخص کی جرأت و ہمّت کا یہ حال تھا کہ اظہارِ حق میں کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہ ڈرا۔ حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جیل بھیجا گیا اور آخر کار جیل ہی میں جان دے دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام غزالی کے چھوڑے ہُوئے کام کو اِن سے زیادہ خُوبی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہُوا۔" [2]

ابنِ تیمیہ حرانی کو مودودی صاحب مجددوں کی فہرست میں شامل کر کے، اُن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت کو گھٹاتے ہُوئے یہ بھی لکھتے ہیں:

"انھوں (ابنِ تیمیہ) نے اسلام کے عقاید، احکام اور قوانین کی تائید میں ایسے

---

[1] تجدید و احیائے دین: ص ۴۳۔ [2] تجدید و احیائے دین: ص ۷۰۔

زبردست دلائل قایم کیے جو امام غزالی کے دلائل سے زیادہ معقول بھی تھے اور اسلام کی اصل رُوح کے حامل ہونے میں بھی اُن سے بڑھے ہُوئے تھے۔ امام غزالی کے بیان و استدلال پر اصطلاحی معقولات کا اثر چھایا ہُوا تھا۔ ابنِ تیمیہ نے اِس راہ کو چھوڑ کر عقلِ عام (COMMON SENSE) پر تفہیم و تبئین کی بناء رکھی، جو زیادہ فطری، زیادہ مؤثر اور زیادہ قرآن و سنت کے قریب تھی۔ یہ نئی راہ پچھلی راہ سے بالکل الگ تھی۔ جو لوگ دین کے علمبردار تھے وہ فقط احکام نقل کر دیتے تھے، تفہیم نہ کر سکتے تھے اور جو کلام میں پھنس گئے تھے وہ تفلسُف اور اصطلاحی معقولات کو ذریعۂ تفہیم بنانے کی وجہ سے کتاب و سنت کی اعلیٰ اسپرٹ کو کم و بیش کھو دیتے تھے۔ ابنِ تیمیہ نے عقاید و احکام کو اُن کی اصل اسپرٹ کے ساتھ بے کم و کاست بیان بھی کیا اور پھر تفہیم کا وہ سیدھا سادہ فطری ڈھنگ اختیار کیا جس کے سامنے عقل کے لیے سر جُھکا دینے کے سوا چارہ نہ تھا۔" [1]

ائمہ مجتہدین کے کام کو غلط دکھانے، مسلمانوں کے ناجی گروہ کو ناری بنانے اور صورتِ حال سے بے خبر لوگوں کو خارجیت کی چوکھٹ پر جھکانے کی خاطر ابنِ تیمیہ اور ان کے شاگرد ابنِ قیم کی یوں قصیدہ خوانی کی جاتی ہے:

"انھوں (ابنِ تیمیہ) نے تقلیدِ جامد کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اٹھائی بلکہ قرونِ اولیٰ کے مجتہدین کے طریقہ پر اجتہاد کر کے دکھایا۔ براہِ راست کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ سے استنباط کر کے اور مختلف مذاہبِ فقہ کے درمیان آزاد محاکمہ کر کے کثیر التعداد مسائل میں کام کیا، جس سے راہِ اجتہاد از سرِ نو باز ہُوئی اور قوتِ اجتہادیہ کا طریقِ استعمال لوگوں پر واضح ہوا۔ اِس کے ساتھ اُنھوں نے اور اُن کے جلیل القدر شاگرد ابنِ قیم نے حکمتِ تشریع اور شارع کے طرزِ قانون سازی پر اتنا نفیس کام کیا جس کی مثال اُن سے پہلے کے شرعی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ یہ وہ

---

[1] تجدید و احیائے دین: ص ۷۷

مواد ہے جس سے اُن کے بعد اجتہادی کام کرنے والوں کو بہترین رہنمائی حاصل ہوئی اور آیندہ ہوتی رہے گی۔" ؎۱

؎ خار کو گُل اور گُل کو خار جو چاہے کرے
تو نے جو چاہا کیا، اے یار جو چاہے کرے

مودودی صاحب کے نزدیک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجددین کی فہرست میں شامل ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بھی مجدد اور اُن کے ممدوح ہیں، لیکن مودودی قلم کا تھمنا کہاں، گنگا کی موج میں جمنا کہاں؛ موصوف کے قلم سے اِن دونوں ممدوحین کی تواضع بھی ملاحظہ ہو:

"پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) اور اُن کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوّف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور نادانستہ اُن کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔" ؎۲

دوسرے مقام پر اِن دونوں بزرگوں کو موصوف نے یوں آڑے ہاتھوں لیا ہے:

"مسلمانوں کے اِس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب ناواقف تھے، نہ شاہ صاحب۔ دونوں کے کلام میں اِس پر تنقید موجود ہے۔ مگر غالباً اِس مرض کی شدت کا انھیں پورا اندازہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے اُن بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اِس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی اور اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اُسی پُرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا۔" ؎۳

موصوف تصوّف سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں اور جسمِ اسلام کی اِس رُوح کو وہ شجرِ ممنوعہ سے

؎۱ تجدید و احیائے دین: ص ۸۰ ؎۲ ایضاً: ص ۱۱۹
؎۳ ایضاً: ص ۱۲۱

کم نہیں سمجھتے اسی لیے مجددین کے مربی و ناصح بن کر آئندہ کار تجدید انجام دینے والے بزرگوں کو یوں فہمائش کرتے ہیں:

"اب جس کسی کو تجدید دین کے لیے کام کرنا ہو اُس کے لیے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات سے، رموز و اشارات سے، لباس و اطوار سے، پیری مریدی سے اور ہر اُس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو اِس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔" [1]

حضرت شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی تصانیف میں اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اُن بزرگوں کے اِس فعل کو مودودی صاحب نے کس نظر سے دیکھا، یہ موصوف ہی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے:

"اب شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد سرہندی رحمہما اللہ کے دعووں کو لیجیے۔ میں اِس لحاظ سے بہت بدنام ہوں کہ اکابر سلف کو معصوم نہیں مانتا اور اُن کے صحیح کو صحیح کہنے کے ساتھ اُن کے غلط کو غلط بھی کہہ گزرتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ اِس معاملہ میں بھی کچھ صاف صاف کہوں گا تو میری فردِ قرار دادِ جرم میں ایک جریمہ کا اور اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن آدمی کو دنیا کے خوف سے بڑھ کر خدا کا خوف ہونا چاہیے اس لیے خواہ کوئی کچھ کہا کرے، میں تو یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اِن دونوں بزرگوں کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف و الہام کے حوالے سے اپنی باتوں کو پیش کرنا اُن کے چند غلط کاموں میں سے ایک ہے اور اُن کی یہی غلطیاں ہیں جنھوں نے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کو طرح طرح کے دعوے کرنے اور اُمت میں نت نئے فتنے اُٹھانے کی جرأت دلائی۔" [2]

حضرت امام مہدی علیہ السلام جن کی دنیا میں تشریف آوری قیامت کے قریب ہو گی اور جن کے ظہور کے وقت حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور دجّال کو قتل کریں گے۔

---

[1] تجدید و احیائے دین: ص ۱۲۲

[2] ایضاً: ص ۱۴۶، ۱۴۷

اُن امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کے نظریات میں من مانا رنگ بھرتے ہُوئے مودودی صاحب اُن کا یُوں مذاق اڑاتے ہیں :

"مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی ان متجددین سے جو اِس کے قائل نہیں ہیں، اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے تسبیح ہاتھ میں لیے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے۔ آتے ہی انا المہدی کا اعلان کریں گے۔ علماء اور مشایخ کتابیں لیے ہوئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہُوئی علامتوں سے اُن کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے اُنھیں شناخت کرلیں گے، پھر بیعت ہوگی اور اعلانِ جہاد کر دیا جائے گا۔ چِلّے کھینچے ہُوئے درویش اور سب پُرانے طرز کے بقیۃ السلف اُن کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ تلوار تو محض شرط پُوری کرنے کے لیے برائے نام چلانی پڑے گی۔ اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہوگا۔ پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے۔ جس کافر پر نظر ماردیں گے تڑپ کر بیہوش ہوجائیگا اور محض بددعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔" [1]

اب مسلمانوں کے بالمقابل مودودی صاحب نے اپنا نظریہ بھی پیش کیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کیسے ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے وثوق سے اپنا عندیہ یُوں پیش کیا ہے :

"عقیدہ ظہورِ مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصوّرات کچھ اِسی قسم کے ہیں مگر میں جو کچھ سمجھا ہُوں اِس سے مجھ کو معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنیوالا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔ وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اُس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی۔ زندگی کے سارے مسائل مہمہ کو وہ خوب سمجھتا ہوگا۔ عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام

---

[1] تجدید و احیائے دین : ص ۷۶

دنیا پر اپنا سکہ جما دے گا اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اُس کی جدتوں کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کریں گے۔ پھر مجھے یہ بھی اُمید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا کہ اُس کی علامتوں سے اُس کو تاڑ لیا جائے نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا بلکہ شاید اُسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اُس کی موت کے بعد اُس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوۃ پر قایم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سُنایا گیا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں، نبی کے سوا کسی کا یہ منصب نہیں ہے کہ دعوے سے کام کا آغاز کرے اور نہ نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وُہ کس خدمت پر مامور ہوا ہے۔ مہدویت دعوٰی کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھا جانے کی چیز ہے۔ اِس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو اُن پر ایمان لاتے ہیں، میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اُس کے کام میں کرامات و خوارق، کشوف و الہامات اور چلّوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلابی لیڈر کو دنیا میں جس طرح شدید جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہی مرحلوں سے مہدی کو بھی گزرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلامی بنیادوں پر ایک نیا مذہبِ فکر (SCHOOL OF THOUGHT) پیدا کرے گا۔ ذہنیتوں کو بدلے گا۔ ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی۔ جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اُس کو کچلنے کی کوشش کرے گی، مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو اُلٹ کر پھینک دے گا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قایم کرے گا جس میں ایک طرف اسلام کی پوری رُوح کارفرما ہوگی اور دوسری طرف سائنٹفک ترقی اوجِ کمال پہ

پہنچ جائے گی۔[1]

یہ مودودی صاحب ہی کا دل گردہ ہے جنھوں نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ پر اِس امر کا اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن مذکورہ بالا عبارت میں ایسا دعویٰ کرنے والوں اور اُن کو سچا سمجھنے والوں کے بارے میں موصوف نے اپنا اٹل فیصلہ یُوں سنایا ہے کہ: میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ بہرحال مسلمان بیچاروں کی تو بات ہی کیا، مودودی صاحب جس قسم کا الامام المہدی چاہتے ہیں ممکن ہے فرشتوں نے اِن کی جملہ تجاویز بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دی ہوں اور وہاں سے کسی ایسے شخص کو امام مہدی کے منصب پر فائز کر کے نہ بھیجا جائے جو مودودی صاحب کی توقعات پر پُورا نہ اترتا ہو۔

کاش! مودودی صاحب اپنی جان کو جانِ آفریں کے سپرد کرنے سے پہلے کبھی یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا فرمالیں کہ انہوں نے مہدیت کا جو حدود اربعہ اور امام مہدی علیہ السلام کے جو اوصاف بیان کیے ہیں، اُن کے اِن مفروضات کی شریعتِ مطہرہ میں کوئی اصل موجود ہے یا اپنے عقلی ڈھکوسلوں کو اُنھیں دین میں داخل کرنے کا پرمٹ ملا ہوا ہے؟ یہ کیا ستم ہے سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ ارشاداتِ گرامی جن میں سند کی رُو سے ذرا بھی کلام کی گنجائش ہو وہ مودودی صاحب کی بارگاہ میں ناقابلِ قبول، خواہ وہ متعلقہ فضائل ہی کیوں نہ ہوں بلکہ صحیح احادیث، بلکہ احادیثِ صحاح کو محض اِس بنا پر رد کر دیا جاتا ہے کہ وہ مودودی صاحب کی تجدیدی درایت سے ٹکراتی ہیں، لیکن اپنے مفروضات کو دینی معاملات میں اِتنے وثوق کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ اُن کی صحت کسی دلیل کی محتاج ہی نہیں۔ اُن کے ارشادات کا وقوع کے مطابق ہونا دلائل سے بے نیاز ہے۔ آخر یہ تماشا کیا ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھولے بھالے اُمتی آخر ایسی ستم ظریفیوں کا شکوہ کس سے کریں یا یہ فیصلہ بھی محشر کی تپتی ہوئی زمین پر ہونے کے لیے چھوڑ دیا جائے کیونکہ: اِنَّ مَوْعِدَكُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ

---

[1] تجدید و احیائے دین: ص ۵۲ تا ۵۴

بقریبؒ ٥

جس طرح ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے مگر اُسے اشیأ اپنے اصلی رنگ روپ نظر نہیں آتیں تو اسے وُہ اپنی نظر کا قصور اور اپنے بخت کی نارسائی پر محمول کرتا ہے لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ: مجھے اُس (امام مہدی) کے کام میں کرامات وخوارق، کشوف و الہامات اور چلّوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ بندۂ خدا اگر آپ کو یہ چیزیں نظر نہیں آئیں تو اِسے اپنی نظر کا قصور اور بصیرت وفراست سے محرومی پر محمول کرکے خاموشی اختیار فرمالیتے، بھلا اِس بات کا ثبوت کیا ہے کہ جو چیز آپ کو نظر نہ آئے حقیقت میں اُس کا وجود ہی نہیں ہے؟ کیا کبھی یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا فرمائی ہے کہ جس ایمانی فراست سے حقائق اپنی اصل صورت میں نظر آتے ہیں اُس کا آپ کے قریب سے بھی گزر ہوا ہے؟ جب وہاں محرومی و نارسائی اپنے آخری نقطے کو چھو رہی ہے تو نظر نہ آنے کا ذکر ہی کیا؟ یہ نظر ہمیشہ اہلِ نظر کے در کی دریوزہ گری سے حاصل ہوتی ہے جنھیں مودودی صاحب ملّتِ اسلامیہ کا عضوِ معطّل گردانتے اور ہمیشہ جن کے مقابل اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا آوازہ بلند کرتے رہتے ہیں۔ جب اندھے صاحبِ نظر ہونے کا دعویٰ کرنے لگیں اور نظر والوں کو اندھا ٹھہرایا جائے تو کائناتِ معقولات ومنقولات میں وُہ عظیم انقلاب برپا ہوجاتا ہے جس پر قابو پانا بظاہر ممکنات سے نظر آنے لگتا ہے۔ ذہن کی اِس آوارگی کے دَور میں زبان پر یہ الفاظ مچلنے لگتے ہیں: ؎

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا

چوتھی عنایت

منصبِ صحابیت کو مجروح کرنا اِس میدان میں مودودی صاحب نے اپنی تحقیق کا خنجر حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی پر خاص طور سے چلایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بزعمِ خود تجدید و احیائے دین کرتے ہوئے حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "جاہلیت کا حملہ"

کے عنوان سے تحت لکھا ہے :

"مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا، اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروؤں کو عطا ہوئی تھیں، اِس لیے اُن کے زمانۂ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا موقع مل گیا۔ حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا۔"[1]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زہر افشانی کرنے، دل کھول کر کیچڑ اُچھالنے کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدشے کی آڑ لے کر اپنے دل کی بھڑاس یُوں نکالتے ہیں :

"حضرت عمرؓ کو اپنے آخر زمانے میں اِس بات کا خطرہ محسوس ہُوا کہ کہیں اُن کے بعد عرب کی قبائلی عصبیتیں (جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود ابھی بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں) پھر نہ جاگ اُٹھیں اور اُن کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اُنھوں نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے حضرت عثمانؓ کے متعلق کہا : اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کر دوں تو وہ بنی ابی معیط (بنی اُمیّہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے۔ خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمانؓ یہی کریں گے اور اگر عثمانؓ نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کر کے عثمانؓ کو قتل کر دیں گے۔

اسی چیز کا خیال اُن کو اپنی وفات کے وقت بھی تھا۔ چنانچہ آخری وقت میں اُنھوں نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

---

[1] تجدید و احیائے دین ص ۳۲ [illegible]

کو بلا کر ہر ایک سے کہا کہ اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو، تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔ مزید برآں چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لیے اُنھوں نے جو ہدایات چھوڑیں اُن میں دُوسری باتوں کے ساتھ ایک بات یہ بھی شامل تھی کہ منتخب خلیفہ اِس امر کا پابند رہے کہ وُہ اپنے قبیلے کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرے گا مگر بد قسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ اس معاملے میں معیارِ مطلوب کو قایم نہ رکھ سکے۔ اُن کے عہد میں بنو اُمیّہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیے گئے اور دُوسرے قبیلے اسے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔ اُن کے نزدیک یہ صلۂ رحمی کا تقاضا تھا۔۔۔۔ اِس کا نتیجہ آخر کار وہی ہُوا جس کا حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا۔ اُن کے خلاف شورش برپا ہُوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہُوئے، بلکہ قبائلیت کی دبی ہُوئی چنگاریاں پھر سُلگ اُٹھیں جن کا شعلہ خلافتِ راشدہ کے نظام ہی کو پھونک کر رہا۔“[1]

مذکورہ بالا عبارت میں مودودی صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافتِ راشدہ کی تباہی کا صاف طور پر ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ صاف کہہ دیا کہ اُن کی اقرباء پروری کی روش نے خلافتِ راشدہ کے نظام کو پھونک کر رکھ دیا۔ برملا لکھ دیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافرمانوں کو لوگوں کی گردنوں پر مسلّط کر دیا تھا۔ اِن بیانات کی روشنی میں خلیفۂ ثالث کے تقویٰ و طہارت کا جو نقشہ مودودی صاحب نے کھینچا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اپنے بیان کو مدلل کرنے کی غرض سے موصوف نے بے سروپا تاریخی قصّوں کی آڑ میں یُوں مشقِ ستم بھی کی ہے:

”لیکن اُن (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد جب حضرت عثمان جانشین ہُوئے تو رفتہ رفتہ وہ اِس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ اُنھوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور اُن کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔

---

[1] خلافت و ملوکیت، طبع پنجم، ۱۹۷۰ء، ص ۹۸ تا ۱۰۰

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو معزول کر کے انھوں نے کوفہ کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی مُعَیط کو مقرر فرمایا اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرے کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو اُن کی جگہ مامور کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح کو مقرر کیا۔ حضرت معاویہؓ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم کو انھوں نے اپنا سکرٹری بنا لیا جس کی وجہ سے سلطنت کے پورے دروبست پر اس کا اثر و نفوذ قایم ہو گیا۔

اِس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔" لـه

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقربا پروری اور اُنھیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنے پر خود ہی اعتراضات جڑے اور بے بنیاد الزامات عاید کیے۔ خود ہی فرضی سی صفائی پیش کر کے اُسے رد کر رہے ہیں۔ گویا اپنے ہاتھوں فتنے کا دروازہ کھولنے اور اُسے بند کرنے کے لیے ایسی مہم چلانا کہ دروازہ بھی کھلا رہے اور مہم چلانے کا دنیا بھر میں شہرہ بھی ہو جائے، یہ ہے مودودی صاحب کا وہ شریعت کی آڑ میں تجارتی کاروبار جس پر اُن کی شہرت کا سارا دارومدار ہے۔ چنانچہ موصوف کا یہ کردار اُن کی مندرجہ ذیل عبارت کے آئینے میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے:

اِس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے یہ مناصب دیے، اُنھوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور اُن کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ قابلیت صرف انھی لوگوں میں نہ تھی۔ دوسرے لوگ بھی بہترین قابلیتوں کے مالک موجود تھے اور اِن سے زیادہ خدمات انجام دے چکے تھے محض قابلیت

لـه خلافت و ملوکیت: ص ۱۰۶ تا ۱۰۸

اِس بات کے لیے کافی دلیل نہ تھی کہ خراسان سے لے کر شمالی افریقہ کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دے دیا جاتا اور مرکزی سکرٹریٹ پر بھی اُسی خاندان کا آدمی مامور کر دیا جاتا۔ یہ بات اوّل تو بجائے خود قابلِ اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیسِ اعلیٰ جس خاندان کا ہو، مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اُسی خاندان کے لوگوں کو دے دیے جائیں، مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورتِ حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی۔" [1]

اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری جرم فرد کے بارے میں مودودی صاحب کی وضاحت ملاحظہ ہو:

"مروان کے اِس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اُس کا سکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ لوگ حضرت عثمانؓ کے اعتماد پر یہ تو مان سکتے تھے کہ حضورؐ نے ان کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپسی کی اجازت دینے کا وعدہ فرما لیا تھا اِس لیے اُسے واپس بُلا لینا قابلِ اعتراض نہیں ہے لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لیے مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسی معتوب شخص کا بیٹا اِس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر اُسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے، خصوصاً جبکہ اُس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔" [2]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد کردہ دونوں الزامات کو مودودی صاحب نے آگے چل کر بھی دُہرایا ہے جس سے بعض گوشے مزید اُجاگر ہو جاتے ہیں، چنانچہ موصوف نے لکھا ہے:

"یہ تھے وہ وجوہ جن کی بناء پر حضرت عثمانؓ کی یہ پالیسی لوگوں کے لیے اور بھی زیادہ بے اطمینانی کی موجب بن گئی تھی۔ خلیفہ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کو

---

[1] خلافت و ملوکیت: ص ۱۰۸، ۱۰۹   [2] ایضاً: ص ۱۱۰، ۱۱۱

پے در پے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی وجہِ اعتراض تھا۔ اِس پر جب لوگ یہ دیکھتے تھے کہ آگے لائے بھی جا رہے ہیں تو اِس طرح کے اشخاص، تو فطری طور پر اُن کی بے چینی میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔ اِس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دُور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔

ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیے رکھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحرِ ابیض تک کا پُورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت (۱۲ سال) میں ان کو اُسی صوبے پر برقرار رکھا۔ یہی وجہ ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔ شام کا یہ صوبہ اُس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اِس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صُوبے۔ بیچ میں وہ اِس طرح حائل تھا کہ اگر اُس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔ حضرت معاویہؓ اِس صوبے کی حکومت پر اِتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انھوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جما لیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔

دوسری چیز جو اِس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہُوئی وُہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ اِن صاحب نے حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اور اُن کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کیے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی، حالانکہ اُن کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وُہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفۂ برحق

اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیرخواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انھوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لیے بمشکل ہی قابلِ برداشت ہو سکتا تھا۔ اِسی بنا پر دوسرے لوگ تو در کنار، خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی بڑی ذمہ داری مروان پر عاید ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ "اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اِس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت نہ محبت۔" [1]

یہ ہے مودودی صاحب کی نظر میں خلیفۂ برحق حضرت امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جرائم کی فرد، کوتاہیوں اور غلطیوں کی فہرست جنہیں مودودی صاحب نے جھوٹے اور من گھڑت تاریخی واقعات سے مدلل و مزین بھی کیا ہوا ہے۔ مودودی صاحب کے جملہ نظریات وغیرہ پر سیر حاصل تنقید کے لیے تو قارئینِ کرام تحفۂ مودودیت کا انتظار فرمائیں، اِن سطور میں تاریخی بحث کی گنجایش کہاں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا فرضی جرائم پر اب سرکار مودودیت مآب کی عدالتِ عالیہ سے جو فیصلہ صادر ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلا شبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اُس کی خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔" [2]

مودودی صاحب کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عدیم المثال ہستی کی غلطیاں تو نظر آ گئیں لیکن کیا اُنھیں اپنی ذات میں بھی کوئی غلطی نظر آئی ہے؟ اُن کے متبعین کی نظر میں مودودی صاحب سے کوئی ایک فعل بھی ایسا سرزد ہوا ہے جسے وہ غلط سمجھتے ہوں؟ اگر کوئی فعل

---

[1] خلافت و ملوکیت : ص ۱۱۶، ۱۱۷

یا افعال ایسے ہیں تو از راہِ کرم مسلمانوں کو اُن سے مطلع فرمائیں بصورتِ دیگر یہی سمجھا جانے گا کہ قصرِ مودودیت میں رہنے والوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اگر کسی انسان کو غلطیوں سے پاک رکھا ہے تو وہ صرف مودودی صاحب کی ذات ہے۔ کاش! مودودیت کے شیش محل میں رہنے والے اُمتِ محمدیہ اور اس کے اکابر پر سنگ باری کرنے سے پہلے کبھی اپنے گریبانوں میں جھانک کر بھی دیکھ لیا کریں کہ وہ : ؎

اسلام کے خلاف خدا کے حریف ہیں
ابلیس کی وہ فصلِ ربیع و خریف ہیں

قارئینِ کرام کو اگر بارِ خاطر نہ ہو تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مودودی صاحب کے الزامات کی فہرست ملاحظہ فرمائی جائے :

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن خوبیوں کے حامل نہ تھے جو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں موجود تھیں۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو اُمیہ کو بیت المال سے کثرت کے ساتھ عطیے دیے۔

۳۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی ابی مُعیط (بنو اُمیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا جنھوں نے معصیتوں کا ارتکاب کیا۔

۴۔ خلیفۂ ثالث نے خراسان سے شمالی افریقہ تک کی اسلامی مملکت اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو گورنر بنا بنا کر ان کی ماتحتی میں دے دیا اور سابقین اوّلین کو نظر انداز کر کے دیا بھی اُن لوگوں کے ہاتھ میں، جو طلقاء تھے۔

۵۔ اسلامی مملکت میں سب سے اہم جنگی حیثیت کے صوبہ شام پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عزیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلسل گورنر رکھا تیز ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحلِ ابیض تک کا علاقہ اُن کی ولایت میں جمع کر دیا تھا۔ جس کا خمیازہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بھگتنا پڑا تھا۔

۶۔ خلیفۂ ثالث نے اپنے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم کو اپنا پرسنل سیکرٹری رکھ لیا تھا جو اپنی غلط کاری سے ایک جانب حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہوتا اور دوسری طرف

اکابر صحابہ کے تعلقات خلیفۂ برحق سے خراب کرنے میں کوشاں رہتا تاکہ خلیفہ کا اعتماد صرف اپنے خاندان پر مرکوز ہو کر رہ جائے۔

مذکورہ اعتراضات پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مودودی صاحب گروہِ روافض کی طرح بعض اکابر صحابہ کی عداوت میں مغلوب ہو چکے ہیں اسی لیے جھوٹے تاریخی قصوں کے ساتھ اپنے مفروضات کو بھی قارئین کے سامنے اِس طرح پیش کرتے چلے گئے ہیں کہ وہ گویا حقیقت پر مبنی ہیں۔ موصوف کا یہ لکھنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن خوبیوں کے حامل نہ تھے جو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں موجود تھیں، آخر اِس میں خلیفۂ ثالث کا کیا قصور جبکہ ہر شخص کے اوصاف علیحدہ اور ہر فرد دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ جناب مودودی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان خوبیوں کے حامل تھے جو کائناتِ ارضی و سماوی کی اُس ممتاز ترین ہستی میں موجود تھیں جس کے وہ خلیفہ مقرر ہوئے تھے؟ ہر مسلمان یہی جواب دے گا کہ ہرگز وہ ان خوبیوں کے حامل نہیں تھے۔ اِس کے باوجود کسی مسلمان نے آج تک اُن کے سوا کسی کو خلافت کا حقدار قرار نہیں دیا اور نہ اُنھیں نااہل ٹھہرایا۔ اِسی طرح خلیفۂ ثالث اگر اُن خوبیوں کے حامل نہ تھے جو شیخین میں تھیں تو یہ کون سا عیب ہے جس پر انگشت نمائی کی جائے۔ سوال تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ خلیفۂ ثالث حضرات شیخین کے بعد خلافت کے اہل تھے یا نہیں؟ مودودی صاحب اُنھیں نااہل قرار دیتے ہیں جیسا کہ اُن کے اعتراضات کی فہرست سے واضح ہو رہا ہے لیکن سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ افراد (صحابۂ کرام) جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد بنی نوعِ انسان میں اپنی نظیر آپ تھے، اُس مقدس گروہ کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خلافت کی اہلیت اور کسی میں نہیں تھی۔ مودودی صاحب خلیفۂ ثالث کو نااہل بتاتے ہیں جبکہ جملہ صحابہ کرام نے اُنھیں اُمتِ محمدیہ کا اہل ترین فرد قرار دیا تھا۔ اِن حالات میں فیصلہ قوتِ ایمانی ہی کر سکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تربیت پانے والے مقدس گروہ کے فیصلے کو سچا سمجھا جائے یا مودودی صاحب کی رائے کو، جنھیں کسی قابلِ ذکر ہستی سے تربیت پانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ مودودی صاحب کے مفروضات پر محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی معجزانہ تربیت اور صحابۂ کرام کی عظمت کو قربان کر دینا کسی ایسے شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی ہو ؟

دوسرا اعتراض مودودی صاحب نے خلیفۂ ثالث پر یہ کیا ہے کہ اُنھوں نے بیت المال سے بنو امیہ کو بڑے بڑے عطیے دیے۔ اِس سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وضاحت قابلِ غور ہے :

فانی ما اعطیھم من مالی و لا	میں نے جو کچھ اُنھیں (بنو امیہ کو) دیا ہے
استحل اموال المسلمین لنفسی	وُہ اپنے ہی مال سے دیا ہے اور مسلمانوں
و لا لاحد من الناس۔ [1]	کا مال میں اپنی ذات کے لیے بھی حلال
	نہیں سمجھتا نہ کسی دوسرے آدمی کے لیے۔

تیسرا اور چوتھا اعتراض کثرت سے بنو امیہ کے گورنر بنانے اور اتنا بڑا ملک ایک ہی خاندان کے تسلط میں دینے پر ہے۔ بہرحال اِس دُکھ میں ہمیں مودودی صاحب سے دلی ہمدردی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ اُنھیں صحابۂ کرام کے دشمنوں کی صف سے نکال کر اُن بزرگوں کے عقیدت مندوں میں شامل فرمائے۔ اِس کے علاوہ ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں ؛

جب مودودی صاحب اِسی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مقرر فرمایا تھا اُن میں اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیت تھی اور اُن کے ہاتھ پر بہت سی فتوحات بھی ہُوئیں تو معلوم نہیں مودودی صاحب اِس بات پر چیں بہ جبیں کیوں ہیں ؟ کیا اپنوں کی قابلیت اور سرفروشی سے پُورے عالمِ اسلام کو فائدہ پہنچانا بھی موصوف کے نزدیک خلیفۂ ثالث کا جرم ہے ؟ بندۂ خدا اسلام پر جانثاری کا اپنے اقربا کو دوسروں سے بڑھ کر موقع دینا قابلِ اعتراض کسی عاقل کے نزدیک نہیں ہو سکتا، ہاں لائقِ تحسین و آفرین ضرور ہے۔ رہا اُن کے گورنر بنائے جانے پر اعتراض کرنا، تو یہ بھی ہرگز قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ وُہ حضرات جن غیر مسلم علاقوں کو پے درپے فتح کر کے اسلامی مملکت کی حدود کو روز بروز

---

[1] تاریخ طبری، جلد سوم، ص ۳۸۵

وسیع کر رہے تھے، ایسے علاقوں پر اُن فاتحین حضرات ہی کو گورنر مقرر کرنا زیادہ قرینِ انصاف ہے یا دُوسروں کو؟ دیگر صحابۂ کرام تو اِس طرزِ عمل پر قطعاً معترض نہ ہُوئے لیکن اگر مودودی صاحب کو تکلیف پہنچی ہے تو وہ کسی بھی طرح خلیفۂ ثالث ہی کے وقت میں تشریف لے آتے اور جس طرح آج مسلمانوں سے علیحدہ اپنا فرقہ بنا لیا ہے اِسی طرح کر کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برملا کہہ دیتے کہ حضورِ والا! جن علاقوں کو دلیرانِ بنوامیہ فتح کر رہے ہیں اُن پر یا تو جماعتِ اسلامی کے کارندوں اور ورکروں کو فائز فرماتے جائیے ورنہ آپ کے خلاف سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی۔ خلیفۂ برحق کے مخالف ہونے میں اُس وقت تو اقتدار کی موہوم سی اُمید بھی ہو سکتی تھی لیکن آج فرضی قصوں، جھُوٹی روایتوں کی آڑ لے کر اُن کی مخالفت پر کمربستہ ہونے میں کون سی اسلام کی خدمت یا آخرت کی بھلائی نظر آ رہی ہے؟

مودودی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب مذکورہ صورتِ حال پیش آئی تو صحابہ کرام میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ کاش! موصوف یہ راستہ اختیار نہ کرتے کیونکہ وُہ زمانہ خلافتِ راشدہ کا تھا۔ تمام امُورِ مہمہ اجلہ اصحاب کے مشوروں سے طے پاتے تھے۔ جملہ حضرات بالکل مطمئن اور خلیفۂ برحق کے ساتھ تھے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ من مانی کر رہے ہوتے تو صحابۂ کرام کی اجتماعی قوت ہرگز اُنھیں ایسا نہ کرنے دیتی بلکہ وُہ اُن کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھا سکتے اور نہ اُنھوں نے ایسا کوئی قدم اُٹھایا اور نہ جمہور صحابہ کے لیے اُنھیں بارِ خلافت سے سبکدوش کر دینا بھی چنداں مشکل نہیں تھا۔

پانچواں اعتراض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گورنری پر ہے کہ خلیفۂ ثالث نے اُنھیں اپنے دورِ خلافت میں مزید پورے بارہ سال تک شام کا گورنر کیوں رکھا؟ کیوں جڑیں مضبوط کرنے کا موقع دیا؟ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گورنروں کی جڑوں کو کھوکھلی کرتے رہتے تو مودودی صاحب کی آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہو جاتا جنابِ والا! خلافتِ راشدہ کے دور میں کسی گورنر کو اُس کے خلاف شکایتیں پہنچنے یا اُس کے خود کسی بھی وجہ سے مستعفی ہو جانے کے سوا ہٹایا نہیں جاتا تھا۔ مودودی صاحب کے پاس اگر مذکورہ بارہ سالہ دور کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق معقول شکایتیں ہیں تو وہ علی الاعلان ضرور

پیش کریں تاکہ اُن کی روشنی میں مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ان کی موجودگی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چاہیے تھا کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی گورنری سے ہٹا دیتے، بصورتِ دیگر مودودی صاحب اپنے موقف پر نظرِ ثانی فرمالیں تو اُن کے لیے بہت مفید ثابت ہو گا۔

سب سے پہلے بحری بیڑہ تیار کرنے والے قیصرِ روم کی یلغار کو نہ صرف روکنے بلکہ اُسے ناکوں چنے چبوانے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق مودودی صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ماتحتی میں ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزیرہ سے ساحلِ بحرِ ابیض تک کا پورا علاقہ جمع کر کے اُن کی ولایت کو اتنا وسیع کیوں کر دیا تھا۔ کاش! مودودی صاحب سبائیت کی پٹی ہٹا کر اتنا بتانے کی زحمت گوارا فرمالیں کہ ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزیرہ سے ساحلِ بحرِ ابیض تک کے علاقے فتح کس نے کیے تھے؟ یقیناً وہ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ انھیں قربانی کی کھالیں جمع کرنے والے جماعت اسلامی کے کارندوں نے فتح نہیں کیا تھا بلکہ قیصرِ روم کی طاقت پر بار بار ضربیں لگانے والے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح کیا تھا۔ شام کا صوبہ جو قیصرِ روم کو اسلامی مملکت کے دارالخلافے کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے نہیں دیتا تھا اور بری و بحری لڑائیوں میں پے در پے رومیوں پر کاری ضربیں لگا رہا تھا، اُس کی حدود کو وسیع کر کے، اُسے مضبوط سے مضبوط تر بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی تدبّر اور دانشمندی کا ثبوت ہی دیا تھا لیکن دل کی لگی، سبائیت کی کھلبلی اگر اسے غلطی ہی کہنے پر مجبور کرے تو اس قلبی مرض کا علاج توبہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ اِس پر مُصر ہو کر مرغ کی ایک ہی ٹانگ بتائے جانے کا انجام اللہ کے کلام معجز نظام نے یہ بتایا ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ	اُن کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے
اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ	اُن کی بیماری اور بڑھائی اور اُن کے لیے
اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۔[1]	دردناک عذاب ہے بدلہ اُن کے
	جھوٹ کا۔

---

[1] پارہ پہلا، سورۂ بقرہ، آیت ۱۰

بخاری شریف، کتاب الجہاد میں ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم محوِ خواب تھے۔ بیدار ہونے پر بوجہ مسرت تبسم فرمایا۔ حضرت امِ حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تبسم کی وجہ پُوچھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

ناس من امتی یرکبون البحر	میری امت کے بعض لوگ جہاد فی سبیل اللہ
الاخضر فی سبیل اللہ مثلہم	کی خاطر سمندری جہازوں پر سوار ہیں۔ وہ
کمثل الملوک علی الاسرہ	یوں نظر آتے ہیں جیسے بادشاہ تخت پر
فقالت یا رسول اللہ ادع	بیٹھے ہوں۔ امِ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا
اللہ ان یجعلنی منہم قال	نے عرض کی، دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے
اللھم اجعلہا منہم۔	اُن لوگوں میں شمار فرمالے۔ آپ نے
	دُعا فرمائی، اے اللہ! اِسے ان لوگوں
	میں شمار فرمالے۔

اِسی بخاری شریف کے کتاب الجہاد کی یہ روایت بھی چشمِ بصیرت سے دیکھنے کے قابل ہے:

اوّل جیش من امتی یغزون	میری اُمت کی پہلی فوج جو بحری لڑائی
البحر قد اوجبوا۔	کرے گی اُس کے لیے جنت واجب
	ہو گئی۔

بحری بیڑا بنانے کے موجدِ اوّل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی مقدس طاقت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ کر کے اللہ و رسول کی رضا خریدی، دانشمندی اور ایمانی بصیرت کا زبردست ثبوت دیا ہے، اِسے غلطی بتانا بوالعجبی ہے: ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اِس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

چھٹا اعتراض مودودی صاحب کا یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان جیسے شخص کو محض قرابت کے باعث اپنا سیکرٹری بنا لیا تھا اور وُہ اپنی بے راہ روی کے باعث حکومت کے کاموں پر اثرانداز ہو رہا تھا۔ کئی ناروا کام اُس نے ایسے کیے جن کا

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم بھی نہ ہونے دیا لیکن اُن کی ذمہ داری بہرحال خلیفۂ وقت پر عائد ہوتی ہے اور مروان نے خلیفہ سے اکابر صحابہ کے تعلقات خراب کرنے میں اہم پارٹ ادا کیا۔

جہاں تک مروان کو سیکرٹری بنانے کا تعلق ہے یہ مودودی صاحب کا سفید جھوٹ اور نری گپ ہے جس کی صحت پر وہ مرتے دم تک کوئی دلیل قایم نہیں کرسکیں گے۔ سیکرٹری کا کوئی عہدہ نہ زمانۂ رسالت میں تھا، نہ عہدِ صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اور نہ اس عہدے کی تخلیق حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں ہوئی۔ پورا دورِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ اِس عہدے سے نا آشنا رہا۔ کسی نے اِس کا وجود بھی نہ دیکھا، لیکن دورِ حاضر کی محقق و مفکر کہلانے والی ہستی ایسے عالم آشکار میں ڈنکے کی چوٹ جھوٹ بولنے سے ذرا نہیں شرماتی۔ ایسے فرضی افسانے گھڑنے پر آنکھ ذرا بھی نہیں لجاتی۔ اللہ تعالیٰ دین و دیانت عطا فرمائے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ مروان نے کئی ناروا کام وہ کیے کہ اگرچہ وہ خلیفہ کے علم میں نہ تھے لیکن اُن کی ذمہ داری خلیفۂ وقت پر عاید ہوتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ہم سبائیت کے وکیل مطلق صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مرنے سے پہلے ایسے کسی ایک واقعے کی نشاندہی ضرور فرمادیں۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ط عاجز رہنے کی صورت میں درِ توبہ کی جانب رجوع کریں کہ وہ ابھی کھلا ہوا ہے۔

ہم نے یہاں مودودی صاحب کے چیدہ چیدہ چھ اعتراضات ہی پر بخوفِ طوالت اکتفا کیا ہے ورنہ مودودی صاحب نے تو خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا سے عاری ہوکر اور بھی کتنے ہی سنگین الزامات عاید کیے ہیں، مثلاً:

۱۔ عہدِ عثمانی میں آگے بڑھائے جانے والے بزرگوں کو طلقا بتایا ہے۔

۲۔ بتایا ہے کہ اسلام لانے تک وہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف رہے تھے۔

۳۔ لکھا ہے کہ فتح مکہ کے وقت انھیں معافی ملی تھی۔

۴۔ صاف لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے۔

۵۔ تصریح کی ہے کہ عہدِ عثمانی میں یہ لوگ سابقین اوّلین کو ہٹا کر لائے گئے تھے۔

۶۔ وہ حضرات ملک گیر و ملک دار تھے۔

۷۔ اُن لوگوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت نہیں ہُوئی تھی۔

۸۔ وُہ امتِ مسلمہ کی اخلاقی قیادت اور دینی سربراہی کے لیے موزوں نہ تھے۔

۹۔ اُنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملا تھا۔

۱۰۔ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مے نوشی کا الزام لگایا ہے۔

۱۱۔ عثمانی دور کے طرزِ عمل کو عہدِ رسالت اور صدیقی و فاروقی دور کے خلاف بتایا ہے۔

۱۲۔ چار پانچ اصحاب کے علاوہ پورے مدینہ منورہ میں کوئی صحابی خلیفۂ ثالث کا حامی نہ رہا تھا۔

قارئین کرام پہلے چار الزامات کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے غور فرمائیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۶ھ میں ایمان لائے تھے یعنی فتح مکہ سے دو سال پہلے۔ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے وقت چھ سال کے تھے اور حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار سال کے۔ لیکن مودودی صاحب بین الاقوامی شخصیت ہو کر ہمالیہ پہاڑ جتنا جھوٹ بول رہے ہیں اور مسلمانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایسی گپوں سے بھی ذرا نہیں شرماتے، آنکھ تک نہیں جھکاتے۔ ذرا حق کی علمبرداری کے مدعی صاحب سے یہ پوچھا تو جائے کہ جنابِ والا! کیا یہ حضرات بھی طلقاء ہیں؟ کیا یہ دعوتِ اسلام کے فتح مکہ تک مخالف رہے تھے؟ کیا فتح مکہ کے وقت اِنھیں معافی ملی تھی؟ کیا یہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے؟ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ٥ اگر پلّے کوئی دلیل نہ ہو تو بتایا جائے کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥ کے تحت طوقِ لعنت کس خوشی میں زیبِ گلو فرمایا ہوا ہے؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ اتہامات سے توبہ کر کے طوقِ لعنت سے خلاصی حاصل کی جائے؟ قرآنِ کریم پکار پکار کر کہہ رہا ہے، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ٥

دورِ عثمانی کے اُموی گورنروں میں سے حضرت ولید بن عقبہ اور حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہما ضرور فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے لیکن برضا و رغبت حلقہ بگوشِ اسلام

ہوئے تھے۔ نہ اِن کا شمار طلقاء میں ہے، نہ معافی کا معاملہ درپیش آیا۔ اگر مودودی صاحب کے پاس اِن حضرات کو مطعون کرنے کے دلائل ہیں تو اُنھیں ضرور پیش کریں تاکہ ہم قارئین کو اُن دلائل کا وزن دکھا سکیں اور آفتابِ نیمروز کی طرح واضح کر دیں کہ مودودی صاحب حق دشمنی اور بُغضِ اصحابِ رسول میں سبائیوں سے پیچھے ہیں یا چار قدم آگے ہی بڑھے ہُوئے ہیں۔ چنانچہ :-

مشاطہ را بگو کہ بر اسبابِ حُسنِ یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

کاش! حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مشقِ ستم کرتے وقت مودودی صاحب کے گوشۂ ذہن میں یہ بات آجاتی کہ وہ خلافتِ راشدہ اور یارانِ رسول پر تنقید کر رہے ہیں، کسی ڈکٹیٹر پر اُن کی تنقید نہیں ہے۔ خلافتِ راشدہ میں تمام امور باہمی مشورے سے طے پایا کرتے تھے کسی ایک شخص کی رائے قانون نہیں بن جاتی تھی۔ دورِ عثمانی میں بھی تمام امور مشورے سے طے ہوتے تھے۔ اگر کسی کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظامِ سلطنت غلط ہے تو اُس وقت کے تمام صحابۂ کرام کو غلط ماننا لازم آئے گا۔ چنانچہ اِسی حقیقت کا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے یُوں اظہار فرمایا ہے :

وما ذنب عثمان فیما صنع	اور اُس میں حضرت عثمان کا کیا گناہ ہے
عن امرنا۔ [1]	جو اُنھوں نے ہمارے مشورے سے کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصری سبائیوں کی ایک جماعت کو دھتکارتے ہوئے معترضین خلیفۂ ثالث کے بارے میں فرمانِ رسالت سُناتے ہُوئے یُوں اپنا عندیہ ظاہر کیا تھا :

فصاح بھم واطردھم	آپ نے اونچی آواز سے اُنھیں دھتکارا
وقال لقد علم الصالحون	اور فرمایا: نیک لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے
ان جیش ذی المروۃ و ذی	کہ ذی مروہ اور ذی خشب کے لشکر
خشب ملعونون علٰی لسان	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] تاریخ طبری، جلد سوم؛ ص ۴۲۰

محمد صلی اللہ علیہ وسلم فارجعوا لا صحبکم اللہ۔ [1]

فرمان کے مطابق ملعون ہیں۔ تم واپس چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی نہ ہو۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفینِ عثمان کی اِس ساری کارگزاری کو بلوٰی یعنی شرارت و بغاوت قرار دیا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

بَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ عَلٰی بَلْوٰی۔

اُسے (حضرت عثمان کو) جنت کی بشارت دے دو، بلوٰی کے ساتھ۔

اِن کی دُوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

بَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ مَعَ بَلْوٰی تُصِیْبُہٗ۔

اُسے جنت کی خوشخبری سُنا دو ساتھ بلوٰی کے جس سے وہ دوچار ہوگا۔

ترمذی شریف میں حضرت مُرّہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے آپ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا تھا:

ھذا یومئذ علی الھدٰی۔

اُس روز ہدایت پر یہ ہوگا۔

اِسی ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنۃ فقال یقتل ھذا فیھا مظلوماً لعثمان۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتنے کا ذکر کیا اور حضرت عثمان کے متعلق فرمایا کہ اُس میں یہ مظلومانہ شہید ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طویل حدیث میں ہے کہ فتنہ کے وقت آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کے اصرار پر خلافت نہ چھوڑ دینا۔ الفاظ یہ ہیں، لعل اللہ یقمصك قمیصا فان ارادوك علیٰ خلعہ فلا تخلعہ لھم۔ بیہقی نے دلائل النبوۃ

---

[1] ابن جریر و ابن کثیر بحوالہ ماد لانہ وقائع۔ جلد اوّل، ص ۱۹۸، ۱۹۹

میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس تذکرہ کے وقت ایک صحابی نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس فتنہ کے وقت ہمیں کیا کرنا چاہیے ، تو حکم ہوا : علیکم بالامیر و اصحابہ وھو یشیر الی عثمان ۔ یعنی اپنے امیر اور اس کے ساتھیوں کی اطاعت کرنا ۔ امیر کہتے وقت آپ نے حضرت عثمان کی جانب اشارہ فرمایا لیکن مودودی صاحب اُن کی مخالفت اور سبائیوں کی ہمنوائی پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں ۔

مودودی صاحب کی مشقِ ستم سے رافضی حضرات بڑے شادماں ہیں کہ اُنھوں نے دشمنانِ صحابہ کی وکالت کا حق ادا کر دیا لیکن جو بیباک قلم کسی کو نظر انداز کرنا جانتا ہی نہ ہو اُس کی ناوک فگنی سے بھلا کون بچ سکتا ہے ؟ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تیر اندازی ان لفظوں میں ہوتی ہے :

"حضرت علی نے اِس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفۂ راشد کے شایانِ شان تھا ۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے وُہ یہ کہ جنگِ جمل کے بعد اُنھوں نے قاتلینِ عثمان ؓ کے بارے میں اپنا رویّہ بدل دیا ۔ جنگِ جمل تک وُہ اُن بزرگوں سے بیزار تھے ، بادلِ ناخواستہ اُن کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے ۔ حضرت عائشہ ؓ اور حضرت طلحہ ؓ و زبیر ؓ سے گفتگو کرنے کے لیے جب انھوں نے حضرت قعقاع بن عمرو کو بھیجا تھا تو اُن کی نمائندگی کرتے ہُوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ : حضرت علی ؓ نے قاتلینِ عثمان پر ہاتھ ڈالنے کو اُس وقت تک موخر کر رکھا ہے جب تک وُہ اُنھیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں ، آپ لوگ بیعت کر لیں تو خونِ عثمان ؓ کا بدلہ لینا آسان ہو جائے گا ۔ پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو اُن کے اور حضرت طلحہ ؓ و زبیر ؓ کے درمیان ہُوئی اُس میں حضرت طلحہ ؓ نے اُن پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمان ؓ کے ذمہ دار ہیں تو اِنھوں نے جواب میں فرمایا : لعن اللہ قتلۃ عثمان (عثمان کے قاتلوں پر اللہ کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وُہ لوگ اُن کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان ؓ کے خلاف

شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے درانحالیکہ قتلِ عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصّہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علیؓ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" [1]

اب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی برگزیدہ ہستیوں پر مودودی صاحب کی تیر اندازی ملاحظہ کر کے حالات کی ستم ظریفی کا جائزہ لیجئے:

"تیسرے، حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ، جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اُٹھ کھڑے ہوئے، ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ——— ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالتِ قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اسے پورا کرانے کے لیے استعمال کرے۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لیے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ لے کر اُٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا، جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے۔ حکومت اگر مجرموں کو پکڑنے اور اُن پر مقدمہ چلانے میں واقعی دانستہ ہی تساہل کر رہی تھی تو بلاشبہ دُوسرے لوگ اُس سے انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ لیکن کسی حکومت سے انصاف کے مطالبے کا یہ کون سا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اِس کی نشان دہی کی جا سکتی ہے کہ آپ سرے سے اُس حکومت کو جائز حکومت ہی اُس وقت تک نہ مانیں جب تک وہ آپ کے اِس مطالبے کے مطابق عمل در آمد نہ کر دے۔ حضرت

[1] خلافت و ملوکیت: ص ۱۳۶

علیؓ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر اُن سے اِس مطالبہ کے آخر کیا معنی تھے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؟ کیا وُہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑ لیں اور سزا دے ڈالیں؟" لہ

حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذکورہ طرزِ عمل پر مودودی صاحب کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

"اِس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اِس کے کہ وہ مدینے جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثا سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جا سکتی تھی، بصرے کا رُخ کیا اور فوج جمع کر کے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کے بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام الگ درہم برہم ہو جائے۔ شریعتِ الٰہی تو درکنار، دنیا کے کسی آئین و قانون کی رُو سے بھی اِسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جا سکتا۔" لہ

ہم مودودی صاحب کے ایسے جملہ بیانات پر تبصرہ کرنے اور اُن کی تغلیط ثابت کرنے کا حق محفوظ رکھتے اور اِسے تحفۂ مودودیت میں استعمال کر کے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اب خلیفۂ ثالث کے قصاص نے جو صورتِ حال اختیار کی اُس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مودودی صاحب نے زبانِ طعن دراز کر کے جس طرح سبائیوں رافضیوں کی وکالت کی ہے وہ ملاحظہ فرمائی جائے:

"اِس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق، یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا، جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے اُٹھے، مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا، گورنری کی طاقت اپنے مقصد کے لیے استعمال کی اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا

لہ خلافت و ملوکیت: ص ۱۲۴ لہ ایضاً: ص ۱۲۴، ۱۲۵

کہ حضرت علیؓ قاتلینِ عثمانؓ پر مقدمہ چلا کر انھیں سزا دیں، بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلینِ عثمان کو اُن کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ خود انھیں قتل کریں۔ یہ سب کچھ دورِ اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانۂ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔ خونِ عثمان کے مطالبے کا حق اول تو حضرت امیر معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمان کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا۔ تاہم اگر رشتہ داری کی بناء پر حضرت معاویہؓ اس مطالبہ کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں، نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔ حضرت عثمان کا رشتہ جو کچھ بھی تھا، معاویہ بن ابی سفیان سے تھا، شام کی گورنری اُن کی رشتہ دار نہ تھی۔ اپنی ذاتی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کر جا سکتے تھے اور مجرمین کو گرفتار کرنے اور اُن پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ گورنر کی حیثیت سے انھیں کوئی حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقے سے بیعت ہو چکی تھی، جس کی خلافت کو اُن کے زیرِ انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی، اُس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیرِ انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے اور ٹھیٹھ جاہلیتِ قدیمہ کے طریقے پر مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعیِ قصاص کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے بدلہ لے۔''[1]

مودودی صاحب کو کون سمجھائے کہ یہ معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق ہی کا نہیں تھا بلکہ اُن لوگوں سے بدلہ لینے اور اُس جماعت کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مرحلہ تھا، جس نے خلیفۂ ثالث کو شہید کر کے نظامِ خلافت کو درہم برہم کرنے کی سعیِ نامسعود کی تھی۔ ان حالات میں ہر مسلمان مستغیث تھا اور ایک پوری جماعت مجرم تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلیفہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے ماتحت گورنر نہ ہوتے تو واقعی حضرت

[1] خلافت و ملوکیت: ص ۱۲۵، ۱۲۶

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خونِ عثمان کے سلسلے میں گورنر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ذاتی حیثیت میں مطالبہ کرنا چاہیے تھا، لیکن خلیفۂ وقت کے وفادار گورنر کی حیثیت میں قاتلین خلیفۂ برحق کے خلاف عملی اقدام کرنا اُن کی قانونی اور شرعی ذمہ داری قرار پاتا ہے۔ اس کو شُبہۂ جاہلیت قدریہ ٹھہرانے اور زمانۂ قبل اسلام کی بدنظمی سے اشتبہ بتانے کی وہی شخص جرأت کر سکتا ہے، جو بُغضِ صحابہ کی بیماری کا شکار اور رفض و سبائیت کا عاشقِ زار ہو۔ اسی سلسلے کی اگلی کڑی ملاحظہ ہو:

"حضرت عثمان کی شہادت (۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد حضرت نعمان بن بشیر اُن کا خون سے بھرا ہوا قمیص، اور اُن کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق لے گئے اور اُنھوں نے یہ چیزیں منظرِ عام پر لٹکا دیں تاکہ اہلِ شام کے جذبات بھڑک اُٹھیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خونِ عثمان کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبر ہی لوگوں میں غم و غصّہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی، اس قمیص اور انگلیوں کا مظاہرہ کر کے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔" [1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو کچھ عرصہ بعد اُنھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ مؤرخین نے اس سلسلے میں بہت کچھ رائے زنی کی ہے، جس کی تغلیط کرتے ہوئے مودودی صاحب نے اپنا عندیہ یوں بیان کیا ہے:

"حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود اُنہی مورخین کی لکھی ہوئی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے اُسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؓ اگر حضرت معاویہؓ کی معزولی کا حکم صادر کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ ان کے اس اقدام سے ابتداً

---

[1] خلافت و ملوکیت، ص ۱۳۲

ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہؓ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک اُن کے موقف پر پردہ پڑا رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"[1]

یہاں مودودی صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کردار بیان کیا ہے کہ وہ کس قسم کے انسان تھے۔ یہی مشقِ ستم تاریخ کی آڑ اور جھوٹی کہانیوں کے سہارے مزید جاری رکھتے ہوئے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو موصوف نے عیاروں کی صف میں دکھانے کی غرض سے یہ ستم بھی ڈھایا ہے :

"حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز ۱۰ صفر کو سخت معرکہ برپا ہوا، جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اُس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھائے اور کہے کہ هٰذَا حَكَمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے) اِس کی مصلحت حضرت عمرو نے خود یہ بتائی کہ اِس سے علیؓ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے۔ ہم مجتمع رہیں گے اور اُن کے ہاں تفرقہ برپا ہو جائے گا۔ اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔ اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی، قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔ اِس مشورے کے مطابق لشکرِ معاویہؓ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا اور اِس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمروؓ بن العاصؓ کو امید تھی۔ حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو سمجھایا کہ اِس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔ مگر اُن میں پھوٹ پڑ کر رہی۔ اور آخر کار حضرت علیؓ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہؓ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔"[2]

حافظ ابن کثیر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس تجویز اور تحکیم کے مسئلے میں

---

[1] خلافت و ملوکیت : ص ۱۴۳، ۱۴۴ [2] ایضاً ص ۱۳۹ - ۱۴۰

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برطرف نہ کرنا اجتہاد کی بناء پر بتایا ہے جس میں وہ اگر غلطی پر بھی ہوں پھر بھی اجر کے مستحق ہیں۔ اس پر مودودی صاحب بڑے برافروختہ ہیں اور بپھر کر اپنے ممدوح کی رائے کو یوں رد کرتے ہیں :

"اجتہاد کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ امرِ حق معلوم کرنے کے لیے آدمی اپنی انتہائی حدِ وسیع تک کوشش کرے۔ اس کوشش میں نادانستہ غلطی بھی ہو جائے تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اجر کی مستحق ہے۔ لیکن جان بُوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت اس طرح کے معاملات میں افراط و تفریط دونوں ہی یکساں احتراز کے لائق ہیں۔ کوئی غلط کام محض شرفِ صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبۂ بلند کی وجہ سے وُہ غلطی اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن اس پر رائے زنی کرنے والے کو لازماً یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرے۔ اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون کرنے لگے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص یقیناً بڑے مرتبے کے بزرگ ہیں اور انہوں نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ البتہ اُن سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں جنھیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" [1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبائیوں کی ہمنوائی کرتے ہُوئے مودودی صاحب نے منبروں خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سبّ وشتم کا سلسلہ جاری کرنے کا الزام بھی لگایا ہے۔ اِسی الزام تراشی کے ضمن میں موصوف نے حجر بن عدی تابعی کا ذکر یُوں کیا ہے :

"اِس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں حضرت حجر بن عدی کے قتل (۵۱ھ) سے ہُوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے اُمت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جب منبروں پر

---

[1] خلافت وملوکیت : ص ۱۴۳، ۱۴۴

خطبوں میں علانیہ حضرت علیؓ پر لعنت اور سب وشتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اِس سے زخمی ہو رہے تھے مگر لوگ خُون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حجر بن عدی سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علیؓ کی تعریف اور حضرت معاویہؓ کی مذمت شروع کر دی۔ حضرت مغیرہؓ جب تک کوفہ کے گورنر رہے، وہ اِن کے ساتھ رعایت برتتے رہے۔ اِن کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہو گیا تو اُس کے اور اِن کے درمیان کشمکش برپا ہو گئی۔ وُہ خطبے میں حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا تھا اور یہ اُٹھ کر اُس کا جواب دینے لگتے تھے۔ اِسی دوران میں ایک مرتبہ اُنھوں نے نمازِ جمعہ میں تاخیر پر بھی اُس کو ٹوکا۔ آخر کار اُس نے اِنھیں اور اِن کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور اِن کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اِس فردِ جُرم پر لیں کہ: اِنھوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے، خلیفہ کو علانیہ گالیاں دیتے ہیں، امیرالمؤمنین کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں، اِن کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت آلِ ابی طالب کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے، اِنھوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیرالمؤمنین کے عامل کو نکال باہر کیا، یہ ابُوتراب (حضرت علیؓ) کی حمایت کرتے ہیں، اُن پر رحمت بھیجتے ہیں اور اُن کے مخالفین سے اظہارِ برأت کرتے ہیں۔"[1]

مودودی صاحب نے اِس اعتماد پر کہ بہت سے عقل کے اندھے اور دین کے کورے اُن کی باتوں پر وثوق کے ساتھ ایمان لانے کے عادی ہو چکے ہیں، اِسی لیے اُنھوں نے اِس عبارت میں پیٹ بھر کر جُھوٹ بولے ہیں۔ مثلاً: حجر بن عدی کو صحابی بتانا پہلا جُھوٹ۔ اُ... عابد زاہد اور صلحائے اُمت میں شمار کرنا دُوسرا جُھوٹ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ... زمانہ میں منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر لعنت کرنے اور سب وشتم ...

[1] خلافت و ملوکیت: ص ۱۶۴

سلسلہ شروع کرنے کا الزام تیسرا جھوٹ۔ مسلمانوں کے دلوں کا زخمی ہونا چوتھا جھوٹ۔ مسلمانوں کا خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتا پانچواں جھوٹ۔ حجر بن عدی کا اس پر صبر کرنا چھٹا جھوٹ۔ زیاد کا خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینا ساتواں جھوٹ۔ موزوجرم کو خلاف واقعہ ٹھہرانا آٹھواں جھوٹ۔ اگر دورِ حاضر کے وکیلِ روافض و دشمنِ صحابہ یعنی عالیجناب مودودی صاحب کے نزدیک آخرت کی بازپرس بھی کوئی چیز ہوتی تو وہ لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ کے تحت کبھی برضا و رغبت طوقِ لعنت کو زیبِ گلو نہ کرتے۔ موصوف نے آگے لکھا ہے:

"اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجے گئے اور انھوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وُہ یہ تھی کہ:

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؓ سے برأت کا اظہار کرو اور اُن پر لعنت بھیجو تو تمھیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔" اُن لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجر نے کہا: "میں زبان سے وُہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔" آخرکار وُہ اور اُن کے سات ساتھی قتل کر دیے گئے۔ اُن میں سے ایک صاحب عبدالرحمٰن بن حسان کو حضرت معاویہؓ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اُس کو لکھا کہ انھیں بدترین طریقہ سے قتل کرو، چنانچہ اُس نے انھیں زندہ دفن کرا دیا۔" [1]

موصوف نے الاستیعاب، ابنِ اثیر، البدایہ والنہایہ اور ابنِ خلدون کے سہارے یہ تمام جھوٹ بولے ہیں جبکہ وہاں مودودی صاحب کی بعض فرضی زٹلوں کا وجود تک نہیں۔ بعض باتیں اِن ماخذوں میں ہیں لیکن کذابوں اور غالی رافضیوں کی روایات سے۔ انھیں اپنی تحقیق کا مدار وہی بنانے گا جو لبغضِ صحابہ میں مغلوب الحال اور سبائیوں کا طابق النعل بالنعل ہو۔ اِس کرتوت سے بہرحال مسلمانوں کو مودودی صاحب کے مرکز مٹی میں ملنے سے پہلے ہی پتہ لگ گیا کہ وہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر روافض کے اتباع میں گھناؤنے الزامات عاید کرتے ہوئے موصوف نے یہ الزام بھی لگایا ہے:

---

[1] خلافت و ملوکیت: ص ۱۶۵

"ایک نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور اُن کے حکم سے اُن کے تمام گورنر، خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبرِ رسولؐ پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور اُن کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سُنتے تھے": [1]

مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یُوں بھی مشقِ ستم کی ہے:

"مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رُو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اُس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہییں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا اُن کے لیے الگ نکال لیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے": [2]

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مودودی صاحب نے اپنی تحقیق کے ترکش سے یہ تیر بھی چلایا ہے:

"حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور اُن کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اُن کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دورانِ خطبہ میں اُس کو کنکر مار دیا۔ اِس پر عبداللہ نے اُس شخص کو گرفتار کر دیا اور اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رُو سے یہ ایسا جُرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا، مگر میرے عمّال سے قصاص کی کوئی سبیل نہیں۔ زیاد کو جب حضرت معاویہؓ نے بصرے کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا اور

---

[1] خلافت وملوکیت: ص ۱۷۴ [2] ایضاً: ص ۱۷۴

وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہُوا تو کچھ لوگوں نے اُس پر کنکر پھینکے۔ اُس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اُسی وقت اُن کے ہاتھ کٹوا دیے۔ کوئی مقدمہ اُن پر نہ چلایا گیا، کسی عدالت میں وہ نہ پیش کیے گئے کوئی باقاعدہ قانونی شہادت اُن کے خلاف پیش نہ ہُوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطعِ ید کی سزا دے ڈالی جس کے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربارِ خلافت سے اِس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ اِس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بُسر بن ابی ارطاۃ نے کیے جسے حضرت معاویہؓ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علیؓ کے قبضے سے نکالنے کے لیے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اُس شخص نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبید اللہ بن عباسؓ کے دو چھوٹے چھوٹے بچّوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اِن بچّوں کی ماں اِس صدمے سے دیوانی ہو گئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی، چیخ اٹھی کہ "مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا، اب اِن بچّوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو؟ بچّے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اے ابن ارطاۃ، جو حکومت بچّوں اور بوڑھوں کے قتل اور بے رحمی و برادر کشی کے بغیر قایم نہ ہو سکتی ہو، اُس سے بُری کوئی حکومت نہیں"۔ اِس کے بعد اِسی ظالم شخص کو حضرت معاویہؓ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جو اُس وقت حضرت علیؓ کے قبضہ میں تھا۔ وہاں اُس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلمِ عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، انھیں لونڈیاں بنا لیا۔ حالانکہ شریعت میں اِس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائیاں گویا اِس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھٹی ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔[1]

---

[1] خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۵ تا ۱۷۷

اِن تمام الزامات کے جواب میں ہماری صرف یہی گزارش ہے کہ مودودی صاحب! اِنَّ مَوْعِدُكُمُ الصُّبْحُ ط اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ہ حشر کے میدان میں جب یہ صحابۂ کرام آپ کو گریبان سے پکڑ کر انصاف کے طلبگار ہوں گے تو اللہ اور اس کے آخری رسول کو چھوڑ کر کتاب و سنّت کی واضح تعلیمات سے منہ موڑ کر، روافض سے رشتہ جوڑ کر جن کذابوں کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنا کر اُن مقدس ہستیوں پر کیچڑ بازی کی جو ملّتِ اسلامیہ کی خشتِ اوّل، تعلیماتِ اسلامیہ کی منہ بولتی تصویریں اور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے تربیت یافتہ تھے، کیا اُس وقت مودودی صاحب کے وُہ کذّاب اور افتراء پرداز پیشوا اِن کے کچھ کام آجائیں گے، اگر صفائی کا موقع دیتے ہُوئے بارگاہِ خداوندی سے حکم ہُوا کہ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ہ اُس وقت مودودی صاحب اور اُن کے سارے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ صفائی پیش کر سکیں گے، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ہ

جب سرِ محشر وُہ پُوچھیں گے بُلا کے سامنے
کیا جوابِ جُرم دو گے تم خدا کے سامنے

مودودی صاحب نے مفسّرِ قرآن بن کر تفہیم القرآن چھ جلدوں میں لکھی۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیات صحابہ کرام کی تعریف و توصیف میں ہیں۔ متعدد مقامات پر اُن بزرگوں کے عدیم المثال فضائل و درجات اور جانی و مالی قربانیوں کی قبولیت اور تقوٰی و طہارت کے مجسّمے ہونے اور شریعتِ مطہرہ کی منہ بولتی عملی تصویریں ہونے کا اعلان فرمایا گیا ہے، لیکن حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ایسی آیتوں کی تشریح کرنے اور صحابۂ کرام کے خداداد فضائل و کمالات کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے مودودی صاحب کے قلم کی سیاہی خشک ہو جاتی تھی۔ نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ سورۂ البقرہ کی آیت ۱۳ میں حکم ہوا ہے کہ صحابہ کی طرح ایمان لاؤ اور ان پر اعتراض کرنے والوں کو اللہ تعالٰی نے خود جواب دیا ہے۔ لیکن تفہیم القرآن، جلد اوّل کا صفحہ ۵۴ اِن پہلوؤں کو بیان کرنے سے خاموش رہا ہے۔

۲۔ سورۂ البقرہ کی آیت ۱۳۷ میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جو گروہ صحابہ کی طرح ایمان لائیگا

وہی مومن ہو سکتا ہے اور اس طرح ایمان لانے سے جو انکار کرے وہ ہٹ دھرم ہے۔
یہ آیت تفہیم القرآن، جلد اوّل طبع یازدہم کے صفحہ ۹۱ پر ہے لیکن مودودی صاحب نے
اِس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

۳۔ سورۂ الانفال کی آیت ۷۴ میں اللہ تعالیٰ نے مہاجر و مجاہدین اصحاب کو ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے یاد فرمایا۔ اُن کے لیے مغفرت اور رزقِ کریم کی بشارت دی۔ یہ آیت تفہیم القرآن جلد دوم، طبع ہشتم کے صفحہ ۱۶۳ پر ہے لیکن مودودی صاحب نے شمعِ رسالت کے پروانوں کی اِن خوبیوں اور بشارتوں کے بارے میں زبان بند رکھی۔

۴۔ سورۂ التوبہ کی آیت ۲۰ اور اُس سے اگلی چند آیتوں میں صحابۂ کرام کے عظیم فضائل و درجات کا بیان ہے۔ یہ آیتیں تفہیم القرآن، جلد دوم کے صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۲ پر ہیں۔ لیکن مودودی صاحب کے قلم پر معلوم نہیں کس مصلحت نے پہرے بٹھا دیئے تھے کہ اُنھوں نے اُمتِ محمدیہ کے اِن محسنوں کے فضائل و کمالات کی تشریح و توضیح سے اپنے راہوار قلم کو کوسوں دُور ہی رکھا۔

۵۔ سورۂ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں مہاجرین و انصار کے سابقینِ اوّلین اور اُن کے متبعین کو اللہ جل مجدہٗ نے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی سندِ مرحمت فرمائی ہے نیز اُن کے جنتی اور صاحبِ فوزِ عظیم ہونے کی بشارت سنائی ہے۔ یہ آیت تفہیم القرآن، جلد دوم کے صفحہ ۲۲۸ پر ہے لیکن سرکارِ مودودیت مآب کی تفسیر و تفہیم کا منہ تک رہی ہے کہ کاش وُہ بولتے۔ آیاتِ قرآنیہ کی موافقت میں کچھ تو منہ کھولتے۔ وائے حرماں نصیبی۔

۶۔ سورۂ الفتح کی آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گروہِ صحابہ پر ہم نے کلمۂ تقویٰ لازم کر دیا اور یہ اِس کے سب سے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔ یہ آیت تفہیم القرآن، جلد پنجم کے صفحہ ۶۱ پر ہے لیکن اِن امور کی قطعاً تشریح نہیں کی۔

۷۔ سورۂ الحجرات کی تیسری آیت میں صحابۂ کرام کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے تفہیم القرآن جلد پنجم، صفحہ ۷۲ پر صحابۂ کرام کے اِن فضائل پہ کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔

۸۔ سورۂ الحجرات کی ساتویں آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے دلوں میں کفر و

فسق وعصیان سے نفرت بھردی ہے۔ مودودی صاحب نے اس کا اعتراف تو کیا ہے لیکن دل کھول کر صحابۂ کرام پر بلکہ اکابر صحابہ پر فسق وعصیان کے الزامات عائد کرکے قرآنِ کریم کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ گزشتہ الزامات سے واضح ہے۔

۹۔ سورۂ الحدید کی آیت ۱۰ میں صحابۂ کرام کو اعظم درجے اور وعدۂ حسنیٰ کی بشارت دی گئی لیکن تفہیم القرآن، جلد پنجم، طبع چہارم کے صفحہ ۳۰۸ پر ان امور کے بیان سے موصوف کا قلم خاموش رہا۔

۱۰۔ سورۂ حشر کی آیت ۸ تا ۱۰ اصحابۂ کرام کی شان میں ہیں، لیکن تفہیم القرآن، جلد پنجم کے صفحہ ۳۹۴ تا ۴۰۲ میں ان بزرگوں کے اوصاف پر روشنی ڈالنا شاید مودودی صاحب کی طبعِ نازک پر گراں گزرا۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

اکابر صحابہ کے انفرادی فضائل سے قطعِ نظر کرتے ہوئے ذیل میں چند وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں صحابۂ کرام کے مجموعی فضائل کا تذکرہ ہے۔ قارئینِ کرام انہیں بغور دیکھیں اور مودودی صاحب کے گزشتہ بیانات واتہامات سے موازنہ کریں۔ موازنہ کرتے وقت انصاف کا دامن کسی صورت میں بھی چھوڑ دینا خطرناک نتائج کا باعث ہو سکتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا	اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا	راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ	مدد کی، وہی سچے ایمان والے ہیں۔ اُن
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ [1]	کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا	وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	مال وجان سے اللہ کی راہ میں لڑے،

---

[1] پارہ ۱۰، سورہ الانفال، آیت ۷۴

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ [1]	اللہ کے یہاں اُن کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے۔ اُن کا رب اُنھیں خوشی سناتا ہے، اپنی رحمت اور اپنی رضا اور اُن باغوں کی جن میں اُنھیں دائمی نعمت ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ [2]	سب میں اگلے، پہلے مہاجر و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہوئے اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ، جن کے نیچے نہریں بہیں، ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔ [3]	اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اِس کے زیادہ سزا اور اس کے اہل تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ	بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں

---

[1] پ ۱۰، س التوبہ، آیت ۲۰ تا ۲۲ [2] پ ۱۱، س التوبہ، آیت ۱۰۰

[3] پ ۲۶، س الفتح، آیت ۲۶

رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ [1]	رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ [2]	لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی۔
لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ [3]	تم میں برابر نہیں وہ جنھوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں، جنھوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا۔ اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

فیصلہ کن مرحلہ قارئین کرام! آپ نے صحابۂ کرام پر تحقیق کے پردے میں مودودی صاحب کے بعض الزامات بھی گزشتہ سطور میں پڑھے اور ان مقدس بزرگوں کے بارے میں قرآن کریم کے واضح اعلانات بھی ملاحظہ فرمائے۔ اس مرحلے پر ہر قاری کے

[1] پ ۲۶، س الحجرات، آیت ۳
[2] پ ۲۶، س الفتح، آیت ۷
[3] پ ۲۷، س الحدید، آیت ۱۰

ایمان کا امتحان ہے۔ ایک جانب خداوندی ارشادات ہیں اور دوسری طرف مودودی صاحب کے عاید کردہ الزامات۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں مطابقت ہے یا کھلا ہُوا تضاد۔ آئیے اس امر کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ اُس ذات نے فرمایا جو عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ہے کہ میں نے گروہِ صحابہ کے قلوب کو تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے (الحجرات، آیت ۳) اور ان پر کلمۂ تقویٰ کو لازم کر دیا ہے کیونکہ یہ اس کے سب سے بڑھ کر حقدار اور اہل ہیں۔ (الفتح، آیت ۲۶) لیکن مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ عام صحابہ تو درکنار، اکابر صحابہ بھی ایک طرف، خلفائے راشدین تک تقویٰ کی صفت سے محروم تھے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدا کے نافرمانوں کو محض قرابت کے باعث مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا تھا۔ بیت المال سے بنو امیہ کو کثرت کے ساتھ عطیات دیے تھے جس کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔ ساری اسلامی مملکت کو اپنے اقارب کی ماتحتی میں دے کر سابقین اولین کو نظر انداز کیا اور طلقاء کو اعتماد میں لیا تھا۔ مروان جیسے غلط کار کو اپنا سیکرٹری بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاتلینِ خلیفۂ ثالث سے دو حضرات کو گورنری کے عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے سلسلے میں وہ طرزِ عمل اختیار کیا جس کا شریعتِ الٰہی تو درکنار دنیا کے کسی آئین اور قانون کی رُو سے مودودی صاحب کے نزدیک جواز نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جمعہ کے خطبوں میں بلکہ روضۂ مطہرہ کے سامنے منبرِ رسول پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کا سلسلہ جاری رہا۔ مودودی صاحب کے نزدیک جو اُنھیں یا اُن کے گورنروں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعنت کرنے یا سب وشتم سے روکتا اُسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مالِ غنیمت کے سلسلے میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بناتے ہُوئے سونا چاندی کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور باقی مال تقسیم کیا جاتا تھا۔ اِنھوں نے اپنے غلط کار گورنروں کو قانون سے

بالاتر قرار دیا ہوا تھا اور مودودی صاحب کی تحقیق کے مطابق شریعت کی کسی حد کے پابند نہ ہونے کے باوجود انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ظلم کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کا اعلان وہ اور ادھر مودودی صاحب کی تحقیقات یہ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں گروہِ صحابہ سے راضی اور وہ مجھ سے راضی۔ (سورہ التوبہ، آیت ۱۰۰)۔ لیکن مودودی صاحب نے اکابر صحابہ تک کے کردار کا جو نقشہ پیش کیا ہے اُس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی یعنی فنا فی اللہ تھے۔ اس قماش کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جن کا کردار ایسا ہو جو مودودی صاحب نے پیش کیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اصحابِ رسول کے دلوں میں کفر و فسق و عصیان کی نفرت بھر دی ہے لیکن مودودی صاحب کی تصریحات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُن بزرگوں کے دلوں میں فسق و عصیان سے قطعاً کوئی نفرت نہیں تھی بلکہ وہ تو فسق و عصیان کے دلدادہ تھے۔

اب فیصلہ ہر قاری کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے واضح ارشادات کی روشنی میں اپنے ایمان بالقرآن کا ثبوت پیش کرتے ہوئے مودودی صاحب کے الزامات کو حق دشمنی قرار دے یا مودودی صاحب کی تحقیقات کو درست تسلیم کرتے ہوئے آیاتِ قرآنیہ کو جھٹلا دے اور اپنی مسلمانی کا بھرم رکھنے کی خاطر ان میں دور از کار تاویلیں کرنے لگ جائے۔ اتنا یاد رہے کہ اختلافات کی صورت میں تنازعہ کو مٹانے کی خاطر فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یعنی اللہ اور رسول کی جانب رجوع کرنا ضروری ہے۔ ایک سچے مسلمان کے لیے فیصلہ وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہو، ان کے خلاف ہر بات ردّ کر دینے کے قابل ہوتی ہے۔ جب مودودی صاحب کی تصریحات کتاب و سنت کے سراسر خلاف ہیں تو یہ کہاں کی دیانت داری ہے کہ کتاب و سنت کو ردّ کر کے مودودی صاحب کے دامن سے وابستہ رہنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے مواقع پر اپنے پیشواؤں سے وابستہ رہنے کو اللہ تعالیٰ نے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنانا قرار دیا ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ

فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی الْمَوْدُوْدِیْ ہرگز نہیں ہے۔

یہ مودودی صاحب ہی کا دل گردہ ہے کہ قرآن کریم کے واضح ارشادات اور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روشن فرمودات کے خلاف ڈٹ کر بول رہے ہیں۔ اس کے باوجود خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا کو خطرے میں لانا تو درکنار اُلٹا اپنے داعیٔ حق اور علمبردارِ حق و صداقت ہونے کا ڈھول پیٹ رہے ہیں اور اُن کے متبعین مودودی صاحب کی نگارشات کو وحی الٰہی سے بڑھ کر درجہ دیتے پھر رہے ہیں۔ افسوس! ؎

رہزن خضرِ رہ کی قبا چھین کر
رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

پانچویں عنایت

مودودی صاحب کی انانیت کے سامنے کسی کی شخصیت

توہینِ انبیاء کا ارتکاب ہی کیا جو مُنہ دکھانے کے قابل ہو۔ انبیائے کرام کا وہ مقدس گروہ جسے اللہ تعالیٰ نے ہر بُرائی اور گناہوں سے پاک پیدا کر کے لوگوں کی ہدایت کے لیے نمونہ بنایا، اُن پاکیزہ ہستیوں کو واغدار نہ دکھایا جانے تو مودودیت ہی کیا ہُوئی۔ چنانچہ اُن حضرات کی عظمت کو مسلمانوں کے قلوب سے نکالنے کی خاطر پہلے تو یہ تلقین فرمائی جاتی ہے:

"قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ انبیاء وحی آنے سے پہلے جو علم رکھتے تھے اُس کی نوعیت عام انسانی علوم سے کچھ بھی مختلف نہ ہوتی تھی۔ اُن کے پاس نزولِ وحی سے پہلے کوئی ایسا ذریعۂ علم نہ ہوتا جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہ ہو۔"[1]

کون بتائے مودودی صاحب جیسے پڑھے لکھے انسان کو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اپنی والدۂ محترمہ کی صفائی بیان کرتے ہُوئے جو فرمایا تھا، وہ قرآنِ کریم میں یوں ہے:

---

[1] رسائل و مسائل، جلد اول، بارِ ہفتم، ص ۲۵

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ	فرمایا: میں ہوں اللہ کا بندہ اُس نے مجھے
وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا	کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے
اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ	والا (نبی) کیا اور اُس نے مجھے مبارک کیا
وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّبَرًّا	میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید
بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا	فرمائی میں جب تک جیوں۔ اور اپنی ماں سے
شَقِیًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ	اچھا سلوک کرنے والا۔ اور مجھے زبردست
وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ	بدبخت نہ کیا۔ اور سلامتی مجھ پر جس دن
اُبْعَثُ حَیًّا ۝ [1]	میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس
	دن اُٹھایا جاؤں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں اِس کلام فرمانے سے قطع نظر، کیا مودودی صاحب یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مذکورہ باتوں کا علم اُس کون سے ذریعے سے حاصل ہُوا تھا جو عام انسانوں کے ذرائع علم ہیں؟ اگر مودودی صاحب اور اُن کے تبعین یہ بتانے سے احتراز کریں تو اُس وقت کے منتظر رہیں جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ۝

یہ تو تھا انبیائے کرام علیہم السلام کی وحی آنے سے پہلے کی زندگیوں کا معاملہ۔ کیا وحی آنے کے بعد انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ اِس کا جواب دیتے ہُوئے موصوف نے عصمتِ انبیاء پر یہ تحقیقِ انیق فرمائی ہے:

"مختصراً یہ بات اصولی طور پر سمجھ لیجئے کہ نبی کی معصومیت فرشتے کی سی معصومیت نہیں ہے کہ اُسے خطا اور غلطی اور گناہ کی قدرت ہی حاصل نہ ہو۔ بلکہ وہ اس معنی میں ہے کہ نبوت کے ذمہ دارانہ منصب پر سرفراز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بطورِ خاص اُس کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے اور اُسے غلطیوں سے بچاتا ہے اور اگر کوئی

---

[1] پارہ ۱۶۔ سورۂ مریم، آیت ۳۰ تا ۳۳

چھوٹی موٹی لغزش اُس سے سرزد ہو جاتی ہے تو وحی کے ذریعہ سے فوراً اس کی اصلاح کر دیتا ہے تاکہ اُس کی غلطی پوری اُمت کی گمراہی کا موجب نہ بن جائے۔" لہ

مودودی صاحب کو کون سمجھائے کہ انبیائے کرام کی عصمت تو عصمتِ ملائکہ سے بھی ازکیٰ و اطیب ہے کیونکہ انھیں مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لیے ہدایت کے مجتبے بنا کر نمائندہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اسی عصمت کے باعث اُن کی غیر مشروط اطاعت ضروری قرار دی جاتی تھی۔ مودودی صاحب نے عصمتِ انبیاء کا صاف انکار کر کے اُن حضرات کے لیے صرف حفاظت تسلیم کی ہے جس سے اولیائے عظام نوازے جاتے ہیں۔ اسی بیان کو مزید واضح کرتے ہوئے مودودی صاحب دوسرے مقام پر اپنا نظریہ یوں کھل کر بیان کرتے ہیں،

"عصمت دراصل انبیاء کے لوازمِ ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو منصبِ نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی اُن سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اُسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں ہیں۔" لہ

اِس عبارت کے الفاظ، ـــــ محفوظ فرمایا ـــــ اللہ کی حفاظت ـــــ یہ ہمارے دعوے کی تصدیق کر رہے ہیں کہ موصوف عصمتِ انبیاء کے منکر اور اُن کے لیے صرف حفاظت کے قائل ہیں۔

دوسری عجیب بات مودودی صاحب نے لطیف نکتہ بنا کر یہ پیش کی ہے کہ؛ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں۔ یعنی کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جو مودودی صاحب کے نزدیک غلط کار نہ ہو۔ اگر بنی آدم سے کوئی فرد ایسا ہوا ہے جس سے ایک بھی غلطی سرزد نہیں ہوئی تو وہ ہے مودودی صاحب دی گریٹ

لہ رسائل و مسائل، جلد اول، ص ۲۸   لہ تفہیمات، جلد دوم، طبع دوم: ص ۴۳

کی ذاتِ گرامی۔ ذرا کوئی مودودی صاحب کی کسی بات کو لغزش تو قرار دے کر دیکھے۔ پھر دیکھیے کہ جماعتِ اسلامی میں کیا کُہرام مچتا ہے۔ وہ کاٹیں کاٹیں ہوگی کہ کان کھا جائیں گے، بوٹیاں نوچ لیں گے بہرحال جس طرح مودودی صاحب نے اپنی تصانیف میں انبیائے کرام کی لغزشوں کی فہرست پیش کی ہے اسی طرح وہ اپنی غلطیوں کی کوئی فہرست بھی پیش کر دیں تو مسلمانوں کا یہ شبہ دُور ہو جائے گا کہ مودودی صاحب اس خوش فہمی میں ہیں کہ میری حفاظت انبیائے کرام سے بھی بڑھ کر فرمائی جا رہی ہے۔ تیسری بات یہ قابلِ غور ہے کہ ہر نبی سے جتنی دیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت اُٹھائی اُس عرصہ میں اُمت پر اُس نبی کی اطاعت فرض رہی یا نہ رہی؛ ہاں کیسے تو لغزش کا اتباع فرض مانا۔ انکار کی صورت میں نبی ہر وقت لائقِ اتباع نہ رہا۔ اس صورت میں مودودی صاحب کو ایسی فہرست ضرور شائع کرنی چاہیے جس میں جملہ انبیائے کرام کے متعلق یہ وضاحت کی گئی ہو کہ فلاں نبی اتنا عرصہ قابلِ اتباع رہا اور اتنی دیر لائقِ اجتناب۔ اگر مودودی صاحب اپنے متعلق بھی ایسی وضاحت فرما دیں کہ وُہ اپنی زندگی میں کتنا عرصہ قابلِ اعتبار رہے ہیں اور کتنے دن ناقابلِ یقین و لائقِ اجتناب، تو یہ اُن کی جانب سے ایسا اقدام ہوگا جس کے باعث بہت سی غلط فہمیاں مٹ جائیں گی۔

جب مودودی صاحب کے بقول اللہ تعالیٰ ہر نبی سے تھوڑی دیر کے لیے اپنی حفاظت ہٹا لیتا تھا تاکہ اِتنے عرصے میں وہ چھوٹی موٹی کوئی لغزش کر لیں اور مودودی صاحب نے اپنی تصانیف میں ایسی لغزشوں کا جا بجا تذکرہ بھی کیا ہے، تو اُن چھوٹی موٹی لغزشوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ موصوف نے آدم علیہ السلام کے بارے میں سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۱۵ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا کی تشریح کرتے ہُوئے اپنا عندیہ یوں ظاہر کیا ہے،

"بعض لوگوں نے اُس میں عزم نہ پایا کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم نے اُس میں نافرمانی کا عزم نہ پایا یعنی اُس نے جو کچھ کیا، نافرمانی کے عزم کی بنا پر نہیں کیا۔ لیکن یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ یہ بات اگر کہنی ہوتی تو لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا عَلَى الْعِصْيَانِ کہا جاتا نہ کہ محض لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ فقدانِ عزم سے مراد، اطاعتِ حکم کا فقدان ہے نہ کہ نافرمانی کے عزم کا

فقدان ہے"[1]

مودودی صاحب کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے کا حضرت آدم علیہ السلام نے عزم ہی نہیں کیا تھا، یعنی وہ بغاوت پر آمادہ ہو چکے تھے۔ اس سراسر غیر اسلامی اور روحِ ایمان کے منافی نظریہ کا اثبات مودودی صاحب یُوں کرتے ہیں کہ اس جُملے کے بعد عصیان کا لفظ نہیں ہے لہٰذا اطاعتِ حکم کا فقدان ہی مراد لیا جائے گا۔ اگر موصوف بھی مسلمانوں کی طرح عصمتِ انبیاء کے قائل ہوتے تو اس جُملے کے آخر میں طاعت کا لفظ نہ ہونے کے باعث اس سے مراد نافرمانی کے عزم کا فقدان ہی لیتے۔ موصوف نے اس پر مزید یُوں حاشیہ آرائی کی ہے:

"جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر اس آیت کو پڑھے گا اُس کے ذہن میں پہلا مفہوم یہی آئے گا کہ "ہم نے اُس میں اطاعتِ امر کا عزم یا مضبوط ارادہ نہ پایا" دوسرا مفہوم اُس کے ذہن میں اُس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کو نامناسب سمجھ کر آیت کے کسی اور معنی کی تلاش شروع نہ کر دے۔"[2]

مودودی صاحب کے اس سراسر غیر اسلامی نظریہ کے پیشِ نظر ایمانی غیرت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم موصوف کی اس عبارت کو اسلامی بنا کر اُن کی اور جُملہ قارئین کی خدمت میں انصاف کی خاطر پیش کر دیں:

"جو شخص بھی عصمتِ انبیاء کا قائل ہو کر اس آیت کو پڑھے گا اُس کے ذہن میں پہلا مفہوم یہی آئے گا کہ: "ہم نے اُس میں معصیت کا عزم یا مضبوط ارادہ نہ پایا" دوسرا مفہوم اُس کے ذہن میں اُس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کو اپنا دھرم بنا کر آیت کے کسی اور معنی کی تلاش شروع نہ کر دے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ مقدس ہستی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا وَاتَّخَذَ اللّٰہُ

---

[1] تفہیم القرآن، جلد سوم، طبع سوم، ص ۱۳۰ [2] ایضاً، حاشیہ، ص ۱۳۱

اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥ کا اعلان کروایا۔ لیکن مودودی صاحب کا رہوارِ قلم جب میدانِ تحقیق میں بے لگام ہو کر چلتا ہے تو ابو الانبیاء سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو یُوں کفر و شرک کے سمندر میں پھینکتا ہے :

"اِس سلسلہ میں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم نے تارے کو دیکھ کر کہا، یہ میرا رب ہے، اور جب چاند اور سورج کو دیکھ کر اُنھیں اپنا رب کہا، تو کیا اُس وقت عارضی طور پر ہی سہی، وہ شرک میں مبتلا نہ ہوگئے تھے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ایک طالبِ حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے بیچ کی جن منزلوں پر غور و فکر کے لیے ٹھیرتا ہے، اصل اعتبار اُن منزلوں کا نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اُس سمت کا ہوتا ہے جس میں وہ پیشقدمی کر رہا ہے اور اُس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ بیچ کی منزلیں ہر جویائے حق کے لیے ناگزیر ہیں۔ اِن پر ٹھیرنا بسلسلۂ طلب و جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورتِ فیصلہ۔ اصلاً یہ ٹھیراؤ سوالی و استفہامی ہوا کرتا ہے نہ کہ حکمی۔ طالب جب اِن میں سے کسی منزل پر رُک کر کہتا ہے کہ ایسا ہے، اور تحقیق سے اُس کا جواب نفی میں پا کر وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اِس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنائے راہ میں جہاں جہاں وہ ٹھیرتا رہا وہاں وہ عارضی طور پر کفر یا شرک میں مبتلا رہا۔" [1]

کچھ سمجھے کہ مودودی صاحب کیا فرما گئے؟ یہی کہ انبیائے کرام ذاتی طور پر حق کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ راستے میں خواہ کتنے ہی کفر و شرک بھی کر لیں اُن کا کوئی اعتبار نہیں، ان کی بنا پر وہ حضرات کافر و مشرک قرار نہیں پائیں گے کیونکہ اِن درمیانی منزلوں کا کوئی اعتبار نہیں، اعتبار اُس سمت کا ہے جس کی جانب وہ پیش قدمی کرتے رہے۔

اِس عبارت میں مودودی صاحب کو تسلیم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک کیا تھا۔ موصوف کی منطق ہر کافر و مشرک اور فاسق و بدمذہب کے ہاتھ میں سندِ حقانیت تھا دینا ہے بوقتِ تنقید وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہماری درمیانی منزلیں ہیں، ان کا اعتبار نہ کرو، یہ تو ہر جویائے حق

---

[1] تفہیم القرآن، جلد اول، طبع ہفتم، ص ۵۵۸، ۵۵۹

کے لیے ناگزیر ہیں۔ اعتبار ہمارے اُس مقام کا کہ جہاں پہنچنے کا عزم لے کر ہم پیش قدمی کر رہے ہیں غرضیکہ ہر شخص ہی حقانیت کو اپنی منزلِ مقصود قرار دے گا اور اپنی غیر اسلامی روش کو درمیانی منزلیں بتا کر ناقابلِ اعتبار منوانے گا۔ جب درمیان کے کفر و شرک بھی عفو کے کھاتے ہیں تو دنیا میں کس کو کافر و مشرک سمجھا جائے گا؟ بہرحال ان تہہ بر تہہ پردوں کی آڑ میں مودودی صاحب نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سر شرک تھوپنا تھا وہ کمال جسارت سے تھوپ ہی دیا۔ یہ ہیں موصوف کے نزدیک وہ چھوٹی موٹی لغزشیں جو اللہ تعالیٰ نے کاہے بگاہے اپنی حفاظت اٹھا کر سرزد ہوجانے دی ہیں۔

کاش! مودودی صاحب کو حقانیت سے چڑ نہ ہوتی۔ قرآنِ کریم نے انبیائے کرام کے جس عظیم منصب کی نشان دہی کی ہے مودودی صاحب اس کے قائل ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً مودودی صاحب کی نظر اسی واقعے کے فوراً بعد آیت ۸۳ پر ضرور ٹھہرتی، جس کی تشریح میں اُنھوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید خطرہ محسوس ہوا ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک بتانے کا جو جال تیار کیا ہے اس کے سارے تار پود ٹوٹ جاتے۔ آیت ملاحظہ ہو:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ	اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو
عَلٰى قَوْمِهٖ ط نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ	اُس کی قوم پر عطا فرمائی۔ ہم جسے چاہیں
نَّشَآءُ ط[1]	درجوں بلند کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک قوم کے خلاف یہ حجت مرحمت فرمائی تھی کہ انھوں نے ستارہ پرستی، چاند پرستی اور سورج پرستی کا بطلان اس انداز سے کیا کہ قوم کی مشرکانہ ذہنیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ آپ کی گفتگو اسی وجہ سے حجت قرار پائی تھی ورنہ شرک کیا ہوتا تو اُسے حجت کے بجائے گمراہی اور گمراہ گری قرار دیا جاتا۔

۲۔ اِس حجت کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب فرمائی، جس سے واضح ہے کہ قبل نبوت بھی اللہ تعالیٰ کی مدداُن کے شاملِ حال تھی، وہ مودودی صاحب کی تحقیق کے بموجب

---

[1] پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۸۳

تجربے کرتے ہوئے نہیں پھر رہے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا رتبہ بلند کیا۔ اگر اُنھوں نے شرک کیا ہوتا تو رتبہ بلند کرنا کیسا ؛ بلکہ قبل ازیں جو رُتبہ مِلا ہُوا ہوتا اُس سے بھی محروم ہوکر رہ جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوا العزم پیغمبروں سے ہیں اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے کلیمہ بنایا یعنی ہمکلامی کے شرف سے مشرف فرمایا تھا۔ قبل نبوت اُن کے ہاتھوں ایک آدمی مرگیا تھا ، اِس واقعے سے مودودی صاحب یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں :

"نبی ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہوگیا تھا کہ اُنھوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ جب فرعون نے اُن کو اِس فعل پر ملامت کی تو اُنھوں نے بھرے دربار میں اِس بات کا اقرار کیا فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا۠ مِنَ الضَّآلِّينَ ؀ (الشعراء۔ ۲۰) یعنی یہ فعل مجھ سے اُس وقت سرزد ہُوا تھا جب راہِ ہدایت مجھ پر کُھلی نہ تھی" ۔[1]

اِس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ مودودی صاحب جہاں گناہ کے مفہوم سے ناواقف ہیں یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہوں گے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک انسان کو قتل کرنے کا افترا بھی جڑ بیٹھے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا اُس آدمی کو قتل کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا بلکہ اسرائیلی کی فریاد پر اُسے چھڑانے کے لیے آپ نے قبطی کو مُکا مارا لیکن قضائے الٰہی سے وہ مُکے کی تاب نہ لاتے ہُوئے مر گیا۔

اگر لفظ ضَآلِّيْنَ کے پیشِ نظر مودودی صاحب اسے بہت بڑا گناہ قرار دے رہے ہیں تو وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ؀ کے پیشِ نظر سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو، رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ؀ کے تحت حضرت آدم علیہ السلام کو اور لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ؀ کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کو گمراہ اور ظالم ٹھہرایا جائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں جناب مودودی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے :

"مفسرین کے اِن بیانات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تین قصور تھے جن کی

---

[1] [illegible]

وجہ سے حضرت یونس پر عتاب ہوا۔ ایک یہ کہ اُنھوں نے عذاب کے دن کی خود ہی تعیین کر دی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہ ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ دن آنے سے پہلے ہجرت کر کے ملک سے نکل گئے، حالانکہ نبی کو اُس وقت تک اپنی جگہ نہ چھوڑنی چاہیے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آجائے۔ تیسرے یہ کہ جب اُس قوم پر سے عذاب ٹل گیا تو واپس نہ گئے۔" [1]

چھٹی عنایت

توہین و تنقیصِ سیّد المرسلین چونکہ مودودی صاحب کا نظریہ ہے کہ اپنی نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے نبی کی زندگی اور دوسرے عام انسانوں کی زندگی اور اُن کے ذرائع معلومات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ چنانچہ اپنے اسی عقیدے کی نشر و اشاعت کرنے اور لوگوں کے دماغوں میں اِس غیر اسلامی عقیدے کے جراثیم پھیلانے کی خاطر موصوف نے سورہ الشوریٰ کی آیت ۵۲ کے تحت لکھا ہے:

"نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے کبھی حضور کے ذہن میں یہ تصور تک نہ آیا تھا کہ آپ کو کوئی کتاب ملنے والی ہے یا ملنی چاہیے۔ بلکہ آپ سرے سے کتب آسمانی اور اُن کے مضامین کے متعلق کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ اِسی طرح آپ کو اللہ پر ایمان تو ضرور حاصل تھا مگر آپ نہ شعوری طور پر اِس تفصیل سے واقف تھے کہ انسان کو اللہ کے متعلق کیا کیا باتیں ماننی چاہییں اور نہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اِس کے ساتھ ملائکہ اور نبوت اور کتبِ الٰہی اور آخرت کے متعلق بھی بہت سی باتوں کا ماننا ضروری ہے۔" [2]

معلوم نہیں مودودی صاحب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہنی تصورات کس طرح معلوم ہوئے، موصوف کو کس طرح یہ کھوج ملا کہ: "آپ کو اللہ پر ایمان تو ضرور حاصل تھا" اور

---

[1] تفہیم القرآن، جلد چہارم: ص ۳۱۰ [2] ایضاً: ص ۵۱۸

فلاں فلاں چیزوں کا علم قطعاً نہ تھا۔ اگر موصوف ایسا کوئی ذریعۂ علم بتا دیں تو مسلمانوں کو مودودی صاحب سے جو یہ بدظنی ہے کہ وہ اپنے ذہن سے تراش کر بڑی سے بڑی بات اِس وثوق سے پیش کرتے چلے جاتے ہیں گویا وہ کتاب و سنّت ہی کے تحت بات کر رہے ہیں، اِسے کو دُور کرنے میں کافی مدد ملے گی۔ موصوف نے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عدیم النظیر کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی ہوئی اُس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی موادِ مل گیا تھا، جس کے اندر کیرکٹر کی زبردست طاقت موجود تھی۔ اگر خدانخواستہ آپ کو بودے، کم ہمّت، ضعیف الارادہ اور ناقابلِ اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے۔" [1]

یہی تو تھی کا حصر بتا رہا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم الشان کامیابی کا دار و مدار صرف اِس کا مرہونِ منت ہے کہ آپ کو بہترین انسانی موادِ مل گیا تھا۔ موادِ بہترین تھا یا کیسا؟ اِس سے قطع نظر کرتے ہوئے موصوف کے نزدیک اِس بے مثال کامیابی میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو کچھ بھی حصّہ نہیں۔ یہ ہے جناب مودودی صاحب کا انصاف اور دین و دیانت کا تقاضا کہ جس ہستی نے اُنھیں ایسے رنگ میں رنگا کہ بہترین انسانی مواد بنا دیا اُس کا اِس کامیابی میں سرے سے حصّہ ہی نہیں۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ؎

خار کو گُل اور گُل کو خار جو چاہے کرے
تو نے جو چاہا کیا اے یار جو چاہے کرے

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ جل مجدہٗ نے مخاطب کیا ہے لیکن پیارے پیارے القاب کے ساتھ، مثلاً یاایھا النبی، یاایھا الرسول، یاایھا المزمل، یاایھا المدثر وغیرہ۔ غرضیکہ پورے قرآن کریم میں ایک

---

[1] اخلاقی بنیادیں: ص ۲۱

بھی ایسے مقام کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جہاں اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام لے کر مخاطب کیا ہو حالانکہ وہ خالق و مالک ہے۔ اُس پر کسی کا ادب ضروری نہیں، لیکن صرف یہ بات واضح کرنا مقصود تھی کہ جس ہستی کا پروردگارِ عالم اتنا ادب ملحوظ رکھتا ہے اُس کا ساری مخلوق کو اور خصوصاً اُس کے ماننے والوں کو کتنا ادب کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں کتنی ہی آیات کا ترجمہ کرتے وقت لکھا ہوا ہے: اے محمد! —— آخر اس دل چھیلنے والی ادا کا جواز کیا ہے؟

سورۂ آل عمران کی آیت ۸۱ میں اُس میثاق کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام سے نبی آخر الزماں، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق لیا تھا۔ لیکن مودودی صاحب داعیِ حق اور علمبردارِ حقانیت بن کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت پر تشریح میں یوں پردہ ڈالتے ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ ہر پیغمبر سے اِس امر کا عہد لیا جاتا رہا ہے اور جو عہد پیغمبر سے لیا گیا ہو وہ لامحالہ اُس کے پیروؤں پر بھی آپ سے آپ عائد ہو جاتا ہے کہ جو نبی ہماری طرف سے اُس دین کی تبلیغ و اقامت کے لیے بھیجا جائے جس کی تبلیغ و اقامت پر تم مامور ہوئے ہو، اُس کا تمھیں ساتھ دینا ہوگا، اُس کے ساتھ تعصب نہ برتنا، اپنے آپ کو دین کا اجارہ دار نہ سمجھنا، حق کی مخالفت نہ کرنا، بلکہ جہاں جو شخص بھی ہماری طرف سے حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے اُٹھایا جائے اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا۔ یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اِسی پر ہر نبی نے اپنی اُمت کو بعد کے آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اُس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ لیکن نہ قرآن میں، نہ حدیث میں، کہیں بھی اِس امر کا پتا نہیں چلتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ نے اپنی اُمت کو کسی بعد کے آنے والے نبی کی خبر دے کر اُس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔" [1]

---

[1] تفہیم القرآن، جلد اول، ص ۲۶۹

مودودی صاحب نے جو مسندِ الوہیت پر ترجمانی کی آڑ میں بیٹھ کر انبیائے کرام کے نام احکامات صادر فرمائے ہیں کہ تم یُوں کرنا اور ایسا ہرگز نہ کرنا وغیرہ یہ تو اُن کے ذوقِ انانیت اور بین الاقوامی شخصیت ہونے کا تقاضا ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے آیت کی جو تفسیر کی ہے اِس کی صحت وعدمِ صحت کا شاید اُس وقت تک صحیح اندازہ نہ ہو سکے جب تک زیرِ بحث آیت سامنے نہ ہو۔ چنانچہ پہلے دونوں آیتیں ملاحظہ فرمالی جائیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ
لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ
جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ
ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ
اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ
فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ
فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ [1]

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے
اُن کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور حکمت
دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ
رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے،
تو تم ضرور بر ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور
بر ضرور اُس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے
اقرار کیا اور اِس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے
عرض کی، ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے
پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ
گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اِس کے بعد
پھرے تو وہی فاسق ہیں۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ان دونوں آیتوں کے مفہوم پر نظر کر کے مودودی صاحب کی مذکورہ تصریحات کو دیکھیں۔ چند امور خصوصی توجہ کے مستحق ہیں جو ہم پیش کیے دیتے ہیں:

۱۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ: ہر پیغمبر سے عہد لیا جاتا رہا ہے۔ اِس سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ جب کوئی پیغمبر مخلوقِ خدا کی رہنمائی کے لیے دنیا میں تشریف فرما ہوتا تو اُس سے عہد لیا جاتا تھا لیکن مذکورہ آیت ۸۱ اِس مفہوم کی تصدیق نہیں کرتی جیسا کہ مِیْثَاقَ

---

[1] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۸۱، ۸۲

النَّبِيّٖنَ سے ظاہر ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے یہ میثاق گروہِ انبیاؑ سے ایک ہی وقت میں لیا گیا تھا یعنی اِس عالمِ ناسُوت کی تخلیق سے پہلے ارواحِ انبیاؑ سے عالمِ ارواح میں عہد لیا گیا ہوگا۔

۲۔ مودودی صاحب کے فرمان جو نبی سے یہ بات سامنے آ رہی ہے کہ ہر نبی سے عہد لیا کر تمہارے عہد میں جو بھی دوسرا نبی دین کی تبلیغ پر مامور ہو تمھیں اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اِس صورت میں ہزاروں انبیاؑ ایسے ہوں گے جن کے متعلق یہ میثاق لیا گیا، لیکن مودودی صاحب کا احسان ہوگا اگر وہ ایسے انبیاء کی نشان دہی فرمادیں جن پر دوسرے انبیاء کو ایمان لانا پڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایمان لانے والا نبی ایک لحاظ سے اُس نبی کا اُمتی بھی ہے جس پر وہ ایمان لایا ہے۔

۳۔ مودودی صاحب نے مذکورہ عبارت میں انبیائے کرام کے نام فرمان نافذ کیا ہے کہ اُنھیں یہ کرنا ہوگا اور ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے وغیرہ۔ یہ الفاظ مفسّرِ قرآن اور اُمتی کی زبان میں ادا کر رہے ہیں یا خدائی مقام پر بیٹھ کر؟

۴۔ امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) نے اِسی آیت کے تحت اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور و معروف ہے، فرمایا ہے:

الرسول ھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی قول علی و ابن عباس و اللفظ وان کان نکرۃ فالاشارۃ الی معین۔	حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق یہاں رسول سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ یہ لفظ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اشارہ شخص معین کی طرف ہے۔

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اِسی لفظ رَسُوْلٌ کی تفسیر میں فرمایا ہے:

وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔	وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

[1] تفسیر جلالین کلاں، مطبوعہ کراچی، ص ۵۵

غرضیکہ مفسرین کی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ یہاں رسول سے مراد نبیِ آخرالزماں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ جملہ انبیائے کرام سے یہ عہد آپ ہی کے متعلق لیا گیا۔ آپ پر ایمان لانا اُن کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔ اِسی لیے آپ نبیِ آخرالزماں ہونے کے ساتھ نبی الانبیا بھی ہیں۔ اِسی کی تصدیق کرتے ہُوئے شبِ معراج تمام انبیائے کرام نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز ادا کی تھی۔ معلوم نہیں وہ کون سی مصلحت یا دارین کی بھلائی تھی جس نے سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِس افضلیت کے اعتراف سے مودودی صاحب کی زبان وقلم کو روکا ہوا ہے؟

ساتویں عنایت

شانِ الوہیت کا مذاق جس طرح خالق کی صفات کا مخلوق میں پایا جانا ممتنع بالذات ہے۔ اِسی طرح مخلوق کی صفات خالق میں پائی جائیں یہ محال ہے۔ اِس کے ساتھ ہی وہ سُبّوح وقدّوس ہر عیب ونقص سے پاک اور منزّہ ہے۔ مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہی عقیدہ ہے۔ مودودی صاحب نے بھی تنزیہہ وتقدیسِ باری تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے:

"پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب اور کمزوری سے پاک ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد کی ضرورت ناقص وکمزور کو ہوا کرتی ہے۔ جو شخص فانی ہوتا ہے وہی اِس کا محتاج ہوتا ہے کہ اُس کے ہاں اولاد ہو تاکہ اُس کی نسل اور نوع باقی رہے اور کسی کو متبنّٰی بھی وہی شخص بناتا ہے جو یا تو لاوارث ہونے کی وجہ سے کسی کو وارث بنانے کی حاجت محسوس کرتا ہے یا محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر کسی کو بیٹا بنا لیتا ہے۔ یہ انسانی کمزوریاں اللہ کی طرف منسوب کرنا اور اُن کی بناء پر مذہبی عقیدے بنا لینا جہالت اور کم نگاہی کے سوا اور کیا ہے؟"[1]

مودودی صاحب نے منافقینِ مدینہ اور یہود وغیرہ کو جواب دینے کی خاطر مذکورہ عبارت میں

---

[1] تفہیم القرآن، جلد چہارم: ص ۳۵۰

اسلامی عقیدے کو ڈھال کے طور پر استعمال کر لیا لیکن بعض آیات کا ترجمہ کرتے وقت وہ خود اِس پر قایم نہیں رہے بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ سے بعض وہ صفات بھی منسوب کر دی ہیں جو ہرگز اُس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ مثلاً:

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ ۔	اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے[1]

مذاق کرنا ایک انسانی فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات یقیناً اِس سے پاک اور منزّہ ہے۔ بھلا خالق کا مخلوق سے اور مخلوق کا خالق سے مذاق کرنا کیسا؛ بہرحال مودودی صاحب نے جب اپنے معبود کا منافقین سے مذاق کروا ہی دیا تو موصوف یہ وضاحت بھی فرما دیں کہ اُن کا اللہ مدینہ طیبہ میں آکر مذاق کیا کرتا تھا یا منافقین کو آسمانوں پر بُلا کر؛ ساتھ ہی یہ بھی مدِ نظر رہے کہ ہنسی مذاق بسا اوقات تُو تُو مَیں مَیں، جھگڑے فساد اور جوتم پیزار کا پیش خیمہ بن جاتا ہے، لہٰذا یہ بھی بتا دیا جائے کہ دورانِ مذاق دو چار مرتبہ یہاں تک بھی نوبت پہنچی یا صرف دل لگی تک ہی یہ معاملہ محدود رہتا تھا؛ مزید ترجمہ ملاحظہ ہو:

سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ ز وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (التوبہ، آیت ۷۹)	اللہ اِن مذاق اُڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور اِن کے لیے دردناک عذاب ہے۔[2]

اب مذاق کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب چالبازی کی نسبت بھی مودودی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ ج فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف، آیت ۹۹)	کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔[3]

وَاُمْلِیْ لَھُمْ ط اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝ (الاعراف، آیت ۱۸۳)	میں اُن کو ڈھیل دے رہا ہوں، میری چال کا کوئی توڑ نہیں۔[4]

---

[1] تفہیم القرآن، جلد اول؛ ص ۵۴
[2] تفہیم القرآن، جلد دوم؛ ص ۲۱۹ [3] ایضاً، ص ۶۱ [4] ایضاً؛ ص ۱۰۴

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (الانفال، آیت ۳۰)

وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ [1]

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (النمل، آیت ۵۰)

یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انھیں خبر نہ تھی۔ [2]

مذکورہ آیات میں ایک جانب کفار و منافقین کے مکر و فریب کو چال چلنا بتایا جا رہا ہے تو دوسری طرف یہی لفظ بغیر کسی جھجک کے اللہ تعالیٰ پر بھی چسپاں کر دیا ہے، حالانکہ ترجمانی کرتے ہوئے یہاں ایسا لفظ استعمال کرنا ضروری تھا جو اُس سُبوح و قدوس ذات کے شایانِ شان ہوتا۔ کفار و منافقین کی فریب کاری کو چال چلنے سے تعبیر کرنا درست لیکن مودودی صاحب کے نزدیک خدا بھی فریب کار ہے کہ بے دھڑک ادھر بھی چال چلنا لکھ دیا اور ایک دفعہ نہیں بار بار۔ ممکن ہے چال چلنے کا کوئی اچھا معنی بھی ہو۔ لیکن جب زیادہ تر یہ لفظ بُرے معنی ہی میں استعمال ہوتا ہے تو لازم تھا کہ خدا کے لیے اِسے استعمال کرنے سے اجتناب کیا جاتا۔ لفظ رَاعِنَا کا ہرگز کوئی غلط معنی نہیں لیکن منافقین و حاسدین اِس لفظ کو اس طرح توڑ مروڑ کر ادا کرتے کہ توہین آمیز مطلب برآمد ہوتا لیکن ایسے نامعلوم طریقے سے ادا کرتے کہ سُننے والوں کو غلط ادائیگی کا پتہ نہ لگتا اور اس طرح وہ اپنے دل کی لگی بجھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص برداشت نہ کی اور اِس صحیح لفظ کے ذریعے اپنے حبیب کو مخاطب کرنے سے صحابۂ کرام جیسے جانثاروں کو بھی روک دیا گیا تاکہ توہین کرنے والوں کا چور دروازہ بند ہو جائے۔ دریں حالات جو لفظ زیادہ تر استعمال ہی بُرے معنی میں ہوتا ہے وُہ تو کسرِ شان کا مین گیٹ ہُوا۔ اُس کے استعمال کو اللہ تعالیٰ خود اپنے متعلق کس طرح پسند فرمائے گا؟ دراصل ترجمہ کرتے ہوئے

---

[1] تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۱۴۱

[2] تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۵۸۴

مودودی صاحب کے ذہن میں صفاتِ الٰہیہ کا تصور نہ رہا ہوگا جس کے باعث یہ غلطی ہوگئی اور بقول مودودی صاحب تو بنیادی غلطی اور خطرناک سہل انگاری واقع ہوئی، جس کا خود اُنھوں نے یُوں اظہار فرمایا ہے:

"انسان کی سب سے بڑی بنیادی غلطی وُہ ہے جو وہ خدا کے متعلق اپنے عقیدے کے تعین میں کرتا ہے۔ اِس معاملے میں سہل انگاری سے کام لے کر کسی گہرے اور سنجیدہ فکر و تحقیق کے بغیر ایک سرسری یا سُنا سُنایا عقیدہ بنا لینا ایسی عظیم حماقت ہے جو دنیا کی زندگی میں انسان کے پُورے رویّے کو، اور ابدالآباد تک کے لیے اُس کے انجام کو خراب کر کے رکھ دیتی ہے۔ لیکن جس وجہ سے آدمی اس خطرناک سہل انگاری میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار اور غیر جواب دہ سمجھ لیتا ہے اور اِس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ خدا کے بارے میں جو عقیدہ بھی میں اختیار کر لُوں اُس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یا تو مرنے کے بعد سرے سے کوئی زندگی نہیں ہے جس میں مجھے کسی بازپُرس سے سابقہ پیش آئے یا اگر کوئی ایسی زندگی ہو اور وہاں بازپُرس بھی ہو تو جن ہستیوں کا دامن میں نے تھام رکھا ہے وُہ مجھے انجامِ بد سے بچا لیں گی۔ یہی احساسِ ذمہ داری کا فقدان آدمی کو مذہبی عقیدے کے انتخاب میں غیر سنجیدہ بنا دیتا ہے اور اِس بنا پر وُہ بڑی بے فکری کے ساتھ دہریت سے لے کر شرک کی انتہائی نامعقول صورتوں تک طرح طرح کے لغو عقیدے خود گھڑتا ہے یا دوسروں کے گھڑے ہوئے عقیدے قبول کر لیتا ہے۔"[1]

کاش مودودی صاحب اپنے آپ کو غیر جواب دہ یا غیر ذمہ دار نہ سمجھتے اور خدا کے متعلق اپنے عقیدے کے تعین میں سنجیدہ فکر و تحقیق کو کام میں لاتے اور سہل انگاری سے کام نہ لیتے۔ علاوہ بریں موصوف اور وہابیان پاک و ہند کے پیشوائے اعظم مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) تو ہر اُس شخص کو خدا بنا دیا کرتے تھے جو آسمان کے تاروں یا ایک درخت کے پتّوں کی

---

[1] تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۹۰۱

گنتی بھی بتا دے لیکن موصوف نے اِس کاروبار کو خوب وُسعت دی ہے کہ ہر ولی، قطب، غوث، قلندر وغیرہ کو خدا بنا دیا نیز کسی نے فاتحہ یا نذر نیاز دی یا کسی کا عُرس کیا تو اُسے خدا بنا لیا۔ چنانچہ مودودی صاحب نے اپنی اِس مہم کا اظہار اِن لفظوں میں فرمایا ہے:

"جاہلیت خالصہ (خالص کفر) کے بعد یہ دُوسری قسم کی جاہلیت (کفر) ہے جس میں انسان قدیم ترین زمانہ سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ گھٹیا درجہ کی دماغی حالت ہی میں یہ کیفیت رُونما ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد وقہار کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء، واولیاء، شہداء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشایخ اور ظل اللّٰہوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقاید میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر اُن نیک بندوں کو خدا بنا لیا، جن کی ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ کی خدائی ثابت کرنے میں صرف ہُوئی تھیں۔ ایک طرف مشرکانہ پُوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارات، نیاز، نذر، عرس، صندل، چڑھاوے، نشان، عَلَم، تعزیے اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ دُوسری طرف بغیر کسی ثبوت علمی کے اِن بزرگوں کی ولادت و وفات، ظہور و غیاب، کرامات و خوارق، اختیارات و تصرفات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کے تقرب کی کیفیات کے متعلق ایک پُوری میتھالوجی تیار ہو گئی جو بُت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے ہر طرح لگا کھا سکتی ہے۔ تیسری طرف توسل اور استمداد روحانی اور اکتساب فیض وغیرہ ناموں کے خوشنما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندوں کے درمیان ہوتے ہیں، ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے اور عملاً وہی حالت قایم ہو گئی جو اللہ کے ماننے والے ان مشرکین کے ہاں ہے جن کے نزدیک پادشاہ عالم انسان کی رسائی سے بہت دُور ہے اور انسان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام امور نیچے کے اہلکاروں ہی سے وابستہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے

کہ اُن کے ہاں اہل کار علانیہ الٰہ، دیوتا، اوتار یا ابن اللہ کہلاتے ہیں اور یہ انھیں غوث، قطب، ابدال، اولیاء اور اہل اللہ وغیرہ الفاظ کے پردوں میں چھپاتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک مکھی یا مچھر بنانے کی طاقت بھی نہیں دی ہے۔ کاش! مودودی صاحب دائرۂ انسانیت ہی میں رہتے اور تمام حدود کو پھاند کر مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی طرح خدا سازی کا کاروبار نہ کرتے۔ جن معاملات کو مودودی صاحب خدا بنانے پر محمول کر رہے ہیں ان میں سے اکثر چیزیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے ہاں پورے اہتمام پائی جاتی ہیں جو مودودی صاحب کے نزدیک بارھویں صدی کے مجدد اور مایۂ ناز علمی ہستی ہیں۔ کیا یہ کافر و مشرک تھے، یہ مشرکین والی میتھالوجی کے قائل ہوئے یا نہیں؟ دریں حالات انھیں بزرگ اور مجدد ماننے کون ہوئے؟ اسی طرح ہزاروں اولیاء اللہ اور علماء نے اُمتِ محمدیہ کا معاملہ ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ انھیں اور ساری اُمتِ محمدیہ کو کافر و مشرک ٹھہرانے کے بجائے مودودی صاحب ہی خدا سازی کا کاروبار نہ کرتے۔ مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرانے اور خود کو دین کا علمبردار منوانے کے زعم میں بندگانِ خدا کو خدائی منصب پر بٹھانے کا کاروبار تو خود جاری کیا ہے لیکن الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان بھی کسی بزرگ کو خدا کی ذات و صفات میں شامل کرنے کا تصور تک اپنے ذہن میں نہیں لاتا، خدا کی صفات کا اُن میں ہزارواں حصہ بھی تسلیم نہیں کرتا لیکن مودودی صاحب بضد ہیں کہ اُنھوں نے بزرگوں کو خدا بنا لیا۔ اُنھوں نے تو خدا کے بندوں کو ہرگز خدا نہیں بنایا، ہاں مودودی صاحب ہی نے خدا بنانے کا کارخانہ لگایا ہوا ہے جہاں سے زبان زوری کے ساتھ بندگانِ خدا کو خدا بنا کر مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرایا جاتا ہے۔ موصوف نے اپنی جملہ تصانیف میں اور خصوصاً تجدید و احیائے دین اور قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں کتاب میں اس کاروبار کی خوب گرم بازاری دکھائی ہے۔ ؎

آپ کا دعویٰ ہے گلشن کی بہاریں ہم سے ہیں
یعنی اب بدخواہ کو کہنا پڑے گا خیر خواہ

شانِ تحقیق مودودی صاحب نے اپنی مخصوص تحقیق کے اصلی جوہر تو "خلافت و ملوکیت" کتاب میں دکھائے ہیں، جہاں کتاب و سنت کی واضح تصریحات

کے خلاف حقیقت کا سر بازار منہ چڑاتے ہوئے جھوٹے اور سراسر جعلی تاریخی قصوں کا سہارا لے کر اکابر اصحاب کی مقدس سیرتوں اور شخصیتوں کو داغدار کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی۔ دل کھول کر اُن بزرگوں پر الزامات کی فائرنگ کر کے اپنے دل کی لگی بجھائی ہے۔ یہاں ہم صرف ایک ہی مثال پیش کریں گے اور وہ سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی حکومت سے متعلق۔ وباللہ التوفیق۔

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے جب اپنے خاندانی مذہب اہلسنت وجماعت کو خیرباد کہہ دیا اور انگریزوں کی ہدایت کے مطابق محمد بن عبدالوہاب نجدی (المتوفی ۱۲۰۶ھ) کے دھرم کا متحدہ ہندوستان میں بانی بننا قبول کر لیا تو موصوف پر چاروں طرف سے انگلیاں اُٹھنے لگیں تو اِس سلسلے کی اگلی کڑی مرزا حیرت دہلوی نے یہ بتائی ہے:

> "آپ نے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغنوں کو اپنی جادو بھری تقریر سُنا کے مرید کیا اور اُنھیں ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مصلحت اس کی مقتضی تھی کہ یہ کارروائی کی جائے کیونکہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔"[1]

مودودی صاحب اور اُن کے متبعین نیز جملہ دیوبندی اور اہلحدیث حضرات کو ماننا پڑے گا کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے اپنا خاندانی مذہب یعنی طریقۂ اہلسنت وجماعت ترک کر دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دہلوی صاحب مذکور سے پہلے متحدہ ہندوستان میں وہابیت کا وجود ہی نہیں تھا۔ اگر وہابیوں کا وجود ہوتا یا خاندانی مذہب پر رہتے تو بدمعاشوں کے سرغنوں کو مرید کرنے کی ضرورت پیش ہی کیوں آتی؟ بہرحال ہندوستان میں فرقہ سازی کے بانی مولوی محمد اسمٰعیل ہوئے۔ جو وہابی علماء اہلسنت وجماعت کو بریلوی فرقہ اور امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کو کسی فرقے کا بانی کہتے ہیں وہ دین وایمان کے ساتھ ہی انصاف و دیانت سے بھی عاری ہیں۔ غرض یہ تھے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے اعیان و انصار۔ اور یہ تھی وہابیت کی پاکیزہ خشتِ اوّل۔ آگے کیا ہوا، ملاحظہ فرمائیے:

---

[1] حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۵۸

"اِس میں شُبہ نہیں ہوسکتا کہ کئی برس تک پیارے شہید کے معتقدین اِتنے کم رہے جن کا شمار اُنگلیوں پر ہوسکتا ہے، مگر اِس ناکامی سے کسی قسم کی دل شکنی مولانا شہید کو حاصل نہ تھی۔" [1]

مرزا حیرت دہلوی نے غنڈوں کے سرغنوں پر مشتمل اپنے توحید کے علمبردار محمدی گروہ کے بارے میں مزید لکھا ہے:

"جب اِس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لاٹھی بھی چل گئی کیونکہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔" [2]

سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا کے تحت جب اِس شجرِ ممنوعہ کی جڑیں پھیلنی شروع ہوئیں جو حکومت کی سرپرستی کے باعث ناگزیر تھیں تو اِس اوّلین ترقی کا تذکرہ مرزا صاحب مسرور ہو کر یُوں کرتے ہیں:

"پیارے شہید نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ ہم محمدی ہیں۔ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ اِس ضلع میں اتنے محمدی آباد ہیں اور اُس ضلع میں اتنی تعداد اسلامیوں کی ہے۔" [3]

اب اِن حضرات کو انگریزی حکومت اپنے حکم اور امداد کے ساتھ سرحد کے مسلمانوں اور پنجاب کے سکھوں سے لڑنے کے لیے بھیجتی ہے۔ مسلمانوں کے سامنے اعلان صرف سکھوں سے لڑنے کا کرتے اور مدد مانگتے ہیں۔ مسلمان حیران ہو کر سوال کرتے ہیں کہ جہاد تو انگریزوں سے کرنا چاہیے جنھوں نے ہماری آزادی سلب کی ہوئی ہے۔ سیّد احمد صاحب جواب دیتے ہیں:

"انگریزی سرکار گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ اُن کو فرائضِ مذہبی اور عباداتِ لازمی سے روکتی ہے۔ ہم اُن کے ملک میں

---

[1] حیاتِ طیبہ: ص ۹۷ [2] ایضاً: ص ۹۹

[3] ایضاً: ص ۲۳۸

علانیہ وعظ کہتے اور ترویجِ مذہب کرتے ہیں، وہ کبھی مانع ومزاحم نہیں ہوتی۔
بلکہ ہم پر اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اُس کو سزا دینے کو تیار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعتِ
توحیدِ الٰہی اور احیائے سنن سیّد المرسلین ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اِس ملک میں
کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصولِ مذہب کے خلاف
بلاوجہ طرفین کا خون گراویں۔" لہ

موصوف کے اوّلین سوانح نگار اور وہابیت کے عاشقِ زار مولوی محمد جعفر تھانیسری نے یہ وضاحت
بھی کی ہے:

"اس سوانح اور مکتوبات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب کا انگریزی
سرکار سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اِس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے
تھے اور اِس میں شک نہیں کہ اگر انگریزی سرکار اُس وقت سید صاحب کے خلاف
ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اُس وقت
دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔" لہ

مذکورہ دونوں عبارتوں میں سید احمد صاحب اور اُن کے اوّلین سوانح نگار، مولوی محمد جعفر تھانیسری کے
یہ الفاظ کتنے قابلِ غور ہیں:

——— مسلمانوں پر کوئی ظلم وتعدی نہیں کرتی ——— ہم اُن کے ملک میں ——— ہم سرکار انگریزی
پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصولِ مذہب کے خلاف بلاوجہ طرفین کا خون گراویں ——— وہ
اِس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے ——— سرکار انگریزی دل سے چاہتی تھی کہ
سکھوں کا زور کم ہو ——— لگے ہاتھوں وہابی بیڑے کے ناخدا یعنی مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا اِس
سلسلے میں نظریہ بھی مرزا حیرت دہلوی کی زبانی ملاحظہ ہو:

" کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور
سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے، تو ایک شخص نے دریافت کیا: آپ

لہ حیاتِ سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۱

انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا: اُن پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے۔ ایک تو اُن کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں اُن کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ اُن پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔" [1]

ملّا کو جو مسجد میں ہے سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

مسلمانانِ ہند کی اُمیدوں کا آخری مرکز یعنی سلطان فتح علی ٹیپو شہید ہو گیا۔ یہ آخری تلوار بھی ٹوٹ گئی۔ یہ کارنامہ ظالم کمپنی نے میر صادق علی اور پورنیاں وغیرہ غداروں کی مدد سے انجام دیا تھا۔ اُس کے بعد وسطِ ہند میں سب سے مضبوط نواب امیر خاں والیِ ٹونک تھا۔ اُس بپھرے ہوئے شیر پر انگریزوں نے کون سے غدار کے ذریعے قابو پایا، مرزا حیرت دہلوی سے سُنیئے:

"۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب، امیر خاں کی ملازمت میں رہے، مگر ایک نامور کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعے سے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خاں کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اُس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا، امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا۔" [2]

قیامِ پاکستان کے بعد وہابی علماء اور مورخین نے اپنے ان انگریز پرست اکابر کو برٹش گورنمنٹ کا دشمن بتانا اور اِن کے نام نہاد جہاد کا رُخ انگریز کی جانب پھیرنا شروع کر دیا ہے تاکہ یہ حضرات جعفر بنگال اور صادقِ دکن کی صف سے نکل جائیں اور ٹیپو سلطان، نواب سراج الدولہ اور

---

[1] حیاتِ طیبہ: ص ۳۶۴ [2] ایضاً: ص ۳۶۱

نواب امیر خاں کی صف میں نظر آنے لگیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل پانی پتی نے ایسے لوگوں کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

"سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید، انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انھوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا بلکہ سرسید کے اس بیان کی تائید بعد کے متعدد مورخوں نے بھی کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن نے ترجمانِ وہابیہ مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱، ۲۸ پر۔ نیز سوانح احمدی مولفہ محمد جعفر تھانیسری میں بیس مقامات پر، اسی طرح حضرت شاہ اسمٰعیل کے سوانح موسوم حیاتِ طیبہ کے صفحہ ۱۸۹، ۲۹۲، ۲۹۴ پر اس خیال کو پیش کیا گیا ہے مگر حال میں بعض اصحاب نے ان حقائق کے برخلاف یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیل کا اصل مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کا یہ بیان واقعات کے مطابق نہیں اور نہ اس دعوے کا کوئی واضح ثبوت موجود ہے۔" [۱]

وہابیت کا سنگِ بنیاد رکھنے اور انگریز بہادر کی حمایت پر تن من دھن سے کمربستہ رہنا تو بیان ہوا۔ اب تحریکِ جہاد کے سلسلے میں سید احمد صاحب کا سراسر جھوٹا اور شیطانی الہام بھی ملاحظہ ہو۔ تھانیسری صاحب لکھتے ہیں:

"اکثر مولفوں کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ وعدۂ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ اس کو سراسر صادق اور ہونے والی بات سمجھ کر بار بار فرمایا کرتے تھے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے کہ اس الہام میں وسوسۂ شیطانی اور شائبۂ نفسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ آئے گی۔" [۲]

---

[۱] مقالاتِ سرسید، حصہ نہم، مطبوعہ لاہور، ص ۲۰۰ [۲] حیات سید احمد شہید، ص ۲۹۱

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے یہ انکشاف بھی کیا ہے :

"سید محمد یعقوب آپ کے بھانجے سے روایت ہے کہ بروقت روانگی خراسان آپ (سید احمد صاحب) اپنی ہمشیرہ یعنی والدۂ سید محمد یعقوب سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ اے میری بہن! میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا اور یہ بات یاد رکھنا کہ جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنّت زندہ نہ ہو جائیگی اللہ رب العزت مجھ کو نہیں اٹھائے گا۔ اگر قبل از ظہور اِن واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے رُو برو مر گیا یا مارا گیا تو تم اُس کے قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا کیونکہ میرے رب نے مجھ سے وعدۂ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مارے گا۔ آپ کے سفر جہاد سے پہلے، غالباً سفرِ حج میں، آپ کو یہ الہام ربّانی ہوا تھا کہ ملک پنجاب آپ کے ہاتھوں پر فتح ہو کر پشاور سے دریائے ستلج تک مثل ملک ہندوستان کے رشک افزائے چمن ہو جائے گا۔ چنانچہ اِن متواتر وعدہ ہائے فتح سے آپ کا ہر ایک مرید واقف تھا"[۱]

یار محمد خاں حاکم یاغستان کے نام مکتوب میں سید احمد صاحب نے یہ بھی تحریر کیا تھا:

"یہ فقیر اِس خصوص میں غیبی اشارہ کی بنا پر مامور ہے اور اُس مبشر کی اِس بشارت میں شک و شُبہ کی گنجایش نہیں۔ ہرگز ہرگز کسی شیطانی وسوسہ اور نفسانی خواہش کا شائبہ اِس الہامِ رحمانی میں شامل نہیں ہے"[۲]

شہزادہ کامران کے نام خط لکھتے ہُوئے بھی سید احمد صاحب نے اِس الہام اور وعدۂ فتح کا ذکر یُوں کیا تھا:

"اِس عاجز کو جہاد کے اجراء اور کفر و فساد کے ازالے کے لیے غیب سے مامور

---

[۱] حیات سید احمد شہید: ص ۱۷۱، ۱۷۲ [۲] مکتوبات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی: ص ۱۴

کیا گیا ہے اور فتح و نصرت کی بشارتیں پہنچانے والا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مکرر، سہ کرر الہامِ ربانی اور روحانی مکالمہ کے ذریعے اپنے لطف و کرم سے مجھ کو اس کی اطلاع دی گئی ہے۔ ہرگز ہرگز کوئی شیطانی وسوسہ یا خواہشاتِ نفسانی اس میں شامل نہیں ہے۔“ [۱]

شاہِ بخارا کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں بھی سید احمد صاحب نے وعدۂ نصرت، مژدۂ فتح اور روحانی مکالمے والہام کا یوں ذکر کیا:

”قیامِ جہاد کے معاملے اور کفر و فساد کے رفع دفع کرنے کے لیے الہام اور روحانی مکالمہ کے ذریعے غیبی امامت سے اس فقیر کو مشرف فرمایا اور ہم کو فتح و نصرت کے متعلق ایسی بشارتوں کا مخبر اور اس پروردگارِ عالم کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اور سید المرسلین کی سنت کے احیاء اور سرکش کافروں کی بیخ کنی اور بنیاد کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے مامور فرمایا ہے اور اپنے سچے وعدوں کے بموجب مظفر و منصور کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔“ [۲]

اس شیطانی اور سراسر جھوٹے الہام کا سید احمد صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کا استاد بن کر خوب نشر و اشاعت کی۔ خوب فتح کے وعدے خدا کی جانب سے بتا کر عوام و خواص کو دھوکا دیا۔ کیا ہے کوئی سید احمد صاحب اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا حمایتی جو اس فریب کاری کو درست منوانے کی ہمت کر کے مردِ میدان بنے ورنہ اپنے اِن اٰمَنُوْا یَا اَیْمَنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے پھندے سے نجات حاصل کر کے حق و صداقت قبول کرے۔ ان حضرات کا چوتھا کارنامہ یہ ہے کہ سرحد کے مسلمانوں کو انگریز کی ہدایت کے بموجب زیر کرنا تھا۔ جب بعض حضرات پر ان کی فریب کاری کا پردہ کھلا، ان کے دشمنِ دین و ایمان ہونے کا راز کھلا تو وہ حمایت سے ہٹنے لگے۔ دریں حالات انھیں تہِ تیغ کرنے کی خاطر کفر و ارتداد و نفاق کے فتوے جڑے گئے۔ خاندانِ سید احمد کے چشم و چراغ مولوی ابوالحسن ندوی نے ایسے لوگوں کے بارے میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کا ایک فتویٰ

---

[۱] مکتوباتِ سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی: ص ۱۰۵ [۲] ایضاً: ص ۸۸

یُوں نقل کیا ہے :

"پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہُوئی۔ جو آپ (سید احمد) کی امامت سرے سے تسلیم ہی نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کر دے وُہ باغی مستحل الدم ہے اور اُس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد اور اُس کی بے عزتی تمام اہلِ فساد کی طرح خدا کی عین مرضی ہے، اِس لیے کہ ایسے لوگ بحکمِ احادیثِ متواترہ، کلاب النار اور ملعونین اشرار ہیں۔ اِس مسئلے میں اِس ضعیف (مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی) کا یہی مذہب ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر۔" [1]

اِس ظالمانہ فتوے اور خلافِ دین و دیانت طرزِ عمل پر کسی تبصرے کی حاجت ہی کیا ہے۔ سید احمد صاحب جیسے دشمنِ ملتِ اسلامیہ کی اطاعت کو واجب قرار دینا بانیِ وہابیت و مبلغِ خارجیت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ مسلمانوں سے یہی سلوک نہ کرتے تو ان سے اور کیسے سلوک کی توقع وابستہ کی جا سکتی تھی! دہلوی صاحب مذکور نے یہ بھی وضاحت کی ہے :

"یہاں دو معاملے درپیش ہیں۔ ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا۔ اِس بات سے قطع نظر کہ وُہ اُن کے ارتداد پر یا اُن کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اِس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جبکہ بعض اشخاص کے مقابلہ میں اُن کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اِس کا کوئی سبب۔ اگرچہ کہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی یعنی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کیونکہ ہم اِن فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں۔" [2]

اگر مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت فتنہ پرداز نہ سہی کم از کم فتنہ پردازوں سے بدلہ لینا ہی پسند کرتے تو اُسی وقت وہابیوں کو کچا چبا گئے ہوتے جب یہ سرحد میں کفر و ارتداد کے فتوے لگا کر مسلمانوں کے

---

[1] سیرت سید احمد شہید، جلد اول : ص ۵۰۸ [2] مکتوبات سید احمد شہید، ص ۱۴۱

خون سے ہولی کھیل رہے تھے۔ اُس وقت سیکڑوں مسلمانوں کے حصے میں مشکل سے ایک دہائی آتا۔ تلوار کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا دیا جاتا لیکن مسلمانوں میں بُردباری رہی ہے اور رہے گی حالانکہ وہابی حضرات اپنے روزِاوّل ہی سے ملّتِ اسلامیہ کے لیے مارِ آستین ثابت ہوتے رہے ہیں چنانچہ خادی خاں کو قتل کرنے کے بعد اُس کے مال کو غنیمت کا مال شمار کر کے وہابیوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں کو واقعی کافر سمجھنے کا ثبوت پیش کر دیا تھا۔ دہلوی صاحب کا بیان ہے:

"موصوف (سید احمد) نے اُس (خادی خاں) کو کیفرِ کردار تک پہنچایا اور اُس کا مال تقسیم کر دیا بلکہ اُس کے ہتھیاروں کو گھوڑوں کو بھی ضرورت کے وقت استعمال فرمایا اور اُس کے دوسرے مال کو ضبط کر کے مجاہدین پر تقسیم فرمادیا۔" [1]

یار محمد خاں حاکمِ یاغستان اور اسکے ساتھیوں کے مال و جان کے متعلق بھی موصوف نے یُوں ظالمانہ فتویٰ صادر کیا تھا:

"یار محمد خاں بلا شک وشبہ اِس معاملہ میں ظلم و تعدی کا رہبر تھا۔ ایسے رہبر کا قتل اور اُس کا مال ضبط کرنا بلکہ اُس ظالم رہبر کی فوج کا قتلِ عام اور اُس کی فوج کے تمام مال پر ہر قسم کا تصرف کرنا یعنی اُس کی فروخت اور تقسیم حسبِ شرع جائز ہے۔" [2]

اِس اینگلو انڈین فوج کے امیر، جناب سید احمد صاحب نے امیرِ قلات خان خاناں خلجائی کو خط لکھا، جس میں مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے اور اُنھیں بزورِ شمشیر مطیع کرنے کی یُوں ترغیب دی تھی:

"اپنی فوج اور قبیلہ کو جمع کر کے جنابِ والا خود غزنی کے نواح میں چھاپے مارنا شروع کر دیں اور اپنے ساتھیوں میں سے بعض کو قبائل اور فوج کی کثیر تعداد کے ساتھ کابل کے اطراف میں مقرر فرمائیں تاکہ یہ بھی منافقین پر شبخون مار کر اِس مقام کو تاخت و تاراج کر دیں اور میں بھی اِدھر سے پشاور کے منافقوں کی طرف متوجہ

---

[1] مکتوباتِ سید احمد شہید: ص ۲۴۴ [2] ایضاً: ص ۲۴۵

ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں جلال آباد
پہنچ جاؤں گا اور اِس طرح پھر وہاں سے کابل جاؤں گا۔ اِس طرح مردود منافقین
جو پشاور سے قندھار تک پھیلے ہوئے ہیں اُن کے پاؤں ایسے اُکھڑ جائیں گے اور
ہر شخص جو اپنے حال میں خود گرفتار ہے، بے دست و پا ہو کر آپس میں ایک دوسرے
کی مدد نہیں کر سکے گا اور اُن کا باہم اتحاد اور اجتماع دشوار ہو جائے گا" لہ

اِس عبارت کو بار بار پڑھیے اور انصاف کی رُو سے بتائیے کہ پورے علاقے کے مسلمانوں کو بزورِ شمشیر کرنے والے، اُن کے خون سے ہاتھ رنگنے والے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے یا بدخواہ؟ مسلمان اِن کا ساتھ دیتے یا ملّتِ اسلامیہ کے اِن دشمنوں کی گردنیں مروڑ کر رکھ دیتے؟ کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ تو صرف پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنے گئے تھے؟ جب سارے مسلمان ہی اِن حضرات کے نزدیک منافق تھے تو وُہ اِن کا ساتھ دیتے یا میدان میں فیصلہ کرتے؟ سیّد احمد صاحب نے یار محمد خاں کے معتمد و متوسل یعنی احمد خاں بن لشکر خاں کو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑنے اور اپنے ساتھ ملانے کی یُوں تحریص دی تھی:

"اللہ نے چاہا تو اُس بادشاہِ جبّار اور مالکِ قہّار کے دبدبہ و قوت سے اِن تمام بدکردار منافقوں کی شان و شوکت آسانی سے تھوڑے ہی عرصہ میں خاک میں مل جائے گی۔ انشاء اللہ آپ اُس قادرِ مطلق کی قدرت کا تماشہ ملاحظہ فرمائیں اور منافقوں کے ساتھ رواداری کو پروردگارِ عالم کی خاطر اور رضا جوئی پر قربان کر دیں" لہ

مسلمانوں کو اِن خوارج کے بقیۃ السلف نے کس نظر سے دیکھا اُس کی ایک جھلک قارئینِ کرام کے سامنے پیش کر دی۔ اب پانچویں مرحلے میں اِن حضرات کی عیاشی اور حرام کاری کے نمونے ملاحظہ ہوں۔ مثلاً مرزا حیرت دہلوی نے لکھا ہے:

"سیّد صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا جو شرعِ محمدی

لہ مکتوباتِ سید احمد شہید: ص ۷۰، ۴۸ لہ ایضاً: ص ۱۴۱

کے موافق عمل درآمد کریں، مگر اُن کی بے اعتدالیاں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ اُن سے نکاح کرلیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لڑکیاں جارہی ہیں، مجاہدین میں سے کسی نے اُنھیں پکڑا اور مسجد میں لے جاکر نکاح پڑھا لیا۔" [1]

یہ نکاح تھے یا نری حرام کاری۔ اب بیوگان کے متعلق اسمٰعیلی شریعت اور اُس کی تعمیل کے مناظر ملاحظہ ہوں:

"یہ محض ناممکن تھا کہ نوجوان عورت رانڈ ہو کے عدت کی مدت گزر جانے پر بے خاوند بیٹھی رہے۔ اُس کا جبراً نکاح کیا جاتا تھا، خواہ اُس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔" [2]

جب سرحد کے مسلمان اِن مفسدوں کے نزدیک منافق واجب القتل تھے تو واجب القتیل عورتوں اور لڑکیوں کو زندہ کیوں رہنے دیتے تھے، کیوں اُنھیں جبراً اپنے گھروں میں ڈال رہے تھے؟ مسلمانوں کے ننگ و ناموس پر اِس طرح ہاتھ ڈالنے والوں کو مجاہدین ہی کہنا چاہیے یا مفسدین؟

اُس اسمٰعیلی فوج کا عام طرزِ عمل یہ تھا:

"ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں، نہیں ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی لڑکی کو حوالۂ مجاہد کرتے تھے اور اُن کو کچھ چارہ نہ تھا۔" [3]

تمام دیوبندیوں، اہلحدیثوں اور جماعتِ اسلامی کے علماء سے سوال ہے کہ بغیر عورت اور اُس کے ولی کی اجازت کے مسلمانانِ سرحد کی جتنی لڑکیوں اور عورتوں کو اِن مفسدین نے جبراً گھروں میں ڈال لیا تھا، ظاہری نکاح کا تکلف تو محض ایک پردہ تھا، آپ کے پاس ایسے نکاحوں کی صحت کے دلائل ہوں تو ضرور اُن سے مطلع فرمائیں، بصورتِ دیگر اِن فرضی نکاحوں کے ذریعے پیدا ہونیوالی اولاد، یعنی کتنے ہی موجودہ وہابیوں کے وہ آباؤ اجداد حلالی تھے یا حرامی؟ مسلمانانِ سرحد کے مال وجان کے متعلق رئیس المفسدین مولوی اسمٰعیل دہلوی کا فتویٰ ضرور مدِ نظر رہے۔ خود سید احمد صاحب

---

[1] حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور: ص ۲۴۲ [2] ایضاً: ص ۲۴۲ [3] ایضاً: ص ۲۴۲

کی جانب بھی یہ اعلان منسوب ہے:

"آپ نے ایک فرمان جاری کیا کہ جتنی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب ہمارے لیفٹننٹ کی خدمت میں مجاہدین کے لیے حاضر کی جائیں، اگر اُن کی شادی بارہ دن میں نہ کر دی گئی۔ قوم کی قوم اس اعلان سے بھڑک اُٹھی۔" لے

کیوں وہابیو! اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت وہابیوں کے نام ایسا فرمان جاری کرتی کہ اپنی تمام کنواری لڑکیاں ہماری فوج کیلئے پیش کرو، تو آپ صاحبان اُس حکومت کی قصیدہ خوانی کرتے؟ خدا کے بندو! ایسی حماقت تو آج تک دنیا کی کسی بدکار سے بدکار قوم نے نہیں کی۔ اس کے باوجود اُن مفسدوں اور عیاشوں کو سراہنا کمال ستم ظریفی ہے۔ شریعت کی آڑ میں یہ جہلاء کس طرح دین کو کھلونا بنائے ہوئے تھے۔ یہ ان اینگلو انڈین حضرات کی سپریم کورٹ کے اِس فتوے سے اندازہ کیجیے:

"بدقسمتی سے ایک نیا گل کھلا، گل کیا کھلا گویا غازیوں یا مجاہدوں کی زندگی کے شیرازے کو اس نے پراگندہ کر دیا۔ باہم یہاں کے کل عمّال نے جن کی تعداد ہزار سے بھی بڑھی ہوئی تھی، ایک فتویٰ مرتب کیا اور اُسے پوشیدہ مولوی اسمٰعیل کی خدمت میں بھیج دیا۔ فتویٰ کا مضمون یہ تھا کہ بیوہ کا نکاح ثانی فرض ہے یا نہیں؟ مولانا شہید کیا واقف تھے کہ ملک پشاور میں آگ پھیل رہی ہے اور اس وقت میں اس فتویٰ کی اشاعت سخت غضبناک ہوگی۔ آپ نے سادہ طور پر اس پر اپنی مہر کر دی اور سید صاحب کی بھی اُس پر مہر ہو گئی اور پھر وہ فتویٰ قاضیِ شہر پشاور، سید مظہر علی صاحب غازی کو بھیج دیا گیا۔ انھوں نے اِس فتویٰ کی اشاعت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ یہ اعلان دے دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں سب کے نکاح ہو جانے ضروری ہیں ورنہ اگر کسی گھر میں بے نکاح رانڈ رہ گئی تو اُس گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔" ٢ے

لے حیاتِ طیبہ: ص ۲۴۷
٢ے ایضاً: ص ۴۴۳، ۴۴۴

کیوں جناب! تقریباً ایک ہزار عمّال سے لے کر قاضی و مفتی تک اور امیر الوہابیہ سے امیر البحر تک، اُس سارے طائفے میں شرم و حیاء یا دین و دیانت نام کی کوئی چیز باقی تھی؟ چار دن کی سکھا شاہی میں بدچلنی سے کس طرح غضبِ الٰہی کو اپنے اُوپر مسلط کیا جا رہا تھا؟ سادہ طور پر اُس پر اپنی مُہر کردی ——— سید صاحب کی بھی اُس پر مُہر ہو گئی ——— کیا معصومیت ہے، جس سے تقویٰ و طہارت کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ کچھ دیکھنے کے بعد اب چھٹا گوشہ یہ بھی ملاحظہ فرمایا جائے کہ ان اینگلو انڈین مجاہدین نے مسلمانوں پر قیامت ڈھاتے ہوئے جہانداری و جہانبانی کی کیسی مثال قایم کی۔ مرزا حیرت دہلوی رقمطراز ہیں:

"ایک ایک چھوٹے ضلع، قصبہ اور گاؤں میں ایک ایک عمّال سید صاحب کی طرف سے مقرر ہُوا تھا۔ وہ بیچارہ جہانداری کیا خاک کر سکتا۔ اُلٹے سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے احکام بیچارے کسانوں پر جاری کرتا تھا اور وہ اُف نہ کر سکتے تھے۔ کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا، شادی بیاہ کرنا سب کچھ اُن پر حرام ہو گیا تھا۔ نہ کوئی منتظم تھا، نہ کوئی دردرس تھا۔ معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ ہو جانا کچھ بات ہی نہ تھا۔ ... ذرا کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں، اُس کے لب کتروا دیے۔ ٹخنوں کے نیچے تہ بند دیکھی، ٹخنہ اڑا دیا۔

تمام ملک پشاور پر آفت چھا رہی تھی۔ انتظامِ سلطنت اُن مسجد کے مُلّانوں کے ہاتھ میں تھا جن کا جلیس سوائے مسجد کے دیوار و رسن کے کبھی کچھ نہ رہا تھا اور اب اُن کو منتظمِ امورِ سلطنت بنا دیا گیا تھا اور پھر غضب یہ تھا کہ اُن پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک اُن کی اپیل اعلیٰ حکام کے آگے پیش کرے۔ اُن ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ جو کچھ اُنھوں نے لکھا ہے اُس میں کوئی بات بھی قابلِ تنسیخ اور ترمیم نہیں ہے۔ کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہوتا تھا اُس کی گھڑی بھر بھی تحقیق نہ کی جاتی تھی۔ نہ اُس پر غور کیا جاتا تھا۔ بس مُلّاں جی کے سامنے گیا اور اُنھوں نے جھٹ سے فیصلہ دے دیا۔ کون جھک جھک کرے اور کون تحقیق کی تکلیف برداشت کرے۔ سید صاحب کی خدمت میں

شکایتوں کی عرضیاں گزر رہی تھیں مگر وہاں کچھ بھی پرسش نہ ہوتی تھی۔" [1]

قارئینِ کرام! گزشتہ سطروں میں ہم نے اِن نام نہاد مجاہدین کے کچھ مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جو کچھ کہا ہے اِن حضرات کی مسلّمہ کتبِ تواریخ سے کہا ہے۔ عبارتوں کو سیاق و سباق سے علیحدہ کرنے یا اپنی جانب سے مفہوم و مطالب کا رنگ بھرنے کی ہرگز کوئی کوشش نہیں کی۔ اِن تمام امور کو غیر جانب دار ہو کر ذہن میں رکھیے اور انصاف کا دامن مضبوطی سے تھام کر اِس ایسے گروہِ مجاہدین کے بارے میں مودودی صاحب کی تحقیق کا نچوڑ ملاحظہ فرمائیے، جو اُنھوں نے اِن لفظوں میں پیش کیا ہے:

"اُن (سید صاحب اینڈ کمپنی) کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا جو تھوڑا سا موقع ملا، اُنھوں نے ٹھیک اُسی طرح کی حکومت قائم کی جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی شوریٰ، وہی عدل، وہی انصاف، وہی حدودِ شرعیہ، وہی مال کو حق کے ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا، وہی مظلوم کی حمایت اگرچہ کمزور ہو اور ظالم کی مخالفت اگرچہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکومت کرنا اور اخلاقِ صالحہ کی بنیاد پر سیاست چلانا، غرض ہر پہلو میں اُنھوں نے اُس حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو صدیق و فاروق نے کی تھی۔" [2]

وہ حضرات اپنے قول و عمل سے خود اپنی تاریخ کی روشنی میں جو کچھ ثابت ہوتے ہیں مودودی صاحب کی تصریح اُس کے سو فیصد خلاف ہے۔ اُس چنگیز خانی کو صدیق و فاروق کی حکمرانی کا نمونہ اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بتانا اُس شخص کا کام تو ہو سکتا ہے جو خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا سے بالکل عاری ہو ورنہ ایک صحیح مسلمان اور صاحبِ عقل و دانش انسان اتنی جسارت ہرگز نہیں کر سکتا کہ حقائق کا دن دہاڑے سرِ بازار منہ چڑانے لگے۔ اگر مودودی صاحب کے پاس اپنی خالص گپّوں کی صداقت کے دلائل و شواہد موجود ہوں تو مرنے سے پہلے اُنھیں وہ ضرور پیش

---

[1] حیاتِ طیبہ: ص ۲۴۲ [2] تجدید و احیائے دین۔ بار ہشتم: ص ۱۰۱، ۱۱۰

کر دینے چاہئیں، تاکہ ایک جانب اُن کے اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی پوزیشن صاف ہوجائے اور دُوسری جانب قارئین بھی یہ یقین کرنے پر مجبور ہوجائیں کہ واقعی مودودی صاحب جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ ایجادِ بندہ نہیں بلکہ تحقیق کے ذریعے بے لاگ تجزیہ کرکے کہتے ہیں:۔

دیکھیے اس بحر کی تہ سے اُچھلتا ہے کیا
گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

راقم الحروف نے علالت کے باوجود یہ چند صفحات خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی مدظلہ العالی کی تصنیف جماعتِ اسلامی کا شیش محل کے لیے بطور دیباچہ لکھتے ہیں، دوسری جانب انہیں ہماری تحقیقی تالیف تحفۂ مودودیت کا خاکہ سمجھنا چاہیے۔ مودودیت کے اور بھی کئی گوشوں پر روشنی ڈالنے کا ارادہ تھا لیکن اس طرح دیباچہ ہی کتاب کی صورت اختیار کرجاتا، لہٰذا اُنھیں نظر انداز کردیا اور تحفۂ مودودیت میں جملہ امور کو تحقیقی طور پر پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ ان شاءَ اللہ تعالیٰ۔

زیرِ نظر کتاب میں راقم الحروف نے یہ جدت پیدا کردی ہے کہ جملہ حوالوں کو حواشی میں نیچے لکھوایا ہے اور اس طرح کرنے سے کتاب میں بعض جگہ چند تعارفی الفاظ کا اپنی جانب سے اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ہمیں مصنف مدظلہ کی اجازت سے کرنا چاہیے تھا لیکن بعض مخصوص حالات کے باعث ہم موصوف سے اجازت حاصل نہ کرسکے، جس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ ان شاءَ اللہ تعالیٰ یہ کتاب حضرت علامہ موصوف کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ اگر اُنھیں کسی لفظ یا عبارت پر اعتراض ہُوا تو اگلے ایڈیشن میں اُسے تبدیل کردیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین

مولانا محمد انوار الاسلام قادری رضوی مدظلہ کی عمر و اقبال میں اللہ تعالیٰ برکت کرامت فرمائے کہ ایسی ہوشربا گرانی کے دور میں بھی کتبِ دینیہ کی اشاعت پر ہمہ وقت کمربستہ رہتے ہیں۔ احقر نے گزشتہ سطور میں اگر کوئی مفید بات لکھی ہے تو اُسے میرے ولی نعمت مرشدِ برحق، مفتیِ اعظم دہلی، شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ) کی نظرِ کرم کا کرشمہ سمجھا جائے۔ جتنی غلطیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں اُنھیں راقم الحروف کی کم علمی پر

محمول کرکے اہلِ علم حضرات اُن سے مکتبۂ حامدیہ کی معرفت مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اُنھیں درست کیا جاسکے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○

خاکپائے علماء: محمد عبدالحکیم خاں مجددی مظہری
المعروف بہ اختر شاہجہانپوری
دارالمصنفین۔ لاہور

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ
۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء



الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ حبیبہ الذی اصطفیٰ

پیش لفظ

شیش محل :- واقعات و حقائق کی ایک ایسی دستاویز ہے۔ جو بجا طور پر جماعت اسلامی کے حق میں ایک لمحہ فکریہ ہے۔ میں نے اس محل کا سارا میٹریل اور بیل بوٹوں کا رنگ و روغن خود انھیں کے مفروضہ حدود مملکت سے حاصل کیا ہے۔ جماعت اسلامی اپنے جس نئے اسٹیٹ کی تاسیس و تعمیر کی داغ بیل ڈالنے کی خاطر ہند و پاک کے سرزمین پر مواد و میٹریل منتشر کر رہی ہے، انھیں میں سے کچھ کو میں نے اکٹھا کر دیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ خود بھی آپ کو یقین و اعتماد کی یہ دولت بخشے گا کہ نہ تو اس میں باہر کی کوئی آمیزش ہے اور نہ ہی ان کی منشا کے خلاف، سیاق و سباق، سے منہ موڑ کر اپنی طرف سے کوئی جدید اضافہ بجز اس کے کہ قارئین کی سہولت کے پیش نظر ان کی عبارات کا کہیں کہیں سرسری جائزہ ہے۔ اگر اس حد تک تشریح قابل قبول ہو تو فبہا ورنہ اسے بھی رد کر دیا جائے گا۔

حکومت الٰہیہ :- خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور اقامت دین کے بلند بانگ نعروں کی ہماہمی میں مودودی صاحب اور جماعت کے بعض دوسرے معتمد افراد نے وقتاً فوقتاً کبھی جو کہا اور لکھا میں نے اس کی ترتیب کا حق ادا کیا ہے۔ اسے حسن اتفاق ہی سمجھئے کہ میری کاوشوں کے نتیجے میں کوئی آہنی قلعہ تو نہ بن سکا۔ البتہ جماعت کا ایک انتہائی نظر فریب "شیش محل" ضرور تیار ہو گیا۔ جس میں وہ بیٹھ کر صحابۂ خلفائے راشدین، ائمہ محدثین و مجتہدین، اہل اللہ اور مجددین پر پتھراؤ کر رہے ہیں۔ اس مقام پر یہ بات قابل غور

ہے۔ اگر مولانا مودودی کا مغربیت ہی سے سانٹھ گانٹھ ہو چکا ہے اور اب نائبین مصطفےٰ کی لمبی عبائیں اور علماء کی مشروع ڈاڑھی انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی، ایسے ہی اہل اللہ اور مشائخ کی زندگی کی سادگی کا وہ بانکپن جو انہیں اپنے اسلاف سے بطور وراثت ملا ہے اب ان کی نظر میں وہ ایک فرسودہ اور گھٹیا درجہ کی وضع قطع اور معمولی درجہ کا رہن سہن ہے دجیسے اب ان کی جماعت بطور تمسخر آثارِ قدیمہ سے تعبیر کرتی ہے) یا اکابر اہل اللہ نے تزکیۂ نفس کے لئے کثرت نوافل اور تسبیح و تہلیل کے ساتھ نفس کشی کی خاطر چلّہ اور مراقبہ جیسی ریاضتیں متعین کی ہیں اب وہ مودودی صاحب کی نظر میں قابلِ استہزاء اور ہنسی ٹھٹھا کی مترادف ہیں۔ پھر آخرش وہ کون سا دباؤ ہے جو انہیں اسلامی لبادہ پہننے پر مجبور کئے ہوا ہے۔ بات بہت ہی واضح اور صاف ہے کہ مودودی صاحب کو تفسیر کے پرانے ذخیروں سے کوئی واسطہ نہیں۔ قرآن کی تفسیر برائے تجارت ہونی چاہئے۔ مگر وہ بھی من مانی، جسے تفسیر بالرائے کہا جائے جو جمہور اسلام کی نظر میں قطعاً حرام ہے مگر انھیں جمہور اسلام کی فکر و پروا ہی کیا۔ چونکہ اسلام کا مزاج اور اسلام کی اسپرٹ جس حد تک مودودی صاحب نے سمجھا نہ اب سے پہلے کسی نے سمجھا اور نہ آئندہ کی توقع (جیساکہ ان کے لٹریچر سے مترشح ہے) اپنے متعلق خوش فہمی کی انتہا یہ ہے کہ جو حدیث ان کی مرضی یا منصوبہ بندی کے خلاف ہوئی۔ اس پر کسی سیر حاصل گفتگو کرنے کے بجائے بس یہ کہہ دینا کافی سمجھا "لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات فرمائی ہوگی"۔ گویا مزاج کو حدیث کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے۔ بلکہ وہی حدیث قابلِ استدلال و استناد سمجھی جائے جو خود مودودی صاحب کے مزاج کے سانچے میں ڈھلی ڈھلائی ہو۔ انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حدیث سے متعلق یہ کتنا خطرناک اندازِ بیان ہے۔ اگر احادیث سے بے اعتنائی کی یہ روش عام کر دی جائے اور جن علماء کا مزاج مودودی صاحب کی ذہنی و فکری آزادی سے ہم آہنگ نہ ہو سکا۔ ان کی طرف سے یونہی ڈھیل دے دی جائے تو خدا کی خدائی میں مولانا مودودی جیسے لاکھوں اہلِ علم و اہلِ قلم بستے ہیں۔ اگر ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ محض ایک ایک حدیث کے بارے میں اس نوعیت کی جرح و تنقید کر کے

گزر جائے خواہ سند و روایت کے لحاظ سے حدیث کتنی ہی باوزن ہو" لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات فرمائی ہوگی"، تو حدیث کا پورا سرمایہ شک اور ارتیاب کی نذر ہو کے رہ جائے گا۔ جسے جماعت محدثین نے اپنی پلکوں سے چن چن کر اکٹھا کیا۔ وا حسرتا! یہ علم و دانش کو منہ چڑھانا نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا ئے قدیر ان اسلاف کی قبروں کو اپنی رحمتوں کا خزینہ بنائے۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی حدیث مبارک کے تجسس و تلاش میں گزاری اور نہ صرف اخذ حدیث ہی تک یہ جد و جہد جاری رہی بلکہ راویان حدیث سے متعلق اس حد تک ضروری معلومات فراہم کی گئیں کہ ان کی سنہ پیدائش، سنہ وفات ایک کی دوسرے سے ملاقات، قوت حافظہ، سلسلہ نسب و اساتذہ، شرف تلمذ اور بعض دوسرے حالات زندگی جن کا روایات حدیث سے گہرا تعلق ہے۔ ان سب کو قلمبند کیا۔ حتیٰ کہ آج تہذیب التہذیب کی متعدد ضخیم جلدوں میں ہزارہا ہزار راویان حدیث کے ضروری حالات قلمبند ہیں۔ جو یقیناً علمائے سلف کا ایک ایسا زریں کارنامہ ہے۔ جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم نہیں پیش کر سکتی۔

آخر ش یہ کیا قیامت ہے؟ احادیث کو فکری تلعب اور ذہنی عیاشی کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کی خاطر اسلاف نے اپنا خون جگر بہا دیا لیکن آج بے لگام شرابی کی طرح ایک بہکا ہوا قلم ہے۔ جو کبھی قرآن کی تفسیر اور مفسرین کو اپنی جودت طبع اور فن خطابت کا اکھاڑہ بناتا ہے اور کبھی فن حدیث اور محدثین کو اپنی جولانگاہ قرار دے کر ان میں کیڑے نکالتا ہے۔ جس کی فکری آزادی اس حد تک متجاوز ہو چکی ہے۔ جو معاذ اللہ کبھی حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ پر چوٹ کستا ہے اور کبھی حضرت فاروق اعظم، حضرت صدیق اکبر کے نقائص اور کمزوریوں کو (بہ گمان خویش) واشگاف کر کے اپنی مجددیت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور جب وہ فقہ اور ائمہ مجتہدین کی طرف رخ کرتا ہے تو کبھی عالمگیری اور ہدایہ و بدائع کا مذاق اڑاتا ہے اور کبھی سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ و دیگر ائمہ مجتہدین کے طریقہ استنباط

واستخراج کا تمسخر کرتا ہے۔ جس طرح ایک بہکا ہوا سیماب صفت مست شرابی جیسے نہ تو کسی چور لسبے پر قرار ہے اور نہ خاموشی سے آشنائی، اسے اپنی دھن میں چلنا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ بڑبڑاتا ہے۔ خواہ نشہ اترنے کے بعد اسے معذرت کرنی پڑے یا اس کی غلط سلط تاویل۔ بس ایسے ہی مودودی صاحب اپنی افتاد طبع سے مجبور ہیں۔ انھیں صفحات بہرحال سیاہ کرنے ہیں، خواہ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کی عزت و حرمت سے کھیلنا پڑے۔ یا عارفان باللہ و بزرگان دین کے طریق ریاضت کو افیون کی گولی اور چنیا بیگم کی نئی اصطلاح کی اختراع سے چنڈو خانے کے ہمنشینوں کی وابستگی کرنی پڑے۔ بہرحال انھیں نئے طرز فکر پر ایک نئے سانچے ڈھانچے کا نیا اسلام پیش کرنا ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے تاوقتیکہ پرانے اسلام کی بھری محفل میں پگڑی نہ اچھال دی جائے اس لئے تفسیر قرآن ومفسرین، احادیث و محدثین، صحابہ و خلفاء راشدین، ائمہ مجتہدین و کتب فقہ اہل اللہ و طریق تصوف، ڈاڑھی و عبا، مہدویت و مجددیت سبھی میں کیڑے نکالنے ہیں۔ تاکہ اسلام کی علامت و شناخت سے لیکر اس کی بنیاد تک متزلزل ہو کے رہ جائے۔ پھر اس کے بعد مغربی طرز پر نئے انداز کا ایک نیا اسلام پیش کر دیا جائے۔ جس اسٹیٹ کے بسنے والے ایسے نام و نہاد مسلمان ہوں گے۔ جن کے دسترخوان اسلاف کی سادگی کے بجائے انگریزوں کے چمچے و کانٹے سے مزین ہوں گے اور ان کی نشستگاہ چٹائی اور فرش کے بجائے کرسی اور ٹیبل سے آراستہ ہوگی۔ حکومت الٰہیہ اور اقامت دین کے نام پر یہ ہوگا۔ جماعت اسلامی کا نام اسٹیٹ "چڑیا خانہ" جہاں خانقاہوں کے بجائے سینما ہال کی بہتات ہوگی۔ جس کا دیکھنا تو ابھی مودودی شریعت میں مباح ہے اور ہو سکتا ہے قیام اسٹیٹ کے بعد مستحسن یا اس سے بھی زائد کا مرتبہ پا جائے۔ البتہ مودودی اسٹیٹ میں تصوف سے گریز اتنا ہی ضروری ہوگا۔ جتنا کہ ذیابیطس کے مریض کو شکر سے۔

ہاں یہ بات تشنۂ تکمیل رہ گئی کہ جب مودودی صاحب کسی نئے اسلام ہی کو پیش

کرنا چاہتے ہیں۔ پھر پرانے اسلام کا لبادہ اتار کیوں نہیں پھینکتے؟ بات اپنی طرف سے کہنے کے بجائے جو خود ان کے تجربے کی ہے، اسے پیش کر دینا کچھ زیادہ مناسب ہوگا۔

"منصب رسالت نمبر" ڈاکٹر عبدالودود اور مودودی صاحب کی ایک خاص مسئلہ میں مراسلت کا ایک مجموعہ ہے جس کے دیباچہ میں مودودی صاحب نے خوارج اور معتزلہ کی ایک مشترک تکنیک کی ایک تاریخی شہادت فراہم کی ہے۔ جسے پڑھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے خوارج اور معتزلہ کی مردہ تکنیک کو زندہ کر کے ان کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔[1] مثلاً

انکار سنت کا فتنہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں اٹھا تھا اور اس کے اٹھانے والے خوارج اور معتزلہ تھے خوارج کو اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسلم معاشرے میں جو انارکی وہ پھیلانا چاہتے تھے۔ اس کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت حائل تھی جس نے اس معاشرے کو ایک ضبط و نظم پر قائم کیا تھا اور اس کی راہ میں حضور کے وہ ارشادات حائل تھے جن کی موجودگی میں خوارج کے انتہا پسندانہ نظریات نہ چل سکتے تھے۔ اس بنا پر انھوں نے احادیث کی صحت میں شک اور سنت کے واجب الاتباع ہونے سے انکار کی دوگونہ پالیسی اختیار کی۔ معتزلہ کو اس کی ضرورت اس لئے لاحق ہوئی کہ عجمی اور یونانی فلسفوں سے پہلا سابقہ پیش آتے ہی اسلامی عقائد اور اصول و احکام کے بارے میں جو شکوک و شبہات ذہنوں میں پیدا ہونے لگے تھے۔ انھیں پوری طرح سمجھنے سے پہلے وہ کسی نہ کسی طرح انھیں حل کر دینا چاہتے تھے۔ خود ان فلسفوں میں ان کو وہ بصیرت حاصل نہ ہوئی تھی کہ ان کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کی صحت و قوت جانچ سکتے۔ انھوں نے ہر اس بات کو جو فلسفے کے نام سے آئی، سراسر عقل کا تقاضا سمجھا اور یہ چاہا

---

[1] ترجمان القرآن جلد ۵۶۔ عدد نمبر ۳ "منصب رسالت نمبر" صفحہ ۹ دیباچہ

کہ اسلام کے عقائد اور اصولوں کی ایسی تعبیر کی جائے جس سے وہ ان نام نہاد عقلی تقاضوں کے مطابق ہو جائیں۔ اس راہ میں پھر وہی حدیث و سنت مانع ہوئی۔ اس لئے انھوں نے بھی خوارج کی طرح حدیث کو مشکوک ٹھہرایا اور سنت کو حجت ماننے سے انکار کیا۔ ان دونوں کی غرض اور ان کی تکنیک مشترک تھی۔ ۱؎

بس جس طرح خوارج اور معتزلہ اپنی تحریک کی کامیابی میں جن جن چیزوں کو سدِ راہ سمجھتے گئے یا ان سے کلیۃً بے اعتنائی برتی یا اپنی مصلحت کے تحت اس کے استخفاف پر اتر آئے تاکہ عوام وخواص ورنہ کم ازکم ان کے متبعین کی نظر میں ان چیزوں کا وزن ہلکا ہو جائے بعینہ وہی انداز فکر وطرز استدلال جماعت اسلامی کا بھی ہے۔ جو مودودی صاحب کا ایک اختراعی نظریہ ہے یا خوارج ومعتزلہ سے مستعار ہے، جسے مجموعی طور پر پوری جماعت نے اپنا لیا ہے۔ حتیٰ کہ اسلامیات سے بے بہرہ حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ جیسی مہمات دین سے بے خبر و ناآشنا، محض اردو کی چند کتابیں یا اردو ادب تک ان کی معلومات کا سرمایہ، لیکن جماعت اسلامی سے متعلق ہوتے ہی فقہی مسائل کا مذاق علما کی تنگ نظری کا چرچا اور اپنے روشن خیالی و اسلامی فلاسفی کا خطبہ ان کی مشغل زندگی بن جاتا ہے۔ واضح رہے یہ ذہن از خود نہیں بنتا بلکہ مودودی لٹریچر کا پس منظر ہے کہ صحابہ کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھو۔ لیکن اردو کی چند کتابوں کا مطالعہ اور معمولی سوجھ بوجھ کے بعد شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی، امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی جیسے عمائد و اکابر پر کھلے بند تنقید کرو۔ البتہ اگر تنقید کا دروازہ کہیں بند ہے تو وہ مولانا مودودی کی عرش نشین بارگاہ ہے۔ جس کی بلندی ان کی اپنی نظر میں انسانی دست رس کے نشانۂ تنقید سے بالاتر ہے۔ چنانچہ یہ ایک عام تجربہ ہے کہ جماعت اسلامی کے وہی افراد جو اسلاف واکابر پر بے محابہ تنقید کا اپنے کو مجاز

۱؎ ترجمان القرآن۔ جلد ۵۶۔ عدد نمبر ۴ "منصب رسالت نمبر"، صفحہ ۹۔ (دیباچہ)

مختار سمجھتے ہیں اور خدا رسیدہ قدسی صفات بزرگوں کی شان میں گھٹیا درجہ کی گفتگو میں وہ اردو ادب کا پورا سرمایہ خرچ کر دیتے ہیں لیکن وہ مودودی صاحب پر کسی بھی حق بجانب تنقید کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، پندار و غرور کا یہی وہ صنم اکبر ہے۔ جس کی پرستش و پوجا میں جماعت کی جماعت سرخمیدہ ہے۔ لیکن اسے اپنی اس پوجا پاٹ کا احساس تک نہیں۔ اگرچہ جماعت اسلامی انھیں کھلے بندوں الٰہ و معبود کہنے سے گریز کرتی ہے۔ لیکن آستانۂ مودودی پر ان کا نیاز مندانہ طرزِ عمل جس خطرناک عقیدے کی غمازی اور پردہ دری کرتا ہے۔ بالکل وہ وہی ہے۔ جو بندے اپنے معبود سے رشتہ قائم کر لینے کے بعد اختیار کرتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں جماعت اسلامی اپنے اس دعوے میں سچی اور انصاف پسند واقع ہے کہ رسولِ خدا کے بعد کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھو، پھر اسی اصول کے تحت وہ حق مجھے بھی ملنا چاہیئے۔ چونکہ میں جماعت اسلامی کے لیڈر مودودی صاحب (جنھیں خود بھی اپنے لئے مولانا نہیں بلکہ لیڈر کا ہی لفظ پسندیدہ ہے" حتیٰ کہ مودودی شریعت کے حضرت مہدی بھی نئی صدی کے نئے طرز کے لیڈر ہوں گے" ملاں ٹائپ کے آثارِ قدیمہ نہ ہوں گے) کو خدا یا نبی نہیں سمجھتا کہ میں انہیں تنقید سے بالاتر سمجھ کر ان پر ایمان لا کے خاموش ہو جاؤں۔ یہ دولتِ ایمان بس ارکانِ جماعت اسلامی ہی کو مبارک ہو۔ جو ان کا اپنا نصیبہ ہے۔ جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ ابتدا ئی مرحلہ میں اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جب ارکان جماعت سے مسکت سوالات کئے جاتے ہیں۔ جواب نہ بننے کی صورت میں راہ فرار کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ اسلامیات پر مولانا مودودی کی جس قدر تصنیفات و تالیفات ہیں کسی اور کی بھی ہیں۔

ذہن اور فکر کو مرعوب بنانے کا یہ ایک ایسا حربہ ہے کہ اکثر مقامات پر ان کا یہ داؤ پیچ ان کے کام آجاتا ہے اور اسی بہانے گلو خلاصی کی ایک راہ نکل آتی ہے۔ لیکن

اہل دانش و حقیقت پسند عناصر پر یہ بات مخفی نہیں کہ کسی بھی جماعت کے امیر و قائد پر سوالات کے جواب کی یہ شکل فی الواقع جواب ہے یا گریز و فرار کی ایک بھونڈی اور بھدی شکل!

خطاء معاف! ناظرین پر یہ بات واضح رہے کہ مودودی شریعت کا نیا لٹریچر ان کے نئے مذہب کی روشن دلیل ہے۔ اس سے زیادہ نہ اس کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی کوئی وزن میں اس حقیقت کا کھلے بندوں اعلان کرتا ہوں کہ مودودی شریعت کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے مضامین سے اہل قرآن کو سہارا ملتی ہے، غیر مقلدیت پنپتی ہے اور اہل حدیث کی بھی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں، کہیں حنفیت مجروح ہوتی ہے اور کہیں شافعیت دم توڑتی ہے۔ غرضیکہ یہ وہ اونٹ ہے۔ جس کا کوئی کل سیدھا نہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر تقریباً ہر مکتبہ فکر کے علمائے مودودی تحریک کے خطرناک نتائج اور زہر آلود انداز خطابت سے اپنے متبعین کو آگاہ کرنے میں مصلحت کوشی کو حائل نہ ہونے دیکر برملا شریعت مودودی کے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے۔ خواہ وہ جماعتیں بجائے خود کتنی ہی گمراہی میں مبتلا ہوں۔ پھر بھی ان کا اپنا ایک متعینہ نظریہ ہے۔ لیکن مودودی لٹریچر اپنے نظری و فکری اضطراب و اختلال کے باعث اردو ادب یا انداز خطابت کا ایک بے روح مجسمہ بن کے رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس کی شہادت میں مودودی شریعت کے چند نادر شاہی فیصلے حاضر کئے جاتے ہیں۔

"میں نہ مسلک اہلحدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔ [1]

یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں۔ ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہئے۔ [2]

---

[1] :۔ رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۸۹ بعنوان "تقلید و عدم تقلید"، [2] حوالہ نمبر ۲ ترجمان القرآن اکتوبر و نومبر ۱۹۵۲ء۔

کیا اب بھی ذہن کے گوشہ میں شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ جسے تفسیر کے پرانے خزانے تہ جا بیٹھیں اور جو حدیث اس کی خود ساختہ شریعت سے میل نہ کھائے۔ اس کے متعلق وہ علی الاعلان یہ کہدے کہ حضور نے ایسی بات نہ کہی ہو گی، اس پر طرفہ تماشا یہ کہ اسے اہلِ حدیث سے اتفاق نہیں اور حنفیت یا شافعیت کا بھی پابند نہیں۔ آخرش وہ اب نئی شریعت گھڑنا چاہتا تو اس کے سوا اس کا نظریہ ہی کیا ہے؟ گویا یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔ جس کا جواب زیر نظر کتاب میں آپ کو تلاش کرنا ہے۔ اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ مودودی صاحب ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فقہی مسائل کا محاکمہ کر کے ایک پانچویں فقہ کی ترتیب دینا چاہتے تھے۔ یہ تو وہی ہوا "حلوائی کی دوکان اور دادا کی فاتحہ" گویا کمائی کسی اور کی اور بٹوارہ آنجناب کے رحم و کرم پر موقوف!

جماعت کی یادداشت میں یہ بات اچھی طرح محفوظ رہے کہ پانچویں فقہ کی ترتیب سے پہلے خود مودودی صاحب کو اپنے منصب اور پوزیشن کی وضاحت کرنی ہو گی۔ آیا وہ کسی امام کے مقلد ہیں یا بجائے خود امام و مجتہد؟ اگر بہ گمان خویش وہ مرتبۂ اجتہاد ہی پر فائز ہیں۔ پھر ڈھکے چھپے نہیں۔ بلکہ اس کا برملا اعلان ہونا چاہئے تاکہ اس کسوٹی پر انھیں جانچا و پرکھا جائے۔ اگر ان پر شانِ اجتہاد ہی کا غلبہ ہے تو جس طرح شریعت مودودی میں سینما مباح ہے اور قرآنِ حکیم کی نص صریح کے خلاف مودودی اسٹیٹ میں چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ ایسے ہی تزکیۂ نفس کے لئے اہل اللہ نے جو طریق کار متعین کیا وہ مودودی شریعت میں افیون کی گولی اور چنیا بیگم! بس اسی طرح اپنی قوتِ اجتہاد سے بقیہ دوسرے مسائل کو بھی مستخرج و مستنبط کر کے پانچویں فقہ کی ترتیب دے کر اپنی جماعت کے سپرد کر دینا چاہئے۔ پھر اس کے بعد یہ تماشا اپنی آنکھوں دیکھا جائے کہ مودودی شریعت کی دو رخی پالیسی پھلتی پھولتی پروان چڑھتی ہے یا

بے گور و کفن اس کا جنازہ پڑا رہتا ہے۔

اختتام گفتگو پر میں اپنے اس تاثر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جماعت اسلامی اپنی قلمی خدمات میں ناآشنائے دین کو دین آشنا تو نہ کر سکی۔ البتہ خانوادۂ اسلام کے وہ بچے ولو جوان جو اپنی فکری آزادی اور مغرب زدہ ہونے کے باوجود پھر بھی سلف صالحین اور صحابۂ کرام و بزرگانِ دین کا اپنے دلوں میں اک گونہ احترام رکھتے تھے، البتہ اب وہ مودودی لٹریچر سے متاثر ہونے کے بعد ان پر برملا زبان طعن دراز کرنے لگے۔ خدا نہ کردہ یہ تحریک عام ہو گئی تو دین سے امان اٹھ جائے گا اور صدیوں کا وہ سرمایہ جسے علماء حق اپنے کلیجے سے لگا کر اس کی صیانت و حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے (معاذ اللہ) وہ محض بازیچہ اطفال بن کے رہ جائے گا!

اگر یہ کوئی المیہ ہے تو جماعت اسلامی کو اپنی پوری نیک نیتی سے اپنی تحریک پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور از سرِ نو اپنے لٹریچر کا جائزہ لے کر قابلِ اصلاح بنانا چاہیئے۔ اگر صحابہ خلفاء راشدین، امام ابو حنیفہ، امام بخاری، غوث الاعظم، خواجہ غریب نواز، مجدد الف ثانی جیسے اکابر مذہب و ملت پیغمبر اور معصوم عن الخطاء نہ تھے تو چودھویں صدی کے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نہ پیغمبر ہیں اور نہ ہی معصوم عن الخطاء بلبشری کمزوریوں کے تحت ہر ہر قدم پر خطا کا امکان ہے اور خطائیں واقع ہوتی ہیں، اس لئے ہوائے نفس کے تحت اسلام کی عزت و آبرو سے کھیلنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی بازپرس سے ڈرنا چاہئے جس کی گرفت بہت ہی سخت اور عذاب بڑا ہی دردناک ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اسلامیات میں اپنی فہم و دانش اور سمجھ بوجھ کا دروازہ بند کر لیں۔ خواہی نخواہی خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں کو رائگاں کر دیں۔ لیکن جس طرح ریل کا انجن خواہ وہ سست رفتار ہو یا برق رفتار اسے چلنا ہے۔ مگر اپنی اسی دو لائن پر جو اس کے لئے متعین ہے۔ گھڑی کے پرزوں کو متحرک ہونا ہے۔ مگر کیس کے اسی حلقے میں جس میں

ان کی ٹمٹماہٹ ہے۔ اس کے باہر وہ صرف پرزے ہیں۔ گھڑی نہیں ہے۔ بس ایسے ہی اسلامیات پر اپنی عقل و دانش کو آزمایئے اور اپنی صحت مند صلاحیتوں کے تحت منقولات کو معقولات کے دوش بدوش کر دیجئے۔ لیکن اس باب میں غور و فکر کا جو دستور و ضابطہ متعین ہے۔ ان حدود سے باہر نہیں ورنہ تباہی و بربادی گو دیپیلائے کھڑی ہو گی۔ بس جس طرح ریل کا انجن پٹڑی سے اتر جانے کے بعد خود اکیلا تباہ نہیں۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک کارواں ہوتا ہے۔ ڈبے چکنا چور ہوتے ہیں۔ کتنے بچے یتیم ہو جاتے ہیں اور کتنوں کا جیتا جاگتا ہنستا بولتا سہاگ لٹ جاتا ہے خون کے دھارے بہہ پڑتے ہیں اور پوری فضا نالہ و شیون سے گونج اٹھتی ہے۔

ایسے ہی دینی امور میں من مانی اجتہاد سے صرف امیر و قائد ہی گمراہ نہیں ہوتا بلکہ قوم کی قوم ضلالت و گمراہی کے عمیق غار میں جا گرتی ہے۔

خوب اچھی طرح واضح رہے کہ اسلاف و اکابر کو برا کہہ کر بڑا بننے کا خواب نہ کبھی شرمندۂ تعبیر ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ زبان وادب کے چٹخاروں سے لذت شناس افراد پر مشتمل ایک ٹولی بن جائے۔ لیکن جماعت اس طرزِ فکر سے ان دلوں میں اپنا گھر نہیں بنا سکتی جن کے دلوں میں اللہ کی خشیت اور محبوبانِ خدا کا صحیح جذبۂ احترام ہے۔ صحابۂ خلفاء راشدین آئمہ مجتہدین اور محدثین اپنے اپنے عصر کے مجددین کل بھی قابلِ احترام تھے اور آج بھی ہیں اور مسلم سوسائٹی میں ہمیشہ واجب الاحترام سمجھے جائیں گے۔ یہ جانتے ہوئے کہ نہ تو وہ نبی تھے اور نہ ہی معصوم عن الخطاء بلکہ حسب ارشاد نبوی "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" الخ وہ اپنی دینی معلومات، علمی بصیرت، قوت اجتہاد، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، اتباع سنت روایت و درایت غرضیکہ نہ وہ صرف ہم سے ممتاز تھے بلکہ ان کا طرزِ فکر و عمل ہم سب کے حق میں مشعل راہ ہے۔ ہم ان

ہیں یا ان کی خدمات میں کیڑے نکال کر یا انھیں تنقید سے بالاتر نہ سمجھ کر ان کی توہین البتہ اپنی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ عمائد اسلام کی خدمات کو سراہتے۔ مگر برا ہوا فریب نفس کا جس میں آپ مبتلا ہو کر ایک قوم کو تباہ کر رہے ہیں۔

اور آپ کی مطلق العنان انشٔ پردازی اغیار کے ہاتھوں زہریں بھی ہوئی، خوں آشام تلوار دے رہی ہے۔ سچ کہا شورش کاشمیری نے کہ

"مودودی صاحب تنہا اپنا چراغ جلانا چاہتے ہیں۔۔۔۔"

"مودودیت پر ایک نظر" کے زیر عنوان ایک مقالہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

مشتاق احمد نظامی

۳۱ر جنوری ۱۹۶۶ء

مودودیت پر ایک نظر

مودودی صاحب کا مبلغ علم

انسان کا زندگی میں ایک متعین مقام ہوتا ہے۔ جہاں رہ کر نہ وہ صرف اپنی شخصیت ہی کو ترقی دے سکتا ہے اور سماج کی بھی خدمت کر سکتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرت کے اس عطیہ کو ٹھکرا کر دوسرے کاموں میں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف کر کے اور اس طرح خود کو" دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" بنا لے۔

مودودی صاحب کو قدرت نے صحافت کے لئے پیدا کیا تھا۔ قدرت کلام، عوامی نفسیات کی نبض شناسی، ایک صحافی کے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں اور قدرت نے انھیں ان میں سے ہر ایک سے بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔ مگر انہوں نے قدرت کے اس گرانمایہ عطیہ کو ٹھکرا دیا اور صحافت کے بجائے سیاست میں پچھلے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی۔ ان کے معتقدین کے وقتی "تاثر نے ان کا ذہنی توازن معطل کر دیا اور وہ بھی "من ہم ہستم" کا خواب دیکھنے لگے۔ ایک صحافی کی زندگی میں سب سے خطرناک وہ مقام ہوتا ہے، جبکہ اس کے عقیدتمند "قارئین اس کی آتش نوائی کو اس کے ذاتی خلوص اور اس کے بلند آہنگ زور خطابت کو اس کی پختگیٔ کردار اس کے بظاہر معقول استدلال کو اس کی اصابت رائے صلاحیت، قیادت اور اس کی سطحی مگر متنوع معلومات کو اس کی ہمہ دانی تبحر علمی کا نتیجہ سمجھ کر کبھی اسے سیاسی لیڈر اور کبھی جامع العلوم ہمہ دان، علامۂ وقت سمجھ کر آسمان پر چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ اور یہیں سے بالعموم اکثر صحافیوں کی صحافیانہ

زندگی میں رجعت قہقری شروع ہوتی ہے۔ عقلمند صحافی ایسے موقع پر "من آنم کہ من دانم" کے اصول پر عمل کرکے اپنے صحیح حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور اپنے عقیدت مند قارئین کی اس مداح سرائی سے فریب نہیں کھاتا!

لیکن مودودی صاحب کے ساتھ دقت یہ ہے کہ ہمیشہ ہی سے اپنے علم و فضل کے متعلق بے انتہا خوش اعتقادی رہی ہے اور وہ ابتدائے عمر سے لیڈر بننے اور "امام الہند" و "قوم مسلم کی خدمت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں سنہ ۱۹۴۰ء کے سیاسی بحران کے زمانے میں مودودی صاحب نے "مسلمان اور سیاسی کشمکش" کتاب لکھی۔ یہ ایک سلسلہ اپنے پرزور شان خطابت کی بنا پر عوام میں بہت مقبول ہوا اگرچہ[1] جو "بیش از حرکت طفلانہ" نہ سمجھا مگر عامۃ الناس کی وقتی مقبولیت سے مودودی صاحب کا توازن ذہنی درہم برہم ہوگیا اور انہیں اپنے متعلق ایک سیاسی مدبر ہونے کی خوش فہمی پیدا ہوگئی۔ سمند ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا۔ اس سے پہلے وہ محض مذہبی مسائل پر قلم فرسائی فرما چکے تھے۔ جن کا بلند آہنگ اسلوب بیان عوام کو مسحور کر چکا تھا۔ حالانکہ ان کی سطحیت اور نامعقولیت کی بنا پر اہل قلم نے کبھی انھیں درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ ان سب چیزوں کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مجتہد، مجدد اور مہدی موعود بننے کے خواب دیکھنے لگے۔ طبقۂ علماء نے اسے بھی مجذوب کی ایک بڑ سمجھی۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس جماعت کے متعلق کہا تھا: "میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا"[2] مولوی عبدالماجد دریابادی نے ان کے تاثرات کو بدیں طور پر نقل کیا ہے۔

---

[1] اگرچہ جو علمی تجویز اس میں پیش کی گئی تھی۔ وہ حقیقت پسندی سے خالی تھی کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اسے "بیش از حرکت طفلانہ" نہ سمجھا۔

[2] اٹھائیس برس قبل جب جبلپور میں مولانا مودودی کے مقالہ پر تاج کے پرنٹر و پبلشر گرفتار ہوئے تو مودودی صاحب تاج کے ایڈیٹر تھے۔ گرفتاری سے بچنے کے لئے لپک کر دلی روانہ ہو گئے۔" ہلال نو۔ بمبئی۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء

حضرت کا ذوقِ سلیم اس زمانے میں اس جماعت کی طرف سے کھٹک گیا تھا اور حضرات کی فراست دینی اسی وقت امیر جماعت کی طرف سے بدگمان ہوگئی تھی حالانکہ اس وقت تک جماعت کی طرف سے ان مفاسد کا ظہور نہیں ہونے پایا تھا جو بعد کو ہوا"۔

بہرکیف تقسیم ہند کے بعد جب غیر معروف شخصیتیں سیاسی اقتدار کے آسمان پر جلوہ گر ہونے لگیں تو مولانا مودودی نے "ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی" کے مصداق تہیہ کر لیا کہ زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کر کے بالآخر حکومت کے مشن پر قابض ہو جائیں۔ لیکن اہل بصیرت کے درمیان مولانا کے سیاسی تدبر کی کوئی وقعت نہ تھی، لہٰذا انہوں نے مذہبی بنیاد پر ایک سیاسی جماعت کی بنا ڈالی۔ جس کا نام جماعت اسلامی ہے۔ حالانکہ یہ جماعت بنانے سے پہلے مودودی صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے کہ مذہبی لائنوں پر مذہبی نام سے کوئی جماعت بنائی جائے۔ اس سے اسلام میں فرقہ بندی زیادہ ہوتی ہے۔ مذہبی لائن پر ایک نئی جماعت کی تاسیس کے لئے ضروری تھا کہ مودودی عوام کے سامنے ایک عالم کا چولا پہنکر تشریف لائیں۔ بدقسمتی سے اس سے پیشتر جو مذہبی مسائل کے متعلق انہوں نے اپنے ناپختہ خیالات کو سپرد قلم کیا تھا۔ بالغ النظر علماء نے تو اسے درخور اعتنا سمجھا۔ لہٰذا وہ ان کی گرفت سے محفوظ رہے۔ ہاں عامۃ الناس میں ان کی بلند آہنگ زور خطابت کی بنا پر انہیں ایک درجہ مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ ویسے بھی مودودی صاحب کو ہمیشہ ہی سے اپنے علم و فضل کے متعلق بے انتہا خوش فہمی رہی ہے۔

غرض حکومت کی مشن پر قابض ہونے کا خیال ان کے ذہن میں اس درجہ راسخ ہو گیا کہ انھوں نے قدرت کے اس گرانمایہ عطیہ کو ٹھکرا دیا اور صحافت کے بجائے سیاست کے میدان میں چور دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی اور اب اپنی اس روش میں وہ کچھ اس قدر بے نقاب ہو چکے ہیں کہ یہ مسئلہ اب ان کے حق میں فکر و نظر کا

مستحق نہیں بلکہ محض ایک بدیہی مسئلہ ہے۔

لیکن اس کا نتیجہ جلد ہی انہیں مل گیا۔ ان کا سیاسی تدبر اہل بصیرت میں مضحکہ خیز بن گیا اور دعویٰ علم وفضل، ڈھول کا پول۔ چنانچہ مفتی کفایت اللہ نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر کیا۔

"مودودی جماعت کے افسر اعلیٰ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کو بھی جانتا ہوں۔ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ صحبت نہیں ہے، اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے تاہم دینی رجحان ضعیف ہے اجتہادی شان نمایاں ہے ...."

مفتی صاحب نے اپنی رائے کے اظہار میں بہت زیادہ احتیاط اور وسعت قلبی کا لحاظ رکھا، حالانکہ مودودی صاحب کی علمیت اس سے کہیں زائد کڑی تنقید کی مستحق ہے۔ "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ایک امر قلمبند کیا جا رہا ہے۔

ناواقفیت حدیث

اس رائے کا سب سے بڑا ثبوت تو ان کی ناواقفیت حدیث ہے، جو مایوس کن حد تک پہنچتی ہے۔ جو حدیث کے متعلق ان کی بے اعتنائی کا باعث ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں۔

"قرآن وسنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔" [1]

محدثین نے "اسماء الرجال" کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلاشبہ بیش قیمت ہے مگر انہیں کون سی چیز ہے۔ جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ [2]

ظاہر ہے یہ اسی قسم کے خیالات ہیں۔ جن پر انکار حدیث کا صحیح معنوں میں اطلاق ہو سکتا ہے اور اگر استخفاف شریعت نہیں تو پھر استخفاف شریعت کسے کہتے ہیں؟

---

[1] تنقیحات صـ۱۲۳ ‌ | [2] تنقیحات صـ۲۱۲

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر حدیث رسول جو وحی غیر متلو کا مصداق اور دین متین کا رکن رکین ہے۔ اس سے یہ ملحدانہ بے نیازی کیوں؟ اس کے جواب کے سلسلہ میں ہمیں فطرت انسانی کے اس اصول کو نہیں بھولنا چاہئیے کہ آدمی جس چیز میں اپنی کمزوری محسوس کرتا ہے۔ ہمیشہ اس کے استخفاف پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ عام کلیہ ہے اور مودودی صاحب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مفتی کفایت اللہ کی رائے اوپر نقل ہو چکی کہ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔

ممکن ہے۔ مودودی حضرات مفتی صاحب کی اس رائے کو تعصب پہ محمول فرمائیں لیکن یہ واقعہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ انہوں نے درسیات تک باقاعدہ نہیں پڑھیں۔ اوائل عمر ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا جس کی بنا پر رسمی تعلیم کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ البتہ مشہور ہے کہ غیر رسمی طور پر آپ کی علمی رہنمائی مولانا عبد السلام نیازی نے کی۔ جو رام پور کے مشہور معقولی تھے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

(۱) اسلام کو سمجھنے کے لئے ان کی درسی تعلیم اتنی بھی نہیں ہوئی جو ایک معمولی عربی طالب علم کی ہوا کرتی ہے۔

(۲) مولانا عبد السلام نیازی معقولی تھے اور جن لوگوں نے حسب استطاعت ان سے فیض حاصل کیا۔ وہ صرف فلسفہ و حکمت ہی میں کیا۔ کم ہی لوگوں نے دیگر فنون کی کتابیں ان سے پڑھی ہوں گی۔

(۳) مولانا عبد السلام نیازی کے تعلق نیز مودودی صاحب کے سلجھے ہوئے اسلوب بیان سے بعض حضرات کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ مودودی صاحب قرآن و حدیث، فقہ، اصول فقہ اور علوم ادبیہ میں تو نہیں، ہاں فلسفہ و کلام میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ خود مودودی صاحب کو اپنے متعلق فقیہہ و متکلم ہونے کی خوش اعتمادی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"فقہ و کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے۔ جس کو میں

نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے۔"

لیکن بالغ نظر حضرات جانتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں سوائے ظاہری منطقیت کے جو ایک دلنشین انداز صحافت کا دوسرا نام ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں۔ جو ان کا فلسفہ دانی یا واقفیت علم کلام کی غمازی کرتی ہو۔ وہی وہ چیز جسے کلام میں اپنا ایک خاص مسلک بتاتے ہیں اور جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ "میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے۔" اس کی حقیقت محض اتنی ہے کہ وہ ان کے ذہنی مرعوبیت اور یورپین علماء کے اقوال سے علمی مغلوبیت نیز بلند بانگ دعوی تردید مغربیت کے درمیان ایک بھونڈا مجموعہ ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھیں غیر مسلموں کے بعض ایسے اعتراضات سے دوچار ہونا پڑا جسے معترضین نے تاریخی واقعات سے مؤید کر کے قرین قیاس بنا دیا تھا[1] اور ادھر کیفیت یہ تھی کہ مودودی صاحب کا مطالعۂ تاریخ بہت سطحی تھا۔

ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اعتراضات پر اپنی عاجزانہ خاموشی سے مہر توثیق ثبت فرمادی اور ان سے بچنے کے لئے انھوں نے اسلام کی بعض اصولی تعلیمات سے انکار کر دیا۔ چنانچہ "تجدید و احیاء دین" میں فرمایا۔

"اسلامی اصطلاح میں جس کو فرشتہ کہتے ہیں وہ تقریباً وہی چیز ہے جس کو یونان و ہندوستان وغیرہ ممالک کے مشرکین نے دیوی اور دیوتا قرار دیا ہے۔"

پھر "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں لکھتے ہیں۔

"یہی فرشتے دوسرے مشرک قوموں میں دیوتا قرار دیئے گئے تھے۔"

قارئین کرام یہ ہے مودودی صاحب کا مسائل کلامیہ میں ایک خاص مسلک

ع ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہئے

جب علوم فقہیہ کلامیہ میں مودودی صاحب کی تبحر علمی کا یہ عالم ہے تو علم الحدیث

---

[1] مثلاً پادری فنڈل وغیرہ کے یہ اعتراضات کہ اسلام کی بعض اصولی تعلیمات دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا انتخابی انداز میں خوشہ چینی کا نتیجہ ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کا تصور پارسیوں کے تخیل سے ماخوذ ہے ۱۲ منہ

بس ان کا مرتبہ و مقام ظاہر ہے۔ ان کی حدیث دانی کا یہ عالم ہے کہ ایک مستقل تصنیف سوا سو صفحے کی "تجدید و احیاء دین" کے نام سے لکھ ڈالی۔ لیکن نفس تجدید و احیاء دین کی مشروعیت کے متعلق ایک حدیث بھی نہ لکھ سکے۔ بلکہ پوری کتاب میں ایک عدد حدیث نقل کی ہے اور وہ بھی حاشیہ میں، پھر یہ حدیث بھی کسی کتاب سے نہیں لی کیونکہ مولانا کو ہوا پرستی اور تلب بالدین سے اتنی فرصت کہاں جو کتب احادیث کے مطالعہ میں دماغ سوزی کر سکیں نہ کسی جرم میں ماخوذ کہ اس کی بریت کے لئے اگلے پچھلے محدثین کے اقوال جمع کر سکیں[اے] بہر کیف مولانا نے یہ حدیث مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب "منصب امامت" سے نقل کی ہے۔ جنھوں نے اسے "شاطبی" کے "موافقات" سے لیا ہے۔

یہ ہے مولانا مودودی کی حدیث دانی اور اعتناء بالحدیث، یہاں پر مودودی صاحب اور ان کے وکلاء سے صرف ایک ہی سوال ہے۔ جس کی تفصیلی تنقیح ان کی حدیث دانی اور عدم اعتناء بالحدیث کو بے نقاب کر دے گی۔

مودودی صاحب نے "تجدید و احیاء دین" کے عنوان سے سوا سو صفحے کی ایک مستقل کتاب لکھ ڈالی۔

سوال یہ ہے :۔

(۱) نفس تجدید و احیاء دین امر مشروع ہے یا غیر مشروع؟

(۲) اگر غیر مشروع ہے تو اس فعل غیر مشروع کو کیا کہئے؟ تجدید و احیاء دین کا دعویٰ اور غیر مشروع فعل کا ارتکاب۔ "دلسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست"

اے۔ مودودی صاحب جو کل تک حدیث و تفسیر کے پرانے ذخیروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور جو متاخرین کی آمیزشوں کو نظر استحقار دیکھتے تھے۔ جب ہزارہا مسلمانوں کا گلا کٹوانے کے جرم پہ مارشل لا کے شکنجے میں پھنسے تو پھر انہیں پرانے ذخیروں سے اپنی برأت کے لئے مواد فراہم کرنے پر مجبور ہوئے تو متاخرین کی آمیزشوں سے خوشہ چینی کرنے لگے ۔ یہ ہے "آسمان کا تھوکا ..." ، "تفصیل کے لئے دیکھئے "دعوت" دہلی جلد۔ شمارہ از تا

(۳) اگر غیر مشروع ہے تو شریعت میں اس کی اصل ہے یا نہیں؟

(۴) اگر شریعت میں اس کی اصل ہے تو کیا ہے؟

(۵) اگر نہیں ہے تو یہ احداث فی الدین اور بدعت کا مصداق ہے یا احیائے دین یا فساد فی الدین؟

(۶) آیا وہ مودودی صاحب کو معلوم تھی یا نہیں؟

(۷) اگر مولانا کو تجدید و احیاء دین کی اصل شرعی معلوم تھی تو پھر کس بنا پر اسے ان کے پندار علمی نے درخور اعتناء نہ سمجھا۔ اس نخوت و پندار کو آپ کیا کہیں گے؟ عدم اعتناء بالحدیث، استخفاف سنت یا تفریق بین اللہ و رسولہ؟

(۸) اگر مولانا کو تجدید و احیاء دین کی اصل شرعی معلوم نہ تھی تو مولانا کی تبحر علمی اور وسعت مطالعہ ظاہر ہے اور اس کے بعد انہیں دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کے اصول پر ایک نئے اجتماعی نظام اور ایک نئی تہذیب کی تعمیر کا پروگرام لے کر اٹھے ہیں یہ ہیں تجدید و احیاء دین کے مدعی جو اصولی تعلیمات سے مایوس کن حد تک ناآشنا ہیں اور پھر دعویٰ ہے کہ سو فی صدی اسلامی تہذیب کی بنا استوار کریں گے۔ مسئلہ کی جس قدر ممکنہ شقوق ہو سکتی تھیں۔ قلمبند کی گئیں۔ اس شقوق میں سے کسی نہ کسی کا جواب اثبات میں دینا ہوگا اور جواب کی قباحت ظاہر ہے۔

یا تو مولانا نے قصداً اصل شرعی کو اپنی بے لگام انشاء پردازی میں سدِ راہ سمجھ کر درخور اعتنا نہ سمجھا اور اس طرح استخفاف شریعت کے جرم قبیح کا ارتکاب کیا یا پھر مولانا کو دورۂ حدیث کا رسماً یا غیر رسمی طور پر موقع ہی نہیں ملا۔ حالانکہ کوئی طالب علم بھی اس دورے کے پڑھنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ امر ان کی ناواقفیت حدیث کا شاہد عدل اور ان کے مبلغ علم کی پستی کا روشن ثبوت ہے۔

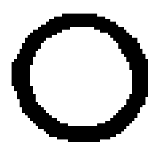
اس مسئلہ کے واضح ہو جانے کے بعد مودودی احباب کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کر لینا چاہئے کہ وہ کس مجتہد العصر کی تقلید کر رہے ہیں۔ کتاب و سنت سے جس شخص کی ناواقفیت اور بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ اس کی دعوت دین دعوت حقہ

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

جناب کوثر نیازی مدیر ہفت روزہ "شہاب" لاہور کا جماعت اسلامی سے استعفیٰ نامہ جس کی ایک ایک سطر مقامِ عبرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے پڑھ کر جماعت کے پوست کندہ حالات سے واقفیت حاصل کیجئے۔

سچ ہے اسے پڑھ کر دلوں کی دنیا بدل جائے گی اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور آپ اس کا صحیح اندازہ کر سکیں گے کہ "حکومت الٰہیہ" اور اقامت دین" کے پردے میں کیسا ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔

استعفیٰ نامہ سے پہلے مودودی صاحب سے متعلق ڈاکٹر عبدالودود کی ایک رائے میں نے پیش کر دی ہے جو "منصب رسالت نمبر" سے ماخوذ ہے۔ پہلے اسے پڑھیئے۔ بعد میں کوثر نیازی صاحب کا خط اور استعفیٰ نامہ!



ڈاکٹر عبدالودود کی رائے

مودودی صاحب نے بحث کے دوران ڈاکٹر صاحب سے پوچھا:

آخر وہ کون سا بت ہے[1] جس کے آگے جھکنے کے لئے کہا گیا تھا اور کس شخصیت پرستی کی آپ کو دعوت دی گئی تھی۔[2]

ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا۔

اس بت کی تلاش میں آپ کو کسی مندر میں جانے کی ضرورت نہیں وہ بت آپ خود ہی ہیں۔ آپ کی زبان اور قلم سے جو کچھ نکل جائے اسے آپ خدا اور رسول کا فرمان قرار دیتے ہیں۔ اس کے سامنے جھکنا حق کے سامنے جھکنا ہے اور آپ کے نزدیک اس سے انحراف خدا اور رسول سے انحراف کے مترادف ہے جو آپ سے اختلاف کرے۔ اس کے خلاف آپ اور آپ کے حاشیہ بردار جو کچھ کرتے ہیں ایک دنیا اس کی شاہد ہے حتیٰ کہ جو لوگ برسوں تک آپ کے معتقد رہے اور اس کے بعد ان بے چاروں نے آپ کی کسی بات سے اختلاف کیا تو آپ حضرات نے جو کچھ ان کے خلاف کیا۔ وہ بھی سب پر عیاں ہے۔ یہی وہ آپ کا بت ہے جس کے سامنے جھکنے کے لئے آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں اور میرے نہ جھکنے پر مجھے خدا اور اس کے رسول سے منحرف ہو جانے کے جرم عظیم کا مرتکب قرار

---

(۱) بت کی منطقی بحث سے سروکار نہیں مقصود وہ تاثر ہے جو ڈاکٹر عبدالودود نے قبول کیا ہے

(۲) ترجمان القرآن جلد ۵۶، عدد ۶، منصب رسالت نمبر ص ۱۲۶ (۳) ترجمان القرآن دسمبر ۶۲ء ص ۱۶۶

رہے رہے ہیں)۔

اے کاش کہ آپ کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کی اس روش نے سنجیدہ طبقے کی نگاہوں میں آپ کا وقار کس قدر کھو دیا ہے۔ آپ نے میرے خطوط میں سے بعض کتابت کی غلطیوں کو اچھال کر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں قرآنی آیات کا صحیح املاء تک نہیں جانتا۔ مجھے اپنی علمی حدود کا اچھی طرح سے علم ہے۔ لیکن ذرا سوچئے کہ آپ نے جو بات کہی ہے، وہ کس قدر گھٹیا درجہ کی ہے۔ میرے خطوط کی کتابت کسی اور صاحب نے کی تھی۔ کتابت میں عام طور پر جو غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اس کا کسے علم نہیں۔ مجھے اگر آپ کی اس ذہنیت کا پتہ ہوتا تو میں ان آیات کو خود چیک کر لیتا۔ اس کا تو آپ کو بھی تجربہ ہوگا کہ آپ کی اپنی علمیت اور احتیاط کے باوجود آپ کی کتابوں میں کتابت کی کتنی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ کیا ان غلطیوں کی بنا پر آپ کو جاہل قرار دے دیا جائے مجھے افسوس یہ ہے کہ مجھے تمہید میں یہ کچھ لکھنا پڑا۔ لیکن اس سے بھی میرا مقصد یہ ہے کہ شاید اس سے آپ اپنی اصلاح فرما سکیں۔ اپنے عقیدت مندوں کے حلقہ میں رہنے والوں کی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ ان میں سے انھیں کوئی یہ بھی بتانے کی جرأت نہیں کرتا کہ "کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا" اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی غیر جانبدار آگے بڑھ کر ان کے سامنے آئینہ رکھ دے۔ جس میں انہیں اپنے حقیقی خدوخال نظر آجائیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس حبشی کی طرح جس نے آئینہ میں اپنے بھیانک خدوخال دیکھ کر آئینہ کو پتھر دے مارا تھا۔ اس انکشاف حقیقت سے گالیوں پر اتر آئے۔ [1]

---

(۱) ڈاکٹر عبدالودود

نوٹ - بات آہی گئی ہے تو اسی ضمن میں مودودی صاحب سے متعلق ڈاکٹر عبدالودود کی ایک اور جچی تلی رائے ملاحظہ کیجئے۔ پھر اس کے بعد مودودی صاحب کے دیرینہ رفیق کار جناب کوثر نیازی مدیر ہفت روزہ "شہاب" کا استعفیٰ پڑھ کر جماعت اسلامی کی فریب خوردگی اور فریب دہندگی کا اندازہ کیجئے۔ ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے یہ بھی لکھا تھا:-

آپ نے اس کے جواب میں اپنی ہمہ دانی اور مستفسر کی جہالت کے متعلق بیسیوں صفحات سیاہ کر ڈالے۔ لیکن ان سوالات کے متعلق جو کچھ کہا وہ اس سے زیادہ کیا ہے کہ ان کا جواب آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس پر مجھے بے ساختہ اس لال بجھکڑ کی بات یاد آ رہی ہے کہ جس کے گاؤں سے ایک دفعہ ایک ہاتھی گزرا۔ اس کے عقیدت مندوں کا حلقہ اس کے گرد جمع ہو گیا اور اس سے پوچھا یہ کیا تھا جو گزرا؟ یہ سن کر لال بجھکڑ صاحب زار و قطار رونے لگے، انھیں دیکھ کر عقیدتمند بھی آنسو بہانے لگے۔ جب کچھ سکون ہوا تو انھوں نے پوچھا کہ حضور آپ کے رونے کا باعث کیا تھا۔ انھوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ مجھے رونا اس بات پر آ گیا کہ اب تو تمھاری یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی مشکل بات سامنے آ گئی آپ لوگ دوڑ کر میرے پاس آ گئے اور اطمینان کر لیا۔ کل جب میں نہیں ہوں گا تو تمھیں یہ باتیں، کون بتایا کرے گا۔ اس پر عقیدت مندوں کا حلقہ پھر رونے لگ گیا سکون ہونے پر انھوں نے پوچھا کہ حضرت! اب فرمائیے کہ یہ کیا تھا جو گزرا؟ لال بجھکڑ صاحب نے جواباً فرمایا کہ اس کا تو مجھے بھی علم نہیں کہ یہ کیا تھا...... آپ میں اور اس لال بجھکڑ میں فرق یہ ہے کہ اس

میں اپنی لاعلمی کے اعتراف کی جرأت تھی ۔ لیکن آپ اسے طومار نویسی کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ عقیدتمندوں کے حلقے میں آپ کا بھرم قائم رہے ......" لے

نوٹ ۔ اب جماعت اسلامی کے ایک سرگرم کارکن جسے جماعت کا سترہ سالہ تجربہ ہے یعنی جناب کوثر نیازی مدیر ہفت روزہ "شہاب" لاہور کا استعفیٰ نامہ پڑھیئے ۔ جسے صاحبزادہ محدث اعظم ہند عزت مآب سید حسن مثنیٰ میاں ایم ۔ اے علیگ نے اپنی کتاب "دستور جماعت اسلامی ہند کا تنقیدی جائزہ" لے میں شائع کر کے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگا دیا ہے ، مجھے یقین ہے ، جس دل میں رائی کے دانہ برابر ایمان وانصاف ہوگا وہ کوثر نیازی کا خط واستعفیٰ نامہ پڑھنے کے بعد جماعت اسلامی سے ایسے ہی بھاگ نکلیں گے کہ جیسے تیر کمان سے ، خدا قدیر بدایت کے لئے دلوں کا دروازہ کھول دے ، آمین ۔ میں نے اپنی طرف سے صرف سرخی کا اضافہ کر دیا ہے ۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

اس سلسلے میں پرانے واقعات کو تو جانے دیجئے ۔ ابھی گذشتہ مہینہ کی بات ہے ، کہ جناب کوثر نیازی صاحب نے جو پاکستانی جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے رکن رہ چکے ہیں اور حلقۂ لاہور کے امیر وقیم بھی اور ہفتہ وار "شہاب" کے مالک و مدیر بھی ہیں ۔ مذکورہ جماعت سے اپنے مستعفی ہونے کا اظہار واعلان جن دردناک اور روح فرسا لفظوں میں کیا ہے ۔ وہ جماعت اسلامی (خواہ پاکستان کی ہو یا ہندوستان اس کے لئے بنیادی اصول ونظریہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی

لے ڈاکٹر عبدالودود سے ناظرین شیش محل سے گذارش ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں

پتہ : ۔ محدث اعظم اکیڈیمی ، کچھوچھہ شریف ، ضلع فیض آباد ۔ سے دستور جماعت اسلامی ہند کا تنقیدی جائزہ ، صفحہ ۵

فرق نہیں) کے لئے مزید تازیانۂ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوثر نیازی کا وُہ طویل خط جو انھوں نے ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو امیر جماعت جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نام ارسال کیا تھا اور جس کا قدرتی انجام ایک طویل استعفیٰ نامہ کی شکل میں رونما ہوا، ان دونوں کو اردو کے موقر اخبار "قومی آواز" لکھنو نے شائع کر دیا ہے۔ ذیل میں کوثر نیازی صاحب کے طویل خط اور طویل استعفیٰ نامہ دونوں معمولی انتخاب کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں ـــــــــ (سید حسن مثنیٰ)

جناب کوثر نیازی صاحب نے ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء والے خط میں تحریر کیا تھا

.... جماعت نے صدارتی انتخاب میں اپنے سابقہ موقف کو چھوڑ کر محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کو دینِ اسلام کا تقاضا اور جہاد قرار دیدیا۔ آپ باہر تشریف لے آئے اور جماعت کی پوری طاقت کو آپ نے اس انتخابی مہم میں جھونک ...... اس کے خطرناک نتائج و عواقب کارکنان جماعت میں بڑھتی ہوئی مایوسی، اضمحلال اور جمود کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں ...... جن تصورات کے تحت میں جماعتِ اسلامی میں شامل ہوا تھا۔ آج وہ تصورات نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور اپنی ذاتی اصلاح و تکمیل کا جو مقصد مجھے جماعت میں لایا تھا۔ جماعت کی پالیسی اور طرزِ عمل نے دوسرے ارکان کی طرح مجھے اس مقصد سے محروم ہی نہیں۔ بلکہ بہت دور پھینک دیا ہے .... صدارتی انتخاب کی مہم کے دوران .... عاملہ نے اس سلسلے میں جو قرارداد منظور کی تھی۔ میں اس پر مسلسل غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس سے جماعت ایک ایسے راستہ پر ڈال دی

گئی ہے۔ جو دینی اعتبار سے سخت ودغلے پن (مجھے اس سخت لفظ کے لئے معاف فرمائیے) بلکہ نفاق کا راستہ ہے اور سیاسی حیثیت سے فہم و فراست اور حکمت و دانش کے پہلو سے ہمارے دیوالیہ ہو جانے کا اعلان عام ہے.......... اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ دوسری بہت سی اصولی غلطیوں کے علاوہ ہم نے عورت کی صدارت کے مسئلے میں جو روش اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جو سزا ملے گی۔ اس کا مسئلہ تو الگ ہے۔ اس دنیا میں بھی اندرون و بیرون ملک ہماری دینی حیثیت ختم ہو چکی ہے.......... اس کے لئے ہم نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے اور حرمتوں کی ابدی اور غیر ابدی تقسیم کا جو نیا طریقہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے۔ دوسرے غیر جانبدار عناصر حتیٰ کہ اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں......

......آپ اجازت دیں تو تحریر کروں کہ حرمتوں میں ابدی اور غیر ابدی تقسیم مان لینے کے بعد ہمارا مؤقف منکرین حدیث کے گمراہ کن نظریئے سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے.......... اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جماعتی پالیسی کی جبریت کے تحت میں خود آپ کے اس نظریہ کا دفاع کرنے والوں میں شامل رہا ہوں مگر اس کے باوجود اس نظریہ کی صحت مجھ پہ واضح نہیں ہو سکی.......... میں بہت گنہگار ہوں میری پوری زندگی کے گناہ ایک طرف اور یہ اکیلا گناہ دوسری طرف کہ میں نے جس بات کو شرعاً درست نہیں سمجھا تھا۔ صرف جماعتی قواعد و ضوابط کی وجہ سے اس معصیت پر مجبور ہو گیا کہ اب اس کی

نمائندگی کروں؟ اللہ میرے اس جرم کو معاف فرمائے۔ ورنہ ڈرتا ہوں کہ کہیں اس جرم کی وجہ سے میرا دل رہے سہے ایمان ہی سے محروم نہ ہو جائے۔ .... میری رائے یہ ہے کہ اب ہماری محبوب جماعت اسلامی ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہے۔ .... ہم نے امیدواری کو حرام قرار دیا۔ اس کے لیے صحابہ تک کی کسی جلیل القدر شخصیت میں امیدواری کا کوئی پہلو ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے اپنی اجتہادی رائے کو نص کا درجہ دیکر اس پر تنقید کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ مگر اب ہم اپوزیشن کے ساتھ مل کر امیدواروں سے خود درخواستیں طلب کر رہے۔ ہم نے کہا کہ صالح نمائندہ پنچایتی سسٹم سے آنے چاہیے۔ جس جماعت یا گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ پھر ہم نے صالح نمائندوں کو جماعت کے دائرے میں مخصوص کر دیا۔ پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے۔ اب محاذ کے ساتھ شریک ہو کر غیر صالحین کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں۔ ہم نوٹ پر قائداعظمؒ کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے۔ صدارتی انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے ان کی بہن کے دو چہرے گلی گلی فروخت کئے۔ پہلے ہم نے صدارتی سے بھی بڑھ کر امامتی تصور خلافت پیش کیا تھا۔ اب ہم پارلیمانی نظام جمہوریت کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم اسمبلیوں میں ارکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے بعد میں ہم نے خود اس پر عمل کیا۔ پہلے ہم مخلوط جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور ان میں تقریریں کرتے ہیں۔ پہلے ہم تمام ملک کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ

پارٹیوں کے ساتھ ملانا غلط سمجھتے تھے۔ اب علماء کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے محاذ کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں۔ پہلے ہم خواتین کو ووٹ کا حق دینے میں راضی نہ تھے اب ان کی صدارت کے لیے کوشش کرتے ہیں، پہلے ہم "اپوا" کے زبردست ناقد تھے۔ اب انھیں کا ایک حصہ متحدہ حزب اختلاف کی خواتین کمیٹی کی صورت میں منظم ہوا ہے تو ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب فرماتی ہیں پہلے ہم طلباء کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے روکتے تھے، اب ان سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی اپیلیں کرتے ہیں۔ پہلے ہم جلسوں اور نعروں کو غیر اسلامی کہتے تھے: اب غلافِ کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے رہنماؤں کے لیے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ پہلے ہم ان انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدمات لے جانا بڑا گناہ سمجھتے تھے اور ان ہی عدالتوں کو ہم عدل وانصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رکن سمجھتے تھے۔ اب ان ہی کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں...... ...... یقین مانئے انتہائی دکھ کے ساتھ میں نے جماعتی تاریخ کی طرف یہ اشارہ کئے ہیں.......

ان مظاہروں کے بعد اپنے ارکان کے سوا کون ہمارے دینی فکر پر بھروسہ کرے گا..... ....جس جماعت کی......... یہ صورتحال ہو۔ جس کی قیادت اوّل سے آخر تک تنخواہ دار ہو۔ جس میں اظہار رائے پر قدغن ہو۔ جس میں مٹھی بھر لوگ ووٹ کا حق رکھتے ہوں۔ جس میں آپ کی پیش کردہ علمی اور دینی آراء سے اختلاف کرنا جماعت کی مخالفت کرنے کے مترادف ہو۔ اس میں ایسا آدمی کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ جو خود سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، ایسا شخص تفصیلات معلوم کئے بغیر شامل ہو بھی جائے تو وہ یہاں پنپ نہیں سکے گا....

.... جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جماعت کی اخلاقی حالت (میں اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار نہیں دوں گا) انتہائی حد تک زوال پذیر ہو چکی ہے اور......... حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں تو میری مایوسی اور شدید ہو جاتی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں کئی مرتبہ آپ کو توجہ دلائی ہے اور مجھے یاد ہے ہر بار آپ دل گرفتہ ہو کر سر تھام کر بیٹھ جاتے تھے اور اعتراف کر لیتے تھے کہ یہ سب کچھ آپ کو معلوم ہے مگر آپ کچھ نہیں کر سکتے اسم، اکتوبر ۱۹۶۳ء کو اپنے منصب سے مستعفی ہوتے وقت میں نے تحریری طور پر عرض کیا تھا کہ......... احیاء دین کا کام کرنے کے لیے جو کم سے کم ضروری صفات ہم میں ہونی چاہئیں۔ ہماری عملی زندگی ان کی شہادت نہیں دیتی۔ جماعت کے دروبست پر قابض بھاری بھاری مشاہرے لینے والے ہمارے بعض رہنما ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے، الزامات عائد کرنے اور چغلی اور غیبت کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ بعضوں کی بول چال تک آپس میں بند ہے......... مجھے یقین ہے کہ "گیلانی برادران" اور "کراچی گروپ" وغیرہ کی افسوسناک اصطلاحیں آپ کے کانوں کے لئے بھی اجنبی نہیں ہوں گی۔ اختلاف رائے کو برداشت نہیں کیا جاتا......... ہاں میں ہاں ملانے والے علم دین سے کورے اور عربی زبان سے بالکل نابلد افراد کو جماعت کی صف اوّل میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے......... ہماری تنظیم ملتی رجحانات ہمارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں اور اس وقت لوگ اگر ہمارے باہمی تعاون اور تعلقات کے مداح ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کی طرح ہمارے اندرونی حالات خوش قسمتی سے اخبارات میں شائع نہیں ہوتے......... جماعت میں باہمی عداوتیں ترقی پر ہیں۔ لیکن دین کے معاملات میں کارکن تو ایک طرف رہے،

ہمارے رہنما تک افسوسناک کردار رکھتے ہیں۔ امانتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ عشرہ اور زکوٰۃ کی رقوم سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقت کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جا رہی ہیں۔ رائج الوقت سیاسی بحثیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خدا اور رسول کا تذکرہ بھی برائے بیت رہ گیا ہے۔ عبادات میں ہم سخت تساہلی کا شکار ہیں اور شاید یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے۔ جس میں عبادات کو مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے .... میرا خط طویل ہو گیا۔ اس میں بعض تکلیف دہ باتیں بھی یقیناً ہوں گی اور آپ ہمیشہ مجھ پر جو شفقت فرماتے رہے ہیں۔ اس کے پیش نظر اتنی جرأت بھی مجھ کو جسارت نظر آتی ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ سب کچھ معاندانہ جذبے سے نہیں ایک حقیقی بہی خواہ اور ہمدرد کے جذبے سے سپرد قلم کیا ہے .... جماعت سے میرا پندرہ سولہ سالہ تعلق مجبور کرتا ہے کہ میں آپ کے دوسرے مشیروں کی طرح محض "سب اچھا" رپورٹ آپ کے سامنے پیش نہ کروں۔ بلکہ پوست کندہ حقائق پر آپ کو غور و فکر کی دعوت دوں۔ اب کیا ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔"[۱]

موصوف نے مزید یوں وضاحت کی ہے :۔

کوثر نیازی صاحب نے اس خط میں یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ مذکورہ بالا مسائل پر غور و فکر کے لئے کل پاکستان جماعت اسلامی کے ارکان کا اجتماع طلب کیا جائے۔ لیکن امیر جماعت جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے نہ صرف یہ کہ ان کی تجویز کو مسترد کر دیا۔ بلکہ انھیں جماعت سے

[۱] قومی آواز، لکھنؤ، یکم مارچ ۱۹۶۵ء۔

استعفیٰ دینے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی ساتھ اس امر کا خدشہ ظاہر کیا کہ اس تنقید کے پیچھے "دوسرے محرکات" ہیں۔ [1]

امیر جماعت کا ہدایت نامہ موصول ہوتے ہی کوثر نیازی صاحب نے ۱۹ فروری ۱۹۶۵ء کو اپنا استعفیٰ نامہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا اور اس طرح جناب کوثر نیازی صاحب نے بالآخر وہ تاریخی دستاویز مرتب کر دی جو نام نہاد جماعت اسلامی کی زبوں حالی، اخلاقی زوال، دستوری اختلال، ابن الوقتی، کردار کی پستی اور اقامت دین کے نام پر سیاسی منصوبہ بندی کی آئینہ دار ہے۔ استعفےٰ کے متن کا ہر لفظ ماتم وگریہ اور عبرت کا طوفان لئے ہوئے ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"آپ کی طرف سے میرے خط مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کا جواب موصول ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنے خط کے آخری حصے میں میں نے جس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ کہیں ان درد مندانہ معروضات پر غور کرنے کے بجائے آپ غصہ میں نہ آجائیں۔ وہی ہوا اور آپ نے مختصر جواب میں وہ سب کچھ کہہ دیا۔ جو غصہ کی حالت میں کہا جا سکتا تھا۔

آپ نے فرمایا ہے کہ جماعت کی پالیسی اور حالات کے متعلق ایک مدت سے میں جس اضطراب میں مبتلا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے بہت عرصہ پہلے جماعت سے مستعفی ہو جانا چاہئے تھا۔ آپ کا ارشاد بظاہر قابل التفات نظر آتا ہے۔ لیکن اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے جذبات میں آنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو اس طرح کا انداز ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ میں نے جن بلند توقعات اور اصلاح ذات اور خدمت دین کی جن حسین آرزوؤں

---

[1] ملاحظہ ہو "قومی آواز"، لکھنؤ۔ ۲۷ فروری ۱۹۶۵ء

ے ساتھ جماعتِ اسلامی میں شرکت کی تھی۔ ان میں اتنی قوت تھی کہ میں جب بھی جماعت کی تباہ کن غلطیوں سے مضطرب ہو کر جماعت کو چھوڑنے کا ارادہ کرتا تھا، مجھے یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے میری روح قبض ہو رہی ہے اور یہ ایک نفسیاتی حالت ہے۔ جسے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے جس کے پہلو میں دل ہو، جس نے خدمتِ دین اور نجاتِ اخروی کی خاطر محض کسی تنظیم میں شرکت ہی نہ کی۔ بلکہ اس کے لئے والدین اور اعزا و اقربا کو چھوڑا، اپنوں کو بیگانہ بنایا اور دنیا بھر سے لڑائی مول لی۔

دوسری وجہ جماعت میں برابر شامل رہنے کی یہ تھی کہ جماعت ایک مدت سے ابتلا کے ایک دور سے گزر رہی تھی اور اگرچہ یہ ابتلا خود جماعت کی بعض غلطیوں کا بھی نتیجہ تھا، لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ جماعت آزمائش اور امتحان کے مرحلے سے گزر رہی ہو اور میں اس سے الگ ہو جاؤں۔ .... تیسری وجہ یہ تھی کہ میں نے ان خرابیوں کو جب کبھی آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے بظاہر تو بڑی فکرمندی کا اظہار فرمایا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ آپ ان حالات سے آگاہ بھی ہیں اور اصلاح کا بھی کچھ نہ کچھ جذبہ رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک میں کلیتہً مایوس نہ ہو جاتا اور یقین نہ کر لیتا کہ دوسرے حضرات کے ساتھ ساتھ جماعت کو اس غارِ ہلاکت میں دھکیلنے کے خود آپ بھی پوری طرح ذمہ دار ہیں۔ میں اس اقدام کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا اور اب جب کہ یہ حقیقت عریاں صورت میں میرے سامنے ہے۔ میں ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اس فرض سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں۔ .... میں نے جماعت کو حق کا علمبردار سمجھا تو اس کی ایک ایک بات کی تبلیغ و تائید میں کوئی کسر

نہیں اٹھا رکھی اور جن لوگوں نے جماعت کی مخالفت کی ان کے حملوں سے اسے محفوظ رکھنے کے لئے ان تمام توانائیوں کو نچوڑ دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب اگر میں اپنے سترہ سالہ تجربات کی بنا پر اس آخری فیصلے پر پہنچ چکا ہوں کہ جماعت فکری و عملی دونوں پہلوؤں سے صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی ہے اور اس فیصلے کا اظہار میں اس لئے لوگوں کے سامنے کروں کہ جن ہزاروں افراد کو میں نے جماعت سے متعارف کرایا۔ کم از کم ان کے سامنے بری الذمہ ہو جاؤں تو میرا طرزِ عمل کیوں للہ و فی اللہ اور حقیقی بہی خواہی پر مبنی نہیں ہوگا؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو آپ تجدید و احیائے دین کا کام کرنے کے لئے اولین ضرورت یہ محسوس فرماتے ہیں کہ صدیوں پہلے فوت ہونے والے ان نفوسِ قدسیہ پر شدید ترین تنقید کریں۔ جو تقویٰ، للٰہیت اخلاص اور دین کے لئے ایثار کرنے میں ضرب المثل ہوں اور پھر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ مستقل تصانیف شائع فرمائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دیانت داری سے مسلسل تجربات و شواہد کے بارے میں یہ رائے قائم کرے کہ آپ کا طرزِ عمل غلط، دین کے خلاف یا مسلمانوں کے لئے گمراہ کن ہے اور وہ اپنی اس رائے کو باقاعدہ دلائل کے ساتھ پیش کرے تو آپ اس شخص کے بارے میں یہ فتویٰ صادر فرمادیں کہ یہ اخلاص اور للٰہیت سے محروم ہو چکا ہے اور بعض دوسرے محرکات کے تحت یہ کام کر رہا ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سنہ ۱۹۴۱ء سے لے کر اب تک جس کسی شخص نے جماعت سے اختلاف یا علیحدگی اختیار کی، آپ نے ہمیشہ اس کے بارے میں ان ہی دوسرے محرکات کا ذکر فرمایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اس اختلاف میں مخلص نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ تو مجھ ایسا

سراپا معصیت آپ کی اس نوازش پر شکوہ سنج کیوں ہو۔ البتہ یہ بات انتہائی تعجب کا باعث ہے کہ کل تک جو شخص خود آپ کے نزدیک پورے حلقے کے قیم سے لے کر امیر تک کے لئے انتہائی موزوں آدمی تھا۔ اس فیصلے کے بعد آپ اس کے "دوسرے محرکات" متعین فرمانے لگے ہیں۔ کیا اس طرز عمل کے بعد ان لوگوں پر تنقید کی جا سکتی ہے جو سیاسی اختلافات کے بعد اپنے مخالفین کو بد دیانت اور مفاد پرست کہہ کر دیانت داری کے اجارہ دار بنتے ہیں؟

جماعت میں میری شمولیت کے محرکات کیا تھے اور جو تھوڑی بہت خدمت دین بہ توفیق ایزدی میں نے انجام دی ہے۔ اس کے محرکات کیا تھے اور آپ کے اس طرز عمل کے خلاف اظہار رائے کے محرکات کیا ہیں؟ ان کا بھید اس روز کھلے گا۔ جس دن تمام چہروں سے نقاب اٹھ جائے گا۔ اور اس دن میں داور محشر کے حضور آپ سے ان دوسرے محرکات کو متعین کرنے کا سوال کر سکوں گا۔

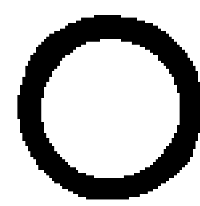
آپ کے اس خط کے بعد اب میں جماعت میں شریک رہنے کا کوئی جواز نہیں پاتا۔ لہٰذا میں جماعت اسلامی کی رکنیت سے مستعفی ہوتا ہوں اور اپنے رؤف و رحیم رب سے انتہائی شرمساری اور عاجزی کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ جماعت کے جبری نظام کے تحت میں نے جماعت کی جن غلط باتوں کی تائید کی ہے اور بالخصوص جن بعض دینی حقائق کو جماعت کے غلط فیصلوں کی وجہ غلط تاویلات کی صورت میں پیش کرنے کا مرتکب ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے اور مجھے اس کی تلافی کرنے کی توفیق عطا فرمائے"۔ لے

لے :۔ قومی آواز۔ لکھنو ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء

کوثر نیازی کے خط

اور

استعفیٰ کا سرسری جائزہ



اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

"ہم نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے اور حرمتوں کی ابدی اور
غیر ابدی تقسیم کا جو نیا طریقہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف
رہے، دوسرے غیر جانبدار عناصر حتیٰ کہ اولپرالیٹین تک کے بعض نمایاں
افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے
والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں" (نیازی)

نوٹ:۔ "جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے"، میرے اپنے خیال میں یہ اتنی بولتی
ہوئی عبارت ہے۔ جو محتاج تبصرہ نہیں ہے۔ بس اس کے بعض بعض جملوں کو بار بار پڑھئے
اور جماعت کے ظاہری تقدس اور باطنی کثافت کا اندازہ کیجئے مثلاً
ہم نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے ۔۔۔۔ ہمیں ابن الوقت اور
سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں"
جماعتی پالیسی کی جبریت کے تحت میں خود آپ کے اس نظریے کا
دفاع کرنے والوں میں شامل رہا ہوں" نیازی"

نوٹ:۔ جماعت اسلامی کے اہل قلم، جماعتی پالیسی کی جبریت کے تحت یا تنخواہ دار
ہونے کی حیثیت سے مودودی صاحب کے غلط نظریات کی تاویل پر مجبور ہوتے ہیں اپنے
پیٹ وردی کی خاطر غریب عوام کو دھوکے میں رکھ کر ان کی آنکھ میں دھول جھونکی جاتی
ہے۔

"میں جس بات کو شرعاً درست نہیں سمجھتا تھا صرف جماعتی قواعد و ضوابط
کی وجہ سے اس معصیت پر مجبور ہو گیا کہ اب اس کی نمائندگی کروں" نیازی

نوٹ:۔ یہ اسی قسم کی تحریر ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔
"ہم نے اپنی اجتہادی رائے کو نص کا درجہ دے کر اس پر تنقید کرنے
سے دریغ نہیں کیا۔ (نیازی)

نوٹ: مودودی صاحب علمائے حق پرست پر کٹھ ملائیت کی چھاپ لگا کر جس اجتہاد کی دعوت دے رہے ہیں، ماتھے کی آنکھ سے اس کا ننگا ناچ دیکھئے ہم نوٹ پر قائد اعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے۔ صدارتی انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے ان کی بہن "فاطمہ جناح" کے دو دو پیسہ گلی گلی فروخت کئے (نیازی)

نوٹ:۔ سینما تو یہ کہکر مباح اور جائز قرار دے دیا گیا کہ وہ تصویر نہیں ہے بلکہ "پرچھائیں" ہے۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ "دو دو پیسہ" کے لئے مجتہد العصر مودودی صاحب نے کون سی دلیل پیش فرمائی ہے۔

"ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب فرماتی ہیں۔ (نیازی)

نوٹ:۔ ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

جس جماعت کی یہ صورت حال ہو، جس کی قیادت اوّل سے آخر تک تنخواہ دار ہو۔ جس میں اظہار رائے پر قدغن ہو (نیازی)

نوٹ:۔ اس کے سوا اور کیا کہا جائے، ضمیر فروشوں کا ایک جم غفیر ہے
ع مرگ انبوہ جشنے دارد

"جماعت کے دروبست پر قابض بھاری بھاری مشاہرے لینے والے ہمارے بعض رہنما ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے، الزامات عائد کرنے اور چغلی و غیبت کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ بعضوں کی بول چال تک آپس میں بند ہے" (نیازی)

نوٹ:۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا "چغل خوروں کی جماعت ہے" البتہ یاد پڑتا ہے کہ شاید ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے "تن کے اجلے من کے کالے"۔ "بعضوں کی بول چال تک آپس میں بند ہے"۔

شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں، تو اس کی اجازت نہیں ملتی۔ ہو سکتا

"ہاں یہیں ہاں ملانے والے علم دین سے کورے اور عربی زبان سے بالکل نابلد افراد کو جماعت کی صف میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" (نیازی)

نوٹ: یہ شکوہ عبث ہے۔ ع۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

نہ گورے کو دیکھیں نہ کالے کو دیکھیں
سے
پیا جس کو چاہیں سہاگن وہی ہے

"اور اس وقت لوگ اگر ہمارے باہمی تعاون اور تعلقات کے مداح ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کی طرح ہمارے اندرونی حالات خوش قسمتی سے اخبارات میں شائع نہیں ہوتے۔" (نیازی)

نوٹ: بدقسمتی سے آپ نے اس کی داغ بیل ڈال دی۔

"امانتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ عشر اور زکوٰۃ کی رقوم خالص سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقتی کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جا رہی ہیں۔" (نیازی)

نوٹ: قیام اسٹیٹ سے پہلے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی (بہ گمان خویش) یہ زندہ تصویر ہے۔ قیام اسٹیٹ کے بعد خدا حافظ۔ شاید کہ یتیموں کے کرتے تک اتروائے جائیں۔

"رائج الوقت سیاسی بحثیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خدا اور رسول کا تذکرہ برائے بیت رہ گیا ہے۔" (نیازی)

نوٹ: اسے بھی غنیمت جانیے دل نہ سہی تو زبان ہی دھل جاتی ہے۔

"عبادات میں ہم سخت تساہل کا شکار ہیں اور شاید کہ یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے۔ جس میں عبادات کو مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔"

نوٹ: یہ ہے پتہ کی بات۔ کاش کہ جماعت کے دانشور حضرات نیازی صاحب کی دعوت [illegible]

دعویٰ اور عمل کا تضاد

اتباع قرآن و سنت کے بلند بانگ دعوے اور فقہاء و محدثین اور جماعت صحابہ کی رائے پر بے لاگ تبصرہ کرنے والے مودودی صاحب کے دعوے اور عمل کا تضاد ملاحظہ فرمائیے!

"جماعت بطور جماعت کوئی فیصلہ کرے تو اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ مجلس مشاورت نے میری عدم موجودگی میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اس فیصلے سے کسی صورت بھی مجال انکار نہیں کر سکتا۔

کوہستان ۱۰ ۱/۶۴

مودودی اقتباسات

پر

ایک طائرانہ نگاہ

مودودی صاحب کی آمرانہ ذہنیت ——— مطلق العنان انشاء پردازی ———

عمائد ملت پر بے محابہ تنقید ——— اپنی مجددیت و مہدیت کا درپردہ اعلان

سلف صالحین سے اظہار بیزاری ——— تیرہ سو سالہ اسلام پر قدامت کا الزام

مدارس و خانقاہوں پر تبرا ——— علماء و مشائخ کا استہزاء ———

ہر طرف سے نظریں ہٹا کر اپنی شخصیت کو ہمہ گیر مرکز توجہ بنانے کے نت نئے ہیرے پھیرے، تو سن چکے ہوں گے۔ اب آنکھوں سے دیکھیے "الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔"

کوئی ان کی قبا کی بند وشوں کو کچھ نہیں کہتا
مرا ذوقِ جنوں ہی مفت میں بدنام ہوتا ہے

عرضداشت

اب اگلے صفحات پر آپ جو کچھ بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کی
حیثیت " انکشافات " پر حاشیہ کی ہے۔ یا اس کی شرح!
اور اسی کو میں نے " شیش محل " کا ماخذ قرار دیا ہے ——
—— نوٹ کے زیرِ عنوان اپنی تشریح ہے اور ——
—— تبصرہ مرتب " انکشافات " کا ——
حق پسند ناظرین سے گذارش ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے
بعد وہ اپنی غیر جانبدار رائے سے مطلع کریں۔

نظامی!

مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

آجکل کے میڈیکل کالجوں اور نرسنگ کی تربیت گاہوں اور ہسپتالوں میں مسلمان لڑکیوں کو بھیجنے سے لاکھ درجے بہتر ہے کہ ان کو قبروں میں دفن کر دیا جائے۔ رائج الوقت گرلز کالجوں میں جاکر تعلیم حاصل کرنے اور پھر معلمات بننے کا معاملہ بھی اس سے کچھ بہت مختلف نہیں ہے۔

نوٹ :۔ مجتہد العصر صاحب زہد و تقویٰ حضرت مولانا مودودی خود اپنے ارشادات کے برعکس عمل پیرا ہیں۔ اس کو قاری عبدالحمید کی زبان میں سنیئے جناب جو مودودی صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے والوں میں ہیں۔ میری حیثیت محض ناقل کی ہے۔

تبصرہ :۔ اگر ابوالفریب مکار ملا مودودی کا یہ فتویٰ شرعی ہے اور دیانت و خلوص پر ہی محمول ہے تو پھر وہ بتلائیں کہ اپنی لڑکیوں کو بی۔ اے اور ایم۔ اے کون سے آسمانی کالجوں میں بھیجکر کرایا ہے۔ کیا اس کا نام بدعملی نہیں؟ اور کیا اسلام کی پیشوائی کا گھمنڈ رکھنے والے اور عالم اسلام میں تجدید و احیاء دین اور اقامت دین کے علمبردار اور دعویدار کے لئے یہ بات قابل شرم و غیرت اور قابل لعنت نہیں؟ کہ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو بھی غیر شرعی اور غیر اسلامی مکروہ ترین عریاں اور نیم برہنہ لباس پہنوائے اور ان کو بخوشی اپنے گھروں میں بھی رکھے اور دوسرے بزرگوں اور ولیوں پر تنقید اور انگشت نمائی کرے۔ ؎۲

نوٹ :۔ یہ اگرچہ کوئی اصولی و بنیادی بحث نہیں۔ پھر بھی کسی جماعت کے امیر و قائد کے حق میں لمحۂ فکریہ ہے اور وہ بھی کسی سیاسی جماعت کا نہیں بلکہ جماعت اسلامی کا

(۱) رسائل و مسائل حصہ اول ص ۱۳۲ ؎۲ بعنوان تعقیبات ؎۲ انکشافات ص ۹۴ ۔

قائد جس کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دی جاتی ہو۔

مودودی صاحب کی "میں"

عنوان بالا کے تحت چند ایسے حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ مودودی صاحب کی "میں" یعنی پندار و غرور کا وہ صنم اکبر جس کی پرستش والوجا میں وہ خود مبتلا ہیں اور جماعت کی جماعت سر نیاز خم کئے ڈنڈوت کر رہی ہے اور وہ میں کتنی خطرناک اور وحشتناک ہے اور تفہیم القرآن سے متعلق خود مودودی صاحب کی رائے پڑھئے اور ان کی ناروا جسارت و بیباکی پر ماتم کیجئے۔

میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے۔ اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ ؎۱

نوٹ:۔ مودودی صاحب کا مطالعۂ قرآن اس قید و بند کا پابند نہیں کہ آیت کے ضمن میں رسول خدا روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کیا بات ارشاد فرمائی۔ عبداللہ ابن عباس اور عام صحابہ اور خلفائے راشدین سے کیا کچھ منقول ہے۔ یہ سب ان کی نظر میں پرانا ذخیرہ اور ایک فرسودہ کہانی ہے بلکہ اب وہ جو کچھ اپنی قوم کو دینا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ تلاوت قرآن سے ان کے ذہن نے کیا اخذ کیا اور دل نے کیا قبول کیا۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ درس گاہ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ تک معیار حق نہیں پھر اس کی کیا ضمانت جو آپ کے ذہن و فکر نے قبول کیا ہو۔ وہ سو لہ آنہ صحیح ہے۔ جس کے تسلیم کرانے میں آپ اور آپ کی جماعت کے تنخواہ دار ملازمین ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں

؎۱:۔ تفہیم القرآن دیباچہ صفحہ ۱۰ بعنوان تفسیر لکھنے کی وجوہ

مودودی صاحب جملہ مسلمانوں سے علیحدہ ہونے کا اقرار یوں کرتے ہیں۔

اسلام کو جس صورت میں میں نے اپنے گرد و پیش کی سوسائٹی میں پایا۔ میرے لئے اس میں کوئی کشش نہ تھی۔ تنقید و تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہی تھا کہ اس بے روح مذہبیت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا' جو مجھے میراث میں ملی تھی۔ (لـہ)

نوٹ:۔ یہ مودودی صاحب کی بہت لمبی' میں ہے' جو صرف ان کے قد ناز پر زیب دیتی ہے۔ جب چاہے اسے پہن لیں اور جب چاہیں اتار پھینکیں' مجھے اس سے بحث نہیں کہ جو اسلام مودودی صاحب کو میراث میں ملا تھا۔ وہ کیا تھا اور کیسا تھا؟ البتہ جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس اسلام میں کوئی کشش نہ تھی یا خود آنجناب کی طبیعت میں کجی تھی۔ جو اس کے قبول کرنے سے مانع ہوئی۔ اس حد تک تو یہ تسلیم کرنا ہی ہو گا کہ جس بے روح مذہبیت کا قلادہ آپ نے اپنی گردن سے اتار پھینکا ہے۔ اس میں نہ تو سینما مباح رہا ہو گا اور نہ ہی تصوف سے اس حد تک پرہیز کو لازم قرار دیا ہو گا۔ جتنا کہ ذیا بیطس کے مریض کو شکر سے تنقید و تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد اگر آپ اتنا بھی نہ کرتے تو شان اجتہاد کا مظاہرہ کیونکر ہوتا؟ جبکہ وہ اپنے وضع کردہ نظریات کی راہ میں احادیث تک کو حائل نہیں ہونے دیتے مثلاً

۱) کتاب " علامات قیامت میں جس روایت کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق میں نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں کہہ سکتا اگر وہ صحیح ہے اور فی الواقع حضور نے یہ خبر دی ہے کہ مہدی کے بیعت کے وقت آسمان سے ندا آئیگی

لـہ: مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش حصہ سوم صفحہ ۲۶/۲۷ بعنوان "تعارف مقصد"

هٰذَا خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ الْمَھْدِی فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا"

تو یقیناً میری وہ رائے غلط ہے۔ جو تجدید و احیاء دین میں میں نے ظاہر کی ہے۔ لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات فرمائی ہوگی۔ [1]

نوٹ :۔ خوش اعتقادی کی انتہا تو یہ ہے کہ تنقید و تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد مودودی صاحب نے بے روح مذہبیت کا قلاوہ اتار پھینکا لیکن حیرت سر پیٹ رہی ہے کہ کتاب علامات قیامت کی مندرجہ بالا حدیث سے متعلق مودودی صاحب یہ کہکر گزر گئے کہ "اس کے متعلق میں نفیاً و اثباتاً کچھ نہیں کہہ سکتا" یعنی یہ حدیث صحیح ہے یا غلط" یہ نہ سمجھئے کہ مودودی صاحب کی یہ بات لکھا گئی بلکہ یہ ان کی عین مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس حدیث کو یونہی گول مول چھوڑ دیا جائے ورنہ وہ اس ٹکڑے کا اضافہ ہرگز نہ کرتے۔ "مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات فرمائی ہوگی"۔ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ بس بات اتنی سی ہے کہ اگر اس حدیث کو مودودی صاحب صحیح تسلیم کر لیتے ہیں تو مہدویت کا خود ساختہ محل ڈھ جائے گا۔

اب بخاری شریف پر مودودی صاحب کا گرم تیور ملاحظہ کیجئے۔

یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں۔ ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی جان لینے کی ہے کہ کسی روایت کے سنداً صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفس مضمون بھی ہر لحاظ سے صحیح اور جوں کا توں قابل قبول ہو۔ [2]

---

[1] رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۶۳ بعنوان "مسئلہ مہدی" [2] رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۴۲ بعنوان [illegible]

نوٹ :۔ چاہئے تو یہ تھا کہ بخاری کی ان احادیث کو چھانٹ کر الگ کر دیتے ۔جن کے مضامین بلا تنقید ناقابل قبول نہیں ہیں اور ایسے ہی ان احادیث کی بھی نشاندہی کر دی جاتی کہ روایت کے سنداً صحیح ہونے کے باوجود ان کے مضامین کو جوں کا توں قبول کر لینا کچھ ضروری نہیں، البتہ جو بات آپ ارشاد فرمائیں اسے جوں کا توں قبول کر لینا عین اسلام ہے۔ ورنہ امیر کی مخالفت قرآن و سنت کی مخالفت کے مترادف ہو گی۔ یہ داؤں پیچ تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے۔ جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک سند کسی حدیث کی صحت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ متن پر غور کیا جائے۔ قرآن و حدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے۔ اس کا لحاظ بھی کیا جائے۔[۱]

نوٹ :۔ افسوس کا مقام ہے! گویا حدیث اور محدثین پر سے اعتبار و بھروسہ اٹھ چکا ہے۔ محض اپنی وہ فہم جو اپنے مطالعہ سے حاصل ہے۔ وہ ہی قابل اعتماد ہے۔ خدارا مسلمانوں پر ترس کھائیے۔ اگر آپ اعتبار کھو بیٹھے ہیں تو ان غریبوں پر رحم کیجئے۔ جو اسلاف و اکابر کے دامن سے وابستہ ہیں جس میں ان کی سعادت و سلامتی ہے۔ ابھی اہل علم سے دنیا اس حد تک خالی نہیں۔ کہ آپ کی توثیق کے بغیر وہ حدیث و محدثین پر سے اپنا بھروسہ اٹھا لیں۔ یہ بات صرف آپ کے زر خرید غلاموں کے حلق سے اتر سکتی ہے۔ جن کی نظر میں آپ

---

[۱] (رسائل و مسائل حصہ اوّل صـ۳۳۳، بعنوان "خلافیات")

کی رائے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں۔ جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ ان چیزوں کو تلاش کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت بھی نہیں عوام میں اس قسم کی جو باتیں مشہور ہوں۔ ان کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے اور ان میں سے کوئی چیز اگر غلط ثابت ہو جائے تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ...... [1]

نوٹ:۔ احادیث کو "افسانہ" مودودی صاحب جیسا ہی قصہ گو اور افسانہ نویس کہہ سکتا ہے۔ جس کے دل میں عظمت نبوت اور خشیت الٰہی کا کوئی جذبہ ہوگا۔ وہ کبھی بھی ایسی جسارت نہ کر سکے گا۔ اسے تنقید و تحقیق کہا جائے یا دین سے لہو و لعب اور کھیل تماشا۔ خطا معاف! کانا دجال کے بارے میں کوئی کانا دجال ہی ایسا کہہ سکتا ہے۔

کیا ساڑھے تیرہ سو برس تک بھی اس شخص کا ظاہر نہ ہونا جسے حضرت تمیم نے جزیرے میں محبوس دیکھا تھا' یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس نے اپنے دجال ہونے کی جو خبر حضرت تمیم کو دی تھی۔ وہ صحیح نہ تھی؟ حضور کو اپنے زمانے میں بھی اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد قریبی زمانے میں ظاہر ہو۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر چکے ہیں اور ابھی تک دجال نہیں آیا ہے۔ [2]

نوٹ:۔ ناظرین سے بس اتنی گذارش ہے کہ ایک ایک اقتباس

---

[1]: (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۵۶ بعنوان "قرآن و حدیث اور سائنٹیفک حقائق")

[2]: (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۴۶ بعنوان "تحقیق ... [illegible]")

کو سنجیدگی و متانت سے پڑھ کر اس کا اندازہ کریں کہ "گنگا سیدھی بہہ رہی ہے یا الٹی"؟

" جہاں تک اسناد کا تعلق ہے۔ ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی۔ "[1]

نوٹ :۔ یہ ایک بہت ہی آسان طریقہ ہے۔ جو حدیث بھی "مودودی شریعت" سے ٹکرائے۔ اس کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ "یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی" "بات دو ٹوک ہونی چاہیئے" اگر آپ کی نظر میں وہ حدیث قابل تسلیم نہیں تو کھل کر اس کا انکار کر دیجئے اور قابل تسلیم ہے تو اس پر صاد کیجئے۔ دین میں دو غلی پالیسی نہیں چلتی۔ یہ بھی کوئی صدارتی انتخاب کا مسئلہ ہے۔ کہ صبح کچھ اور شام کچھ!

تبصرہ | قاری عبد الحمید صاحب کے لفظوں میں اب میں شیخ الحدیث والتفسیر کہلانے والے ممتاز علماء اسلام اور دیگر محققین و متشککین حضرات سے دریافت کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا اقتباسات پڑھنے اور سمجھنے کے بعد بھی مخرب حدیث ابوالنعاد مودودی کے کوزایمان اور منکر حدیث ہونے میں مزید کوئی کسر باقی ہے؟ اور کیا منکر حدیث ثابت ہونے کے لئے مودودی کی پیشانی پر دو عدد سینگوں کا پیدا ہونا ضروری ہے؟ اگر نہیں تو پھر از روئے حدیث نبوی علمائے اسلام کی بے معنی خاموشی پر کیا قیامت میں ان کے منہ میں آگ کی لگام نہیں ڈالی جائے گی جبکہ اس بے معنی خاموش رہنے کے اسباب بھی باقی نہ رہے۔[2]

---

[1] [illegible] صفحہ ۲۲ [illegible] عدد ا بابت اکتوبر ۱۹۶۳ء)، [2] (انکشاف صفحہ ۱۴۶)

مجدّد، مہدی اور دجّال وغیرہ پر مودودی تحقیق

مجددیت و مہدویت کا کہیں برملا اعلان اور کہیں درپردہ اس کا اظہار، کانا دجال سے متعلق جتنی حدیثیں ہیں۔ وہ سب کی سب افسانہ ہیں ــــــ اور آج تک مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ۔۔۔ زمانہ چاہتا ہے۔ اب ایسا لیڈر پیدا ہو۔ چودہ صدی کے خانہ ساز مولانا مودودی کی مطلق العنان انشاء پردازی ملاحظہ فرمائیے۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

"تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہوتے مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے۔ ان میں ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں میں کام کیا۔ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ "البالیڈر" پیدا ہو۔۔۔۔" [1]

نوٹ :۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سے لے کر کل تک دنیائے اسلام اوائل یا اواخر صدی میں کسی مجدد کی متقاضی ہوتی لیکن اب مجدد کی نہیں بلکہ "لیڈر" کی ضرورت ہے۔ عرفِ عام کے ایک مروج اصطلاحی لفظ کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسرے لفظ کا اختیاراً استعمال جماعتِ اسلامی کا روشن خیال طبقہ ہی مودودی صاحب کی اس فلاسفی کو سمجھ سکتا ہے۔

بھلا پرانے زمانے کے دقیانوسی "ملے" بہ زبان مودودی" جو اپنی قوت اجتہادی تک گنوا چکے ہیں۔ وہ لیڈر اور مجدد کا فرق کیا سمجھیں، وہ تو لکیر کے فقیر ہیں، جو لفظ انھیں اپنے بزرگوں سے ملا اسے اپنی آنکھوں اور کلیجے سے لگائے رکھے۔ لیکن اجتہاد کا ڈھنڈورا پیٹ کر عہدِ ماضی کو زندہ کرنے والا جب تک اصطلاحات کو تھس نھس نہ کر دے۔ وہ کسی نئی شریعت کی داغ بیل کیونکر ڈال سکتا ہے، وہ دن دور نہیں۔ جب مودودی شریعت میں مسجد کو مندر، گوردوارہ کو کلیسا و سیاسی رہنما کو مقتدائے ملت اور پادری کو پنڈت کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا

---

[1] (تجدید و احیاءِ دین صفحہ ۴۹ بالعنوان "مجدد کامل کا مقام")

نہیں ہوا، عقل چاہتی ہے اور فطرت مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا "لیڈر" پیدا۔ جس کی دلیل خود ان کی نظر میں یہ ہے کہ اب تک جتنے مجددین پیدا ہوئے۔ انھوں نے دین کے خاص یا چند شعبوں میں کام کیا، یہ ان کی اپنی "مَیں" رائے ہے جس پر قرآن و سنت وغیرہ کی کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی۔ اس کی انھیں ضرورت ہی کیا ہے، جماعت اسلامی کی نظر میں مودودی صاحب کی "مَیں" خود ایک عظیم دلیل ہے۔

قرآن وسنت کی دلیل تو چلے، مراقبہ اور نیاز وفاتحہ کے لئے چاہیئے! لیکن بغیر جماعت کے لئے یہ بات تشنۂ تکمیل رہ جائے گی کہ مجدّد کامل اسی کو کہا جائے گا۔ جس نے دین کے ہر شعبہ میں کام کیا ہوا؟

چونکہ عقل کا ایک بدیہی تقاضا ہے کہ مجدد کسی نئی شریعت کا حامل نہیں ہوتا بلکہ استمرار زمانہ سے دین کے جن شعبوں میں بدعات ومنکرات وغیرہ نے اپنی جگہ بنالی ہو وہ اسی شعبے میں تجدید واحیاء کا کام کرتا رہے۔ خواہ وہ ایک ہی شعبہ ہو یا دین کے متعدّد شعبے۔ ورنہ جس طرح آج چودہ صدی میں مجدّد کامل بننے کا جذبہ شریعت کو نئے ڈھانچے میں ڈھال رہا ہے، خدا نہ کردہ اس مقدس گروہ کے پیش روؤں میں اگر یہی جذبہ کارفرما ہوتا تو اب تک متعدد شریعتیں منصۂ شہود پر آگئی ہوتیں۔ جیسے کہ چودہ صدی کی مودودی شریعت اب آنے والے حوالہ پر قاری عبدالحمید کا تبصرہ ملاحظہ کیجیے:

"اللہ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایسے لوگ اٹھاتا رہے گا۔ جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کریں گے۔" [۱]

تبصرہ | یہ حدیث شریف ان خوش نصیب حدیثوں میں سے ایک ہے کہ جن کو ماڈرن مجدّد اعظم مودودی نے مزاج شناس رسول ہونے کی حیثیت سے بہ اعتبار سند اور صحت لفظی وصحت مفہوم،

---

[۱] :- ترجمہ مودودی تجدید واحیاء دین ص۲۲، لیعنی دیکھیے۔ سنت کے عدد سند،

درست اور صحیح قرار دے کر شرف قبولیت بخشا ہے۔ نیز ابوالمجدد مودودی نے اس حدیث شریف کا ترجمہ کرنے کے بعد ساتھ ہی اس کے تفسیری ترجمے میں اصلاحی تنقید اور نکاتی تبصرہ فرما کر اپنی جماعت کو مجددین کا گروہ اور اپنی ذات گرامی کو مجدد کامل یا ابوالمجدد سمجھانے کا ایک لطیف انداز اختیار فرمایا ہے۔ جو لغور اور بہ تکرار قابل ملاحظہ ہے۔ جس کو پڑھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کے لاہوری گروہ کو یقیناً اپنے مجدد کے نہ صرف غیر کامل ہونے پر ہی بلکہ ان کو اپنے مجدد کی تجدیدی لاولدی پر بھی سخت خفت اور ندامت محسوس ہوئی ہوگی۔

مگر اس حدیث سے بعض لوگوں نے تجدید اور مجددین کا بالکل ہی ایک غلط تصور اخذ کر لیا۔ انہوں نے "علی راس کل مائۃ" سے صدی کا آغاز یا اختتام مراد لیا اور "من یجدد لہا" کا مطلب یہ سمجھا کہ اس سے مراد لازماً کوئی ایک ہی شخص ہے۔ اس بنا پر انھوں نے تلاش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی پچھلی تاریخوں میں کون کون ایسے اشخاص ملتے ہیں جو ایک ایک صدی کے آغاز یا انجام پر پیدا ہوئے یا مرے ہوں اور انھوں نے تجدید دین کا کام بھی کیا ہو۔ حالانکہ نہ راس کے معنی سر کے ہیں اور صدی کے سر پر کسی شخص یا گروہ کے اٹھائے جانے کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے علوم، افکار اور رفتار عمل پر نمایاں اثر ڈالے گا اور مَن کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے مَن سے مراد ایک شخص بھی ہو سکتا ہے۔ بہت سے اشخاص بھی ہو سکتے ہیں اور پورے پورے ادارے اور گروہ بھی ہو سکتے ہیں۔ حضور نے

جو خبر دی ہے۔ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ انشاء اللہ اسلامی تاریخ کی کوئی صدی ایسے لوگوں سے خالی نہ گزرے گی۔ جو طوفان جاہلیت کے مقابلے میں اٹھیں گے اور اس کو اس کی اصلی روح اور صورت میں از سر نو قائم کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ ضروری نہیں کہ ایک صدی کا مجدد ایک ہی شخص ہو، ایک صدی میں متعدد اشخاص اور گروہ یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام دنیائے اسلام کے لئے ایک ہی مجدد ہو۔ ایک وقت میں بہت سے ملکوں میں بہت سے آدمی تجدید دین کے لئے سعی کرنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ شخص جو اس سلسلہ کی خدمت انجام دے "مجدّد" کے خطاب سے نوازا جائے۔ یہ خطاب تو صرف ایسے اشخاص ہی کو دیا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے تجدید دین کے لئے کوئی بہت بڑا اور نمایاں کارنامہ انجام دیا ہو[1]

تبصرہ اس اقتباس کی پہلی خط کشیدہ سطور بغور ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں ابوالمجدّد صاحب مودودی فرماتے ہیں کہ "نہ راس کے معنی سر کے ہیں" اور پھر اس کے معنی بتائے بغیر پوری حدیث کے مفہوم کو بصورت معانی سمجھانا شروع کر دیا۔ جس کا لغت یا محاورات سے تو کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا صرف یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ ابوالمجدّد صاحب مودودی کو اچانک کشف یا الہام ہوا اور حدیث شریف کے ترجمے کی پوری عبارت کا یہ نیا "صاف مطلب" بذریعہ کشف یا الہام ہی حاصل کر کے بتلا دیا۔ اس کے بعد پھر ابوالمجدّد صاحب مودودی اسی حدیث شریف کا "واضح مفہوم" بھی اگلی خط کشیدہ سطور میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس کو

---

[1] تجدید و احیاء دین صفحہ ۴۲-۴۳ بعنوان "شرح حدیث"

بھی بغور ملاحظہ فرمائیے۔ پھر بقیہ عبارت کو پڑھ کر دوبارہ از سرِ نو پورا اقتباس بنظرِ غائر پڑھتے ہوئے اگلے اقتباس میں مجدد کی تعریفیں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

تعریف مجدد از مودودی صاحب

(۱) مجدد نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاج میں مزاج نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے۔

(۲) نہایت صاف دماغ۔

(۳) حقیقت رس، ہر قسم کی کجی سے پاک

(۴) بالکل سیدھا ذہن، افراط و تفریط سے بچ کر توسط و اعتدال کی سیدھی راہ دیکھنے اور اپنا توازن قائم رکھنے کی خاص قابلیت، اپنے ماحول اور صدیوں کے جمے اور رچے ہوئے تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنے کی قوت۔

(۵) زمانے کی بگڑی ہوئی رفتار سے لڑنے کی طاقت وجرأت، قیادت و رہنمائی کی پیدائشی صلاحیت اجتہاد اور تعمیر نو کی غیر معمولی اہلیت اور ان سب باتوں کے ساتھ اسلام

وضاحت تعریف مجدد از قاری عبد الحمید

(۱) یعنی مزاج شناس رسول ہو جاتا ہے۔

(۲) یعنی اعتکاف، چلہ کشی، وظیفوں اور نوافل وغیرہ کے چکروں سے دماغ صاف رکھتا ہے۔

(۳) یعنی تصوف، عباء و قباء اور عماموں جبوں وغیرہ کی کج ذہنیت اور لغویت سے پاک۔

(۴) یعنی پرانی تفسیر اور حدیثوں کے پرانے ذخیروں میں اٹکے ہوئے دقیانوسی علماء زمانہ کے ساتھ اہم سے اہم تر مسئلوں اور مرحلوں میں اہم سے اہم تر موقعوں پر تعاون یا اتحاد یا مصالحت کرنے سے بے نیاز رہنے کی قابلیت اور قوت کامل۔

(۵) یعنی فلم بینی اور انگریزی بالوں کے جائز کرنے اور ڈاڑھی وغیرہ جیسے شعار اسلام کو غیر ضروری قرار دینے کی بدرجہ اتم

میں مکمل شرح صدر نقطہ نظر اور
فہم وشعور میں پورا مسلمان ہونا۔
(۶) باریک سے باریک جزئیات
تک میں اسلام اور جاہلیت
میں تمیز کرنا اور مدت ہائے دراز
کی الجھنوں میں سے امر حق کو ڈھونڈ
کر الگ نکال لینا۔
یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے
بغیر کوئی شخص مجدد نہیں ہوسکتا
اور یہی وہ چیزیں ہیں جو اس
سے بہت زیادہ بڑے پیمانے
پر نبی میں ہوتی ہیں۔ لے

صلاحیت اور اہلیت یعنی عملاً صورۃ
اور لباساً چاہیے۔ پورا مسلمان نہ ہو
لیکن نقطہ نظر اور فہم وشعور میں پورا
مسلمان ہو اور شرح صدر ایسا ہو کہ بیک
نظر قرآن کریم کے بیان کردہ قوانین
کو دور حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق
ناقابل عمل قرار دینے کے لئے علماء امت
کے مقابلے میں سینہ سپر ہوسکتا ہو۔
(۶) یعنی طلاق، عدت، خلع اور متعہ وغیرہ
جیسے فقہ کے مدت ہائے دراز کے پھیلے
ہوئے دقیانوسی مسائل کی تباہ کاریوں
اور ان کی الجھنوں سے امر حق ڈھونڈھ
کر مہمات امور دینیہ کو آسان کرسکتا ہو

نوٹ :۔ مجدد کی تعریف اور اس کی وضاحت کے بعد اب مجددیت و مہدویت پر مودودی صاحب کے چند نظریاتی نکات ملاحظہ کیجئے۔ جو صرف مودودی صاحب کا اپنا حصہ ہے۔ مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

"ہمارے علم میں جس شخص نے بھی دین کو از سر نو تازہ کرنے کی کوئی خدمت انجام دی ہو۔ ہم اسے مجدد کہہ سکتے ہیں اور دوسرے شخص کی رائے میں اگر اس کا کارنامہ اس مرتبہ کا نہ ہو تو وہ اسے اس لقب کا مستحق ٹھہرانے سے انکار کرسکتا ہے۔ نادان لوگوں نے اس معاملے کو خواہ مخواہ

لے (تجدید و احیاء دین صفحہ ۴۵ بعنوان "مجدد کی تعریف")

اہم بنا دیا ہے۔ نبی صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو خبر دی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو مٹنے نہیں دے گا۔ بلکہ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص یا اشخاص کو اٹھاتا رہے گا۔ جو اس کے دھندلے ہوئے آثار کو پھر سے تازہ کر دے گا۔ یا کر دیں گے۔ حدیث میں من کا لفظ عربیت کے لحاظ سے اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ ضرور کوئی ایک ہی شخص ہو۔ اس کا اطلاق متعدد شخص پر بھی ہو سکتا ہے اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا بھی نہیں ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ مجدد کو اپنے مجدد ہونے کا شعور بھی ہونا چاہئے یا یہ کہ لوگوں کے لئے مجدد کا پہچاننا بھی ضروری ہے۔[1]

نوٹ:۔ مودودی صاحب نے یہ تو فرمایا کہ "ناوان لوگوں نے اس معاملے کو خواہ مخواہ اہم بنا دیا ہے۔" مگر اس کی کوئی صراحت نہیں کہ ناوان لوگوں سے ان کی مراد کیا ہے۔ بوریہ نشین علماء، جو صحیح معنوں میں دین کے وارث اور امین ہیں۔ ان سے مودودی صاحب کو کچھ ایسی چڑھ ہے کہ ان کا قلم کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ کہیں انہیں ناوان کہا جاتا ہے اور کہیں جنت الحمقاء کے رہنے والے۔ غرضیکہ ایک آمرانہ ذہنیت ہے۔ جس کے تحت اہل علم کے دامن آبرو سے کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ مودودی تحریک کے جہاں اور بہت سے زہریلے جراثیم ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی کہ عوام و خواص کی نظر سے علماؑ کی رہی سہی وقعت بھی ختم کر دی جائے۔ جس کا اس جماعت نے بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

میں تو کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ان دونوں بزرگوں کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف و الہام کے حوالہ سے اپنی باتوں کو پیش کرنا ان کے چند غلط کاموں میں سے ایک ہے اور ان کی یہی غلطیاں ہیں۔ جنھوں نے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کو طرح طرح

---

[1] [illegible]

کے دعوے کرنے اور اس میں نت نئے فتنے اٹھانے کی جرأت دلائی اسے "دیکھا آپ نے ابوالمجدد صاحب مودودی کی تجدیدی ذہنیت کا تلبیسی تیر؟ جو ان دونوں بزرگوں کے ہی تقدس کو مجروح کرنے کے لئے نہیں بلکہ آخری منزل تک پہنچانے کے لئے چھوڑا گیا ہے

تبصرہ

(اعاذنا اللہ من ذالک اعاذنا اللہ من ذالک)

کیونکہ خط کشیدہ عبارت کا مطلب تو صاف یہی نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ من ذالک اگر تمام انبیاء علیہم السلام اور خاتم الانبیاء سردار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی نبوت کے دعوے نہ کئے ہوتے تو دوسرے فتین وکذاب اور کم ظرف لوگوں کو بھی نبوت کے جھوٹے دعوے کر کے نت نئے اور عظیم فتنے اٹھانے کی ہرگز جرأت نہ ہوئی ہوتی" لہ

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے متعلق جو علامتیں مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد اور ترمذی شریف وغیرہ کتب احادیث میں منقول ہیں اور عام طور پر مشہور بھی ہیں وہ یہ ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام سید اور اولاد فاطمۃ الزہرا میں ہوں گے۔ آپ کا ذاتی نام محمد ہو گا۔ والد کا نام عبداللہ والدہ کا نام آمنہ ہو گا۔

آپ کا قد مبارک قدرے لمبا ہو گا۔ بدن چست، رنگ صاف کھلا اور نکھرا ہوا ہو گا۔ اونچی ناک اور کشادہ پیشانی ہو گی۔ چہرۂ مبارک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے مشابہ ہو گا۔ آپ کے اخلاق وعادات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہوں گے۔ آپ کی زبان مبارک میں لکنت ہو گی جس کی وجہ سے کبھی عاجز ہو کر رانوں میں ہاتھ ماریں گے۔ آپ کا علم خداداد ہو گا۔ بیعت کے وقت عمر چالیس سال ہو گی اور بیعت کے قبل رمضان شریف میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکا

لہ تجدید واحیاء دین صفحہ ۱۲۴، بعنوان "کشف و الہام کی حقیقت" [illegible]

ہوگا اور آپ اپنے آپ کو انتہائی چھپائے رکھنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اہل اللہ احادیث کی علامات دیکھ کر آپ کو رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے پہچان لیں گے اور بیعت کے وقت آسمان سے صاف یہ ندا آئے گی۔ " ھذا خلیفۃ اللہ المھدی فاستمعوا لہ واطیعوا۔ ترجمہ) یہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں، سنو ان کی اور اطاعت کرو"۔ جس کو تمام خاص و عام لوگ سنیں گے۔

اب اس کے بعد الوا المجدد صاحب مودودی کی ایمانیات ملاحظہ فرمایئے اور نور مودودی سے قلب کو منور کیجئے۔

مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی ان متجددین سے جو ان کے قائل نہیں ہیں" اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے تسبیح ہاتھ میں لئے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے، آتے ہی انا المھدی کا اعلان کریں گے۔ علماً و مشائخ کتابیں لئے ہوئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے انھیں شناخت کر لیں گے۔ پھر بیعت ہوگی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔ چلے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لئے برائے نام چلانی پڑے گی۔ اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہوگا۔ پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے۔ جس کافر پر نظر ماریں گے۔ تڑپ کر بے ہوش ہو جائے گا اور محض بددعاؤں کے زور سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ [1]

---

[1] (تجدید و احیاء دین صفحہ ۵۲ عنوان "امام المہدی")

نوٹ :۔ حضرت مہدی مولویانہ صوفیانہ لباس میں نہیں بلکہ کوٹ، بش شرٹ، پینٹ پہنے ہوئے ہوں گے، مدرسہ اور خانقاہ کے حجرے سے نہیں۔ غالباً جماعت اسلامی کے صدر دفتر سے برآمد ہوں گے، وہ بقیۃ السلف نہیں۔ بلکہ مغربیت کے دلدادہ ہوں گے۔ روحانی برکتوں سے نہیں۔ بلکہ ایٹمی ہتھیاروں سے مسلح ہوں گے۔ مولویانہ، صوفیانہ، مدرسہ، خانقاہ، بقیۃ السلف، برکت، روحانی تصرف، پھوک، وظیفہ تسبیح جیسی اصطلاحات سے وہ قطعاً نا آشنا ہوں گے۔ ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

تبصرہ

یہ ہے ابوالمجدد صاحب مودودی کی سچی سچی، صاف، صاف، ایمانیات کی ادنیٰ سی جھلک! فرمائیے " اتباع رسول کی اس تمہید و تکریم سے اور مسلم شریعت کی دم عیسٰی والی صحیح حدیث کی اس تقدیس و توقیر سے قلب میں کچھ نور پیدا ہوا؟ ایمان میں کچھ تازگی محسوس ہوئی؟ اگر نہیں تو لیجئے! ابوالمجدد صاحب مودودی کے خصوصی اور تجلیاتی و ایمانی تصورات بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ تاکہ کسی صاحب مکاشفہ، عابد و زاہد اور روحانی متصرف بزرگ کی کرامتوں کا شکار ہو کر ابوالمجدد صاحب کی قائم کردہ جدید قسم کی اسلامی اسٹیٹ کو کسی خسارے سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

عقیدۂ ظہور مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اس قسم کے ہیں مگر میں ____ جو کچھ سمجھتا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانے میں بالکل

جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔ وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی۔ زندگی کے سارے مسائل مہمہ کو وہ خوب سمجھتا ہوگا۔ عقلی و ذہنی ریاست سیاسی تدبر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جمادے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی "جدتوں" کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کریں گے۔ پھر مجھے امید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں "عام انسانوں سے کچھ مختلف ہوگا کہ اس کی علامتوں سے تاڑ لیا جائے۔ نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوہ پر قائم کرنے والا، جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں نبی کے سوا کسی کا یہ منصب نہیں ہے کہ دعوے سے کام کا آغاز کرے اور نہ نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خدمت پر مامور ہوا ہے۔ مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں ہے۔ کر کے دکھانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں، میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے، وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اس کے کام میں کرامات و خوارق، کشف و الہامات اور چلوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلابی لیڈر کو دنیا میں جس طرح شدید جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ انھیں مرحلوں سے

مہدی کو بھی گزرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (SCHOOL OF THOUGHT) پیدا کرے گا۔ ذہنیتوں کو بدلے گا، ایک زبردست تحریک اٹھائے گا۔ جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی۔ جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گا۔ مگر بالآخر وہ جاہل اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گا۔ اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کریگا۔ جس میں ایک طرف اسلام کی پوری روح کارفرما ہوگی اور دوسری طرف سائنٹیفک ترقی اوج کمال پر پہنچ جائے گی۔[۱]

نوٹ:۔ عقیدۂ ظہور مہدی کو یوں بیان کیا جائے۔ تو مودودی صاحب کے مافی الضمیر کی صحیح ترجمانی ہوگی۔ وہ اپنے زمانے کا جدید طرز کا لیڈر ہوگا، نہیں بلکہ "ولیڈر" ہے۔ تصوف اور طریقت کے علاوہ وہ تمام ہی علوم و فنون پر حاوی ہے وہ چلہ، مراقبہ، تہجد، نوافل، جھاڑ، پھونک، تسبیح، وظیفہ، برکت، روحانی تصرف کشف و الہام، خوارق و کرامات سے نہ صرف چڑھتا ہے۔ بلکہ خود انھیں منہ چڑھاتا ہے مولوی اور صوفی صاحبان اس کی جدتوں کے خلاف شورش برپا کریں گے نہیں بلکہ شورش برپا کردی اور حسن اتفاق یہ کہ۔ "شورش کاشمیری" صف اول میں ہیں۔

ایک اور اقتباس پڑھ کر قاری عبد الحمید کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے۔

"اول تو خود لفظ مہدی پر غور کرنا چاہئے۔ جو حدیث میں استعمال کیا گیا ہے۔ حضور نے مہدی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ ہدایت یافتہ کے "ہادی" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ مہدی ہر وہ سردار نالیڈر اور امیر ہو سکتا ہے۔ جو راہ راست پر ہو "المہدی" زیادہ سے

زیادہ خصوصیت کے لئے)

استعمال ہوگا جس سے آنے والے کی کسی خاص امتیازی شان کا اظہار مقصود ہے اور امتیازی شان حدیث میں اس طرح بیان کردی گئی ہے کہ آنے والا خلافت علی منہاج النبوۃ کا نظام درہم برہم ہوجانے اور ظلم وجور سے زمین کے بھر جانے کے بعد از سرِ نو خلافت کو منہاج نبوت پر قائم کرے گا اور زمین عدل سے بھر دے گا۔ ؎

تبصرہ

غور فرمایا آپ نے! اللہ کا رسول تو فرمائے کہ مہدی میری اولاد سے ہوگا۔ یہ اور یہ اس کی علامات ہوں گی اور ابوالاستہزاء صاحب شریر مودودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام علامتوں کو انتہائی تحقیر اور تلبیسانہ انداز میں جھٹلا کر فرماتے ہیں کہ مہدی ہر وہ سردار اور لیڈر اور امیر ہو سکتا ہے۔ جو راہِ راست پر ہو! اب تو صاف سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ابوالاستہزاء صاحب شریر مودودی کے لئے نعوذ باللہ من ذالک ۔۔ لانبیاء کا خطاب بھی یقیناً ضروری ہوگیا ہے۔ کیونکہ خاتم الانبیاء سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے نہ صرف صریح اختلاف کرنا بلکہ استہزاء اور مذاق اڑانا اور آپ کے متبعین اور پیروؤں پر چارج شیٹ بھی لگانا یعنی نااہل قرار دینا (جیسا کہ پچھلے اقتباسات کی خط کشیدہ سطور سے ظاہر ہے) کیا کسی معمولی مراتب کے انسان کا کام ہو سکتا ہے؟ کسی حاکم کے فرمان کے خلاف یقیناً کوئی بڑا حاکم ہی اختلاف یا رائے زنی کر سکتا ہے اور کیا پیغمبرانہ منصب سے گزر کر حدود اللہ میں رائے زنی کرنا یا فت عدے کیلئے اختراع کرنا ابوالاستہزاء صاحب شریر

مودودی کے غیر معمولی مراتب کی نشاندہی نہیں (چند سطر بعد) اور کیا بغیر دعویٰ کئے خود بخود آٹومیٹک طریقے پر ماڈرن مجدد اور نیو اسٹائل مہدی بن جانے کے لئے مودودی کی یہ تشریحات کافی اور مدلل نہیں؟ اب بھی اگر ابوالاستہزار صاحب مودودی کے فل پاور، ماڈرن مجدد اعظم اور نیو اسٹائل مہدی کی مصنفہ ایمان، کتب، تجدید و احیاء دین، تنقیحات، تفہیمات، رسائل و مسائل، مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش اور حقوق الزوجین وغیرہ کا باقاعدہ مطالعہ کریں"۔ ؎ا

"میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں، جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا۔ اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں"۔ ؎۲

نوٹ:۔ مندرجہ بالا عبارت میں مودودی صاحب کی مجددانہ اور مجتہدانہ دونوں حیثیتیں بالکل بے نقاب ہو گئی ہیں۔ اب تک تو قرآن و سنت ہی سے استدلال کیا جاتا تھا لیکن مصلحت کوشیوں نے تیسری دلیل "حکمت عملی" کو بھی جنم دے دیا۔ اس اقتباس پر مرتب انکشافات کی چند سطریں ملاحظہ کر لیجئے۔ اس سے پہلے ایک اور حوالہ پڑھ لیجئے۔

"میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں"۔ (مودودی صاحب ؎۳

تبصرہ

! کیا ابوالحکمت صاحب مودودی کی اس خط کشیدہ "حکمت عملی" کے معنی یا اس کی شرعی تفصیل کوئی عالم دین

[illegible]

بتانے اور سمجھانے کی تکلیف گوارا کر سکتے ہیں؟ کہ اللہ کے دین میں "حکمت عملی" کا کیا مقام ہے اور شرعی اصطلاحات اور محاورات میں "حکمت عملی" کسے کہتے ہیں؟ اور کیا تاریخ اسلام میں یہ "حکمت عملی" کی اصطلاح اس سے قبل بھی کبھی کسی مجتہد یا محدث یا کسی فقیہہ نے استعمال کی ہے؟ یا محض ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تجدیدین کی ضرورتوں کے لئے یہ جدید اصطلاح اپنے حاصل خصوصی اختیارات کے تحت ایجاد فرمائی ہے۔ ــــــــــ له

"اتباع رسول و اصحاب کا یہ مفہوم ہی سرے سے غلط ہے اور اکثر دیندار لوگ غلطی سے اس کا یہی مفہوم لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلف صالحین کی پیروی اس کا نام ہے کہ جیسا لباس وہ پہنتے ہیں۔ ویسا ہی ہم بھی پہنیں، جس قسم کے کھانے وہ کھاتے تھے، اسی قسم کے کھانے ہم بھی کھائیں، جیسا طرز معاشرت ان کے گھروں میں تھا بعینہٖ وہی طرز معاشرت ہمارے گھروں میں بھی ہو۔ تمدن اور حضارت کی جو حالت ان کے عہد میں تھی اس کو ہم بالکل متحجر (FOSELiSED) صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کی کوشش کریں اور ہمارے اس ماحول سے باہر کی دنیا میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں۔ ان سب سے آنکھیں بند کر کے ہم اپنے دماغ اور اپنی زندگی کے ارد گرد ایک حصار کھینچ لیں جس کی سرحدیں وقت کی حرکت اور زمانے کے تغیر کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو، اتباع کا یہ تصور جو انحطاط کی گئی صدیوں سے دیندار مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط رہا ہے۔ درحقیقت روح اسلام کے بالکل منافی ہے، اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے آثار قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی

له (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۲۹ بالعنوان "تقلید و عدم تقلید")

ڈرامہ بنائے رکھیں۔ ۱ے

نوٹ :۔ اسلاف کے رہن سہن، لباس کی خصوصی تراش وخراش جو صلحاء اور دیندار مسلمانوں کی علامت وشناخت ہے اور ان کی وضع قطع کو تاریکی ڈرامہ کہنا میں ایک ناروا جسارت سمجھتا ہوں جس سے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے اور قلب کو صدمہ۔

مندرجہ بالا اقتباس پر قاری عبد الحمید کی چند سطریں ملاحظہ کیجئے۔

تبصرہ

"کیا اقتباس ابوالمجد صاحب مودودی کو ہائی اسٹینڈرڈ حیثیت کا فل پاور ماڈرن مجدد اعظم اور ہائی اتھارٹی رکھنے والا نیو اسٹائل مغربی مہدی سمجھنے اور تسلیم کرنے کے لئے کافی نہیں؟ اگر نہیں تو لیجئے، اس سے بھی زیادہ صاف اور صریح ارشاد پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیے اور فیصلہ بھی۔ نشر فرما کر اللہ کے حضور اجر عظیم حاصل کیجئے۔

"پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور نادانستہ ان کو پھر وہی غذا دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی ۔۔۔۔ ۲ے

آگے چل کر اس مضمون میں پرہیز والی غذا کو واضح فرماتے ہیں کہ

"جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں، وہ متصوفانہ رموز واشارات اور متصوفانہ زبان کا استعمال اور متصوفانہ طریقے سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا ہے" ۳ے

۱ے : تنقیحات صفحہ ۲۷۰، ۲۷۱ بعنوان "مرض اور اس کا علاج" ۲ے : تجدید واحیاء دین ص ۱۱۹ بعنوان "پہلا سبب" ۳ے (مطابق حوالہ بالا)

پس جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اس وقت ممنوع ہو جاتی ہے۔ جب وہ مریض کے لئے نقصان دہ ہو، اسی طرح یہ (تصوف کا) قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اسی بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اسی کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگایا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آجاتی ہیں جو صدیوں ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہیں۔ بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر نہیں لگتی کہ مریدوں میں وہ ذہنیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جو مریدی کے ساتھ مختص ہو چکی ہے۔ ــــ ۱ے

"اب جس کسی کو تجدید کے لئے کوئی کام کرنا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان واصطلاحات سے، رموز و اشارات سے، لباس و اطوار سے، پیری مریدی سے اور ہر اس چیز سے جو اس طریقے کی یاد تازہ کرنے والی ہو، مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے۔ جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے ــــ ۲ے

نوٹ:۔ آپ کا یہ نظریہ یوں محتاج تشریح ہے کہ یہ قرآن وسنت کا ارشاد ہے۔ یا جناب والا کی حکمت عملی کا تقاضا ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں "چنیا بیگم" کا بار بار تذکرہ کر کے عہد رفتہ کی یاد تازہ کی جاتی ہو۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

"یہاں کوئی سعی محض پاکیزہ خواہشات اور اچھی نیتوں کی بنا پر کامیاب نہیں ہو سکتی اور محض نفوس قدسیہ کی برکتیں ہی اس کو بار آور کرا سکتی ہیں۔ بلکہ اس کے لئے ان شرائط کو پورا

۱ے: مطابق بحوالہ بالا صفحہ ۱۳۰، ۲ے (مطابق بحوالہ بالا صفحہ ۱۳۲

ہونا ضروری ہے۔ جو ایسی مساعی کی بارآوری کے لئے قانونِ الٰہی میں مقرر ہیں۔ آپ اگر زراعت کریں تو خواہ آپ کتنے ہی بزرگ صفت انسان ہوں اور تسبیح و تہلیل میں کتنا ہی مبالغہ کرتے ہوں۔ بہر حال آپ کا پھینکا ہوا کوئی بیج بھی برگ و بار نہیں لا سکتا۔ جب تک آپ سعیٔ کاشتکاری میں اس قانون کی پوری پوری پابندی ملحوظ نہ رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے کھیتوں کی بارآوری کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح نظامِ امامت کا وہ انقلاب بھی جو آپ کے پیشِ نظر ہے، کبھی محض دعاؤں اور پاک تمناؤں سے رونما نہ ہو سکے گا۔ بلکہ اس کے لئے بھی ناگزیر ہے کہ آپ اس قانون کو سمجھیں اور اس کی ساری شرطیں پوری کریں۔ جس کے تحت دنیا میں امامت قائم ہوتی ہے۔ کسی کو ملتی ہے اور کسی سے چھنتی ہے" [1]

نوٹ: پاکیزہ خواہشات، اچھی نیتیں اور نفوس قدسیہ کی برکتیں یہ دولت بے بہا ہرا رے غیرے کو نہیں ملتی۔ یہ خال خال ان فیروز بختوں کا نصیبہ ہے توفیق الٰہی جن کے شریکِ حال رہتی ہے۔ ورنہ آپ جس حقیقت کے انکار پر تلے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے اس کا برملا اعلان بھی کیا ہے۔

ع: نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

—— "آدمی خدا اور رسول اور آخرت کو مانتا ہے یا نہیں؟ طہارتِ نفس اور نیتِ خیر اور عمل صالح سے آراستہ ہے یا نہیں؟ اچھے مقصد کے لئے کام کر رہا ہے یا برے مقصد کے لئے قطع نظر اس سے کہ کسی میں ایمان ہو یا نہ ہو اور اس کی زندگی پاک ہو یا ناپاک اسی کی سعی کا مقصد

---

[1] (اسلامی نظامِ زندگی صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲، بعنوان "امامت کے باب میں خدا کی سنت")

اچھا ہو یا برا، جو شخص اور جو گروہ بھی اپنے اندر وہ اوصاف رکھتا ہوگا۔ جو دنیا میں کامیابی کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ یقیناً کامیاب ہوگا" [۱]

نوٹ :- وہ کامیابی بس آپ اور آپ کی جماعت کو مبارک ہو۔ جہاں کامیابی تو ہو مگر ایمان نہ ہو۔ آپ کی نظر محض اسباب و وسائل پر ہے اور اہل اللہ کی نظر خالقِ اسباب و وسائل پر، ایمان ہی حاصلِ زیست اور خلاصۂ زندگی ہے۔

ع گر بہ مصطفیٰ نہ رسیدی تمام بولہبی است

" مجھے امید ہے کہ آپ نے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ مسلمانوں کی موجودہ پست حالی کا سبب کیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ نہ مادی وسائل سے کام لیں نہ بنیادی اخلاقیات سے آراستہ ہوں اور نہ اجتماعی طور پر ان کے اندر اسلامی اخلاقیات ہی پائے جائیں وہ کسی طرح بھی امامت کے منصب پر فائز نہیں رہ سکتے۔ خدا کی اٹل بے لاگ سنت کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر ایسے کافروں کو ترجیح دی جائے جو اسلامی اخلاقیات سے عاری سہی مگر کم از کم بنیادی اخلاقیات اور مادی وسائل کے استعمال میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو ان کی بہ نسبت انتظام دنیا کے لئے اہل تر ثابت کر رہے ہیں [۲]

نوٹ :- یہ اعتدال کی راہ نہیں ہے۔ جسے آپ نے اختیار فرمایا ہے تصوف اور روحانیت کو منہ چڑھا کر محض اسباب و وسائل پر بھروسہ کرنا ہی افراط و تفریط ہے۔ جماعت مختلف المزاج افراد کا ایک مجموعہ ہے۔ فطرت، قانون اور حقیقتوں سے ٹکرا کر کوئی جماعت نہ زندہ رہی اور نہ رہ سکتی ہے۔ بس جس طرح بد گوشت کا آپریشن تو درست ہے، لیکن جسم کے صالح اور صحت مند حصے پر نشتر زنی نادرست

---

[۱] اسلامی نظام زندگی صفحہ ۲۶۵، بعنوان "تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں"۔ [۲] اسلامی نظام زندگی صفحہ ۲۸۳ بعنوان "بنیادی اخلاقیات"

ہے۔ ایسے ہی نظریات ومعمولات کے خطرناک غلو سے تو روکا جائے گا۔ لیکن حقائق سے منہ موڑ کر زندہ نہیں رہا جاسکتا۔

جہاں ایمان ہی ان حیثیات سے اپنی وسعت وہمہ گیری اور پختگی ومضبوطی میں ناقص ہو، وہاں تقویٰ یا احسان (تصوف) کا کیا امکان ہوسکتا ہے؟ کیا اس نقص کی کسر ڈاڑھیوں کے طول اور لباس کی تراش وخراش یا تسبیح گردانی یا تہجد خوانی سے پوری کی جاسکتی ہے

نوٹ:۔ ڈاڑھی کے طول، لباس کی تراش وخراش، تصوف، تہجد، تسبیح، سے تو یہ کمی پوری نہ ہوگی، شاید کہ سینما کے پردے پر تصویر یں بلکہ جو پرچھائیں نظر آتی ہے اس کی دیکھ بھال اور آنکھوں کے سینکنے سے اس کی تلافی ہوسکے۔

——— «پھر کیا معاذاللہ خدا کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ اپنے وفاداروں کو پہچاننے کی اتنی بھی تمیز نہیں رکھتا جتنی دنیا کے ان کم عقل انسانوں میں پائی جاتی ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بس ڈاڑھیوں کا طول، ٹخنوں اور پائینچوں کا فاصلہ، تسبیحوں کی گردش اور اوراد وظائف اور نوافل اور مراقبے کے مشاغل اور ایسی ہی چند اور چیزیں دیکھ کر دھوکا کھا جائیگا کہ آپ اس کے سچے وفادار اور جان نثار ہیں ——— [1]

نوٹ:۔ آدمی جن چیزوں سے چڑھتا ہے۔ ان کے متعلق اس کا کچھ ایسا ہی انداز ہوتا ہے۔ جیسا کہ مودودی صاحب کا ڈاڑھی، پائینچہ، تسبیح اوراد ووظائف، مراقبے، نوافل سے متعلق ہے۔

اب فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ یہ انداز حقیقت پسندی سے قریب ہے یا چڑھ جانے سے میل کھاتا ہے۔

---

[1] اسلامی نظام زندگی صفحہ ۳۰ بعنوان «احسان»

مودودی صاحب مزید لکھتے ہیں ۔

"آج تین روز سے مرے پاس پرچوں کی بھرمار ہورہی ہے جن میں سارا مطالبہ بس اسی کا ہے کہ جماعت کے لوگوں کی ڈاڑھیاں بڑھوائی جائیں، پائجامے ٹخنوں سے اونچے کرائے جائیں اور ایسے ہی دوسرے جزئیات کا اہتمام کرایا جائے اس کے علاوہ بعض لوگوں کے اس خیال کا بھی مجھے علم ہوا کہ انھیں جماعت میں اس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ جس کو وہ "روحانیت" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر شاید وہ خود نہیں بتا سکتے کہ یہ روحانیت فی الواقع ہے کیا شے، اسی بنا پہ ان کی رائے یہ ہے کہ نصب العین اور طریق کار تو اس جماعت کا اختیار کیا جائے اور تزکیۂ نفس اور تربیت روحانی کے لئے خانقاہوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ ساری باتیں صاف صاف بتاتی ہیں کہ ابھی تک ہماری تمام کوششوں کے باوجود لوگوں میں دین کا فہم پیدا نہیں ہوا ہے [1]

نوٹ :۔ اس گرم تیور کا کوئی جواب نہیں! حق بجانب عرضداشت پر بپھر جانے کا یہ انداز "الامان والحفیظ" پائجامہ، ڈاڑھی، تصوف اور خانقاہ یہ ایسے الفاظ ہیں۔ جنھیں سن کر مودودی صاحب دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں، جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ جماعت کے مخلصین کی درخواست گلے گلے پھاڑ پھاڑ کے اعلان کر رہی ہے کہ جماعت اسلامی روحانیت سے یکسر خالی ہے اور یہ مسئلہ امیر جماعت سے نہیں بلکہ خانقاہ کے اہل اللہ سے طے ہو سکتا ہے۔ لیکن مودودی صاحب اسے کب گوارا کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کا ہو کے خانقاہی ہو جائے۔

شعر :۔ شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت اپنی

---

[1] :۔ اسلامی نظام زندگی صفحہ ۳۴۵، بعنوان "احسان"

"سب سے پہلے ٹھنڈے دل سے اس سوال پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول دنیا میں کس غرض کے لئے بھیجے ہیں؟ دنیا میں آخر کس چیز کی کمی ہے؟ کیا خرابی پائی جاتی تھی۔ جسے رفع کرنے کے لئے انبیاء کے معبوث کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ کیا وہ یہی تھی کہ لوگ ڈاڑھیاں نہ رکھتے تھے اور انہیں رکھوانے کے لئے رسول بھیجے گئے؟ یا یہ کہ لوگ ٹخنے ڈھانکے رہتے تھے۔ اور انبیاء کے ذریعہ انہیں کھلوانا مقصود تھا؟ یا وہ چند سنتیں جن کے اہتمام کا آپ لوگوں میں بہت چرچا ہے، دنیا میں جاری کرنے کے لئے انبیاء کی ضرورت تھی"۔ ؎۱

نوٹ:۔ دین کی کسی بھی بات کو معمولی سمجھ کر اسے ڈال دینا بلکہ اسے صرف معمولی سمجھنا ہی تباہی و بربادی ہے۔ یہ ایک ایسی رسوائے زمانہ عبارت ہے، جسے پڑھ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے، اگر ڈاڑھی آپ کو اپنے چہرے پر ناپسندیدہ ہے اور اتباع شریعت اور سنت کا حکم آپ دوسروں کو نہیں دیتے تو اپنے جرم و خطا کو اپنے ہی تک محدود رکھئے لیکن اس راہ پر چلنے اور چلانے والوں کو مورد طعن نہ بنائیے۔ مذکورہ عبارت میں نہ صرف ڈاڑھی کی اہانت بلکہ بعثت نبوت اور تعلیم رسالت کا بھی استہزاء و استخفاف ہے العیاذ باللہ من ذالک۔

ع خدا محفوظ رکھے اس بلا سے

"دراصل جو باتیں مری اس تقریر کو سننے کے بعد اس گروہ کے لوگوں نے کی ہیں، ان سے تو مجھے یقین حاصل ہوگیا ہے کہ یہ لوگ فی الواقع دین کے کسی کام کے نہیں، یہ کہ ان کا ہمارے قریب آنا، ان کے دور رہنے بلکہ مخالفت کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

؎۱:۔ اسلامی نظام زندگی صفحہ ۳۰۶

آپ خود ہی اندازہ کیجئے کہ جو لوگ قرآن و سنت کے لحاظ سے مرتی تقریر کے اندر کوئی لفظ بھی قابلِ گرفت نہیں بتا سکتے۔ بلکہ اس کے برعکس جو یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ جس چیز کو میں نے دین کا اصل مدعا بتایا ہے۔ واقعی قرآن و سنت کی رو سے دین کا اصل مدعا وہی ہے اور جن چیزوں کو میں مقدم و مؤخر کر رہا ہوں، وہ واقعی مقدم و مؤخر ہیں مگر اس کے باوجود جنہیں مرتی اس تقریر پر اعتراض کرنے اور بد دلی اور رنجش کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ وہ آخر کس قدر و عزت کے مستحق ہیں کہ ان کے جذبات و خیالات کا لحاظ کیا جائے" سلہ

نوٹ :۔ آپ نے قرآن و سنت کا تذکرہ فرمایا لیکن خود اپنی پیش کردہ تیسری دلیل یعنی "حکمت" کو بھول بیٹھے ہو سکتا ہے۔ معترض کی نگاہ میں آپ کی تقریر حکمتِ عملی کے خلاف ہو؟ یہ تو سوال آنا صحیح ہے کہ ان لوگوں کو صحابہ اور محدثین و ائمہ مجتہدین وغیرہ پر اعتراض و تنقید کرنی چاہیئے آپ جیسی تنقید سے بالاتر شخصیت پر اعتراض و تنقید جسارت بے جا نہیں تو اور کیا ہے؟ توبہ ارے توبہ۔

میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے یہاں رائج ہیں۔ آپ کا خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے۔ اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت

سلہ رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۳۹، بعنوان "جزئیات شرع و مقتضیات دین"

قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے۔ جس سے نہایت برے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے [1]

نوٹ:۔ خدا جانے! ڈاڑھی سے مودودی صاحب کو کیوں اتنی نفرت ہے؟ کہ اس کا نام سنتے ہی بادل کی گھن گرج اور بجلی کی تڑپ بن جاتے ہیں۔

مودودی صاحب کے ذہنی بحران کا واحد سبب یہ ہے کہ ڈاڑھی کا صفایا تو چاہتے ہیں۔ مگر کھل کر کہہ نہیں پاتے، اسکی مذمت تو چاہتے ہیں، مگر ہچکچاتے ہیں۔ اس لئے ذہن کی سلامتی سلام کر کے رخصت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ نقل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ اپنی بیتی سے الٹو سیدھا کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں نظری و فکری اضطراب واختلال عبارت کا لازمہ ہے۔

"مغربی علوم و فنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں، بلکہ جواباً میں یہ کہوں گا کہ جہاں تک حقائق علمیہ کا تعلق ہے۔ اسلام ان کا دوست ہے اور وہ اسلام کے لئے دوست ہیں" [2]

نوٹ:۔ مغربی علوم و فنون میں سے بعض ہی نہیں بلکہ سب کے سب مفید ہیں۔ البتہ تصوف اور طریقت کا علم و فن انتہائی خطرناک اور بے حد مضر ہے۔ اسلام جہاں اپنی وسعت پسندی کے تحت مغربی علوم و فنون کا دوست ہے۔ وہیں اپنی روشن خیالی کے پیش نظر مراقبہ اور چلّہ والے فن کا دشمن بھی ہے۔ یہ ہے مودودی شریعت ذرا اور آگے بڑھئے۔

"یورپ کے بہت سے ایسے ممالک ہیں۔ جن میں معاشرتی فلاح کے لئے بہت مفید اور کارآمد سکیمیں جاری ہیں۔ وہاں اجتماعی عدل کے

---

[1]: رسائل و مسائل صفحہ ۲۴۷، ۲۴۸

[2]: تنقیحات صفحہ ۳۳۶ بعنوان "مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل" [illegible]

حصول کے لئے کئی ایک مؤثر تدابیر اختیار کی گئی ہیں، وہاں شخصی آزادی کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے دستور و قانون میں تحفظات موجود ہیں۔ وہاں تعلیم و تعلم کا ایک اچھا نظام رائج ہے۔ وہاں غریب اور پسے ہوئے طبقوں کو اٹھانے کے لئے جدوجہد کی جا رہی ہے۔ وہاں جمہوریت اور جمہوری اقدام کا دلوں میں احترام ہے اور کوئی بڑے سے بڑا آدمی ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہاں لوگوں کا ایک سیاسی اخلاق و کردار ہے اور اسی کے مطابق وہ اپنی اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہاں کے سربراہ کاروں کو اپنے وطن اور قوم سے محبت ہوتی ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں میں اپنی کبریائی کا ٹھاٹھ نہیں جماتے، وہ قوم کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔" [1]

نوٹ:- مندرجہ بالا عبارت کو متعدد بار پڑھنے کے باوجود یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ یہ ضمیر کی آواز ہے یا ڈالر کی جھنکار!

حسب ذیل اقتباس اگرچہ طویل ہے۔ لیکن مغرب نوازی کا مکمل آئینہ دار ہے، اسے غور سے پڑھئے اور مودودی صاحب کے متعلق اپنی جچی تلی رائے قائم کیجئے۔

جس دور میں ہمارے ہاں شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسماعیل شہید پیدا ہوئے اسی دور میں یورپ قرون وسطےٰ کی نیند سے بیدار ہو کر نئی طاقت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور وہاں علوم و فن کے محققین، مکتشفین اور موجدین اس کثرت سے پیدا ہوئے تھے کہ انھوں نے ایک دنیا کی دنیا بدل ڈالی وہی دور تھا جس میں ہیوم، کانٹ، فشتے، ہیگل، کومت، شلائر ماشر

---

[1] ماہنامہ ترجمان القرآن صفحہ ۶۲، ۶۳ بابت جمادی الاول ۱۳۷۵ھ مطابق فروری ۱۹۵۸ء جلد ۴۹، عدد ۵)

اور مل جیسے فلاسفر پیدا ہوئے۔ جنھوں نے منطق و فلسفہ، اخلاقیات، نفسیات اور تمام علوم عقلیہ میں انقلاب برپا کیا۔ وہی دور تھا۔ جب طبعیات میں گیلوینی اور وولٹا علم الکیمیا میں لاوزیر، پرلیسٹلے، ڈیوی ہائی وی اور برزیلیس حیاتیات میں، لینے ہالر، بیشات اور وولف جیسے محققین اٹھے۔ جن کی تحقیقات نے صرف سائنس ہی کو ترقی نہیں دی، بلکہ کائنات اور انسان کے متعلق بھی ایک نیا نظریہ پیدا کر دیا۔ اسی دور میں کوئیس نے مڑگورٹے، آدم اسمتھ اور مالتھس کی دماغی کاوشوں نے معاشیات کا نیا علم مرتب ہوا۔ وہی دور جب فرانس میں روسو، والٹیر، مونٹیسکو ڈینیس ڈلاکیرو، لامیٹری، کیبانیس، بفون، روبنیہ، انگلستان ٹامس پین، ولیم گوڈون، ڈبلو ڈنا ریٹے، جوزف پرلیسٹلے، اراسمس ڈاروں اور جرمنی گوئٹے ہرڈر، شیلر، ولکمان، لسنگ اور بیرن ڈی ہولباش جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ جنھوں نے اخلاقیات، ادب، قانون، مذہب، سیاست اور تمام علوم عمران پر زبردست اثر ڈالا اور انتہائی جرأت و بیباکی کے ساتھ دنیائے قدیم پر تنقید کر کے نظریات و افکار کی ایک نئی دنیا بنا ڈالی۔ پریس کے استعمال اشاعت کی کثرت، اسالیب بیان کی ندرت اور مشکل اصطلاحی زبان کے بجائے عام فہم زبان کو ذریعہ اظہار خیال بنانے کی وجہ سے ان لوگوں کے خیالات نہایت وسیع پیمانے پر پھیلے، انھوں نے محدود افراد کو نہیں بلکہ قوموں کو بحیثیت مجموعی متاثر کیا۔ ذہنیتیں بدل دیں، اخلاق بدل دیئے۔ نظام تعلیم بدل دیا۔ نظریۂ حیات اور مقصد زندگی بدل دیا، اور تمدن و سیاست کا پورا نظام بدل دیا اسی زمانے میں انقلاب فرانس رونما ہوا۔ جس سے ایک نئی

تہذیب پیدا ہوئی۔ اسی زمانے میں مشین کی ایجاد نے صنعتی انقلاب برپا کیا۔ جس نے ایک نیا تمدن، نئی طاقت اور نئے مسائل زندگی کے ساتھ پیدا کیے۔ اسی زمانے میں انجینئرنگ کو غیر معمولی ترقی ہوئی جس سے یورپ کو وہ قوتیں حاصل ہوئیں کہ پہلے دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں قدیم فن جنگ کی جگہ نیا فن جنگ، نئے آلات اور نئی تدابیر کے ساتھ پیدا ہوا۔ باقاعدہ ڈرل کے ذریعہ سے فوجوں کو منظم کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس کی وجہ سے میدان جنگ میں پلٹنیں مشین کی طرح حرکت کرنے لگیں اور پرانے طرز کی فوجوں کا ان کے مقابلے میں ٹھہرنا مشکل ہوگیا۔ فوجوں کی ترتیب اور عساکر کی تقسیم اور جنگی چالوں میں پیہم تغیرات ہوئے اور ہر جنگ کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اس فن کو برابر ترقی دی جاتی رہی۔ آلات حرب میں بھی مسلسل نئی ایجادیں ہوتی چلی گئیں۔ رائفل ایجاد ہوئی، ہلکی اور سریع الحرکت توپیں بنائی گئیں، قلعہ شکن توپیں پہلے سے بہت زیادہ طاقتور تیار کی گئیں اور کارتوس کی ایجاد نے نئی بندوقوں کے مقابلے میں پرانی توڑے دار بندوقوں کو بیکار کرکے رکھدیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یورپ میں ترکوں کو اور ہندوستان میں دیسی ریاستوں کو جدید طرز کی فوجوں کے مقابلے میں مسلسل شکستیں اٹھانی پڑیں اور عالم اسلام کے عین قلب پر حملہ کرکے نپولین نے مٹھی بھر فوج سے مصر پر قبضہ کرلیا۔

معاصر تاریخ کے اس سرسری خاکے پر نظر ڈالنے سے بہ آسانی یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ ہمارے یہاں تو چند اشخاص ہی بیدار ہوئے تھے۔ مگر وہاں قومیں کی قومیں جاگ اٹھی تھیں یہاں صرف ایک جہت میں تھوڑا سا کام ہوا۔ اور وہاں ہر جہت میں ہزاروں گنا زیادہ کام کر ڈالا گیا۔ بلکہ کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہ تھا۔

تعمیر ... تعلیم ... حکما گرو ... شاہ ولی اللہ صاحب اور

ان کی اولاد نے چند کتابیں خاص خاص علوم پر لکھیں جو ایک نہایت محدود حلقے تک پہنچ کر رہ گئیں اور وہاں لائبریریوں کی لائبریریاں ہر علم و فن پر تیار ہوئیں جو تمام دنیا میں چھا گئیں، اور آخر کار دماغوں اور ذہنیتوں پر قابض ہو گئیں، یہاں فلسفہ، اخلاقیات، اجتماعیات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ علوم پر طرح نو کی بات چیت محض ابتدائی اور سرسری حد تک ہی رہی۔ جس پر آگے کچھ نہ ہوا اور وہاں اس دوران میں ان مسائل پر پورے پورے نظام فکر مرتب ہو گئے۔ جنھوں نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ جہاں علوم طبیعیہ اور قوائے مادیہ کا علم وہی رہا جو پانچ سو سال پہلے تھا اور وہاں اس میدان میں اتنی ترقی ہوئی اور اس ترقی کی بدولت اہل مغرب کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ان کے مقابلے میں پرانے آلات و وسائل کے زور سے کامیاب ہونا قطعاً محال تھا۔ حیرت تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانے میں انگریز بنگال میں چھا گئے تھے اور الہ آباد تک اس کا اقتدار پہنچ چکا تھا، مگر انھوں نے اس نئی ابھرنے والی طاقت کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانے میں دہلی کا بادشاہ انگریزوں کا پنشن خوار ہو چکا تھا اور قریب قریب سارے ہندوستان پر انگریزوں کے پنجے جم چکے تھے۔ مگر ان کے ذہن میں بھی یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ آخر کیا چیز اس قوم کو بڑھا رہی ہے اور اس نئی طاقت کے پیچھے اسباب طاقت کیا ہیں۔ سید صاحب اور شاہ اسماعیل شہید جو عملاً اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھے تھے۔ انھوں نے سارے انتظامات کئے۔ مگر اتنا نہ کیا کہ اہل نظر علماء کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ تحقیق کراتے کہ یہ قوم جو طوفان کی طرح

چھاتی چلی جا رہی ہے اور نئے آلات ، نئے وسائل ، نئے طریقوں اور نئے علوم و فنون سے کام لے رہی ہے ۔ اس کی اتنی قوت اور اتنی ترقی کا کیا راز ہے ؟ اس کے گھر میں کس نوعیت کے ادارے قائم ہیں ۔ اس کے علوم کس قسم کے ہیں ، ان کے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے اور اس کے مقابلے میں ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے ۔ [1]

تبصرہ

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز"

کوئی ایمان کے اس مغربی .... سے پوچھنے والا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں سے مقابلہ کرنے اور ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے کون کون سے مجاہدوں کے وفود اور کس کس ترقی یافتہ ممالک میں حالات ترقی اور کامیابی کے راز معلوم کرنے کے لئے بھیجے تھے" الخ [2]

______ "پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس تحریک کو اٹھانے اور چلانے کے لئے خارج میں کسی سامان اور ماحول میں کسی سازگاری کی ضرورت ہے ۔ جس سامان اور جس سازگار ماحول کو یہ لوگ ڈھونڈتے ہیں ۔ وہ نہ کبھی فراہم ہوا ہے نہ فراہم ہوگا ۔ دراصل خارج میں نہیں ۔ بلکہ مسلمان کے اپنے باطن میں ایمان کی ضرورت ہے ۔ اس قلبی شہادت کی ضرورت ہے کہ یہی مقصد حق ہے اور اس عزم کی ضرورت ہے .... کہ مرا جینا اور مرنا اسی مقصد کے لئے ہے ۔ یہ ایمان یہ شہادت ، یہ عزم موجود ہو تو دنیا بھر میں ایک اکیلا انسان یہ اعلان کرنے کے لئے کافی ہے کہ میں زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنا چاہتا ہوں ۔ اس کی پشت پر کسی منظم اقلیت

---

[1] :- تجدید و احیائے دین صفحہ ۱۲۷ ، ۱۲۸ ، بعنوان "تیسرا سبب"

[2] :- [illegible]

یا کسی حکومت خود اختیاری رکھنے والی اکثریت کی قطعاً کوئی حاجت نہیں [1]

تبصرہ

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ابوالمتضاد صاحب مجدّد اعظم مغربی مہدی مودودی سے کوئی پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کہ گذشتہ اقتباس کے آخر میں آنجناب نے سید احمد اور شاہ اسماعیل کے نقائص اور ان کی کمزوریوں اور شکستوں کے اسباب میں تو ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے سارے انتظامات کئے، مگر اتنا نہ کیا کہ اہل نظر علماء کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ تحقیق کراتے کہ یہ قوم جو طوفان کی طرح چھاتی چلی جارہی ہے اور نئے آلات اور نئے وسائل اور نئے طریقوں اور نئے علوم وفنون سے کام لے رہی ہے۔ اسی کی اتنی قوت اور اتنی ترقی کا کیا راز ہے۔ اس کے گھر میں کس نوعیت کے ادارت قائم ہیں۔ اس کے علوم کس قسم کے ہیں۔ اس کے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے اور اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔

اور اب آنجناب یہ فرما رہے ہیں کہ ایک اکیلا انسان ہی کافی ہے۔ جس کی پشت پر نہ کسی منظم اقلیت کی ضرورت ہے اور نہ کسی حکومت خود اختیاری رکھنے والی اکثریت ہی کی حاجت تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اکیلا انسان بیچارہ کس طرح اہل نظر علماء کا وفد یورپ بھیجے گا؟ اور کیسے اس بیچارے اکیلے انسان کو طوفان کی طرح چھا جانے والی بے پناہ اور لامتناہی طاقتوں کا اندازہ ہوگا اور کیسے بغیر کسی طاقت وسامان اور سازگاری ماحول کے کامیاب ہوگا؟

[1] : مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۳۹ بعنوان "اصل مسلمانوں کے لئے ایک راہ عمل"

جب کہ سید احمد اور شاہ اسماعیل جیسے مجاہدین کہ جنھوں نے بقول آنجناب سارے انتظامات کئے مگر اہل نظر علماء کا وفد یورپ نہ بھیج کر شکست کھا گئے اور یہ بھی بقول جناب والا عقل تسلیم نہیں کر سکتی کہ یہ اکیلا انسان محض وظیفوں اور چلّوں اور پھونکوں کے زور سے ہی میدان جیت لے گا۔ یا بددعائیں کر کے ہی ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے ڈال دے گا۔ جیسا کہ گذشتہ اقتباس میں جناب والا اپنے مخصوص اور شائستہ تلبیسانہ انداز میں اظہار فرما چکے ہیں۔ ——— ؎۲

" جماعت اسلامی کوئی مذہبی جماعت نہیں۔ یہ ایک سیاسی تنظیم ہے اور دوسرے لفظوں میں اس جماعت کا مقصد حق طلبی نہیں بلکہ اقتدار طلبی ہے۔ حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کی مکلف نہیں بلکہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے "آیۃ الکرسی" پڑھنے والی جماعت ہے۔ ؎۳

نوٹ :- مندرجہ بالا اقتباس پر مدیر "آفاق" کا ادارہ ملاحظہ فرمائیے۔

اداریہ :-

" حضرت سید مودودی صاحب ایک اونچے پائے کے عالم دین ہیں۔ ان کا مبلغ علم قابل رشک ہے۔ لیکن ان کے مندرجہ بالا ارشاد سے ثابت ہوتا ہے "العلم حجاب الاکبر" والی بات ان پر صادق آتی ہے بلکہ شاید دس کروڑ کی اس آبادی میں ان سے زیادہ کسی پر صادق نہیں آتی۔ ایک عالم کی حیثیت سے وہ اپنے مقام و منصب کی صحیح معرفت رکھتے تو ان کا مقام و منصب جانشین رسول اکرم تھا۔

؎۱ :- یہ جہاد نہیں۔ بلکہ انگریزوں کے ایما پر کچھ اور ہی تھا اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو "خون کے آنسو" ملاحظہ کیجئے۔ ؎۲ : انکشافات -

؎۳ :- اداریہ روزنامہ "آفاق" لاہور، اشاعت مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۶۳ء بحوالہ انکشافات صفحہ ۱۳۵

وہ نبوت و رسالت کی نیابت کے مقام پر تھے۔ لیکن اس میں ان کے لئے شاید یہ دقت تھی کہ علماء کرام کو سیاسی جماعتیں بنانے نہیں آتے۔ اس کا مقصد دنیاوی اقتدار یا حکومت نہیں ہوتا۔ وہ اس سے بہت بلند مقام کے مالک ہوتے ہیں، وہ حکومت اور اقتدار کے لئے سیاسی تنظیم اس لئے نہیں کرتے کہ انھیں کسی سے کرسی اقتدار کسی حیلے سے چھیننی ہوتی ہے بلکہ وہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جب انفرادی کردار کا حسن و جمال کسی قوم کے مزاج عقلی کی بنیاد پر بن جاتا ہے تو حکومت و اقتدار اس قوم کے لئے خود بخود انعام خداوندی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ صاحبان تخت و تاج اور مالکان بخت و باج ان کی بارگاہ تقدس میں عجز و نیاز کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا کام کردار و تہذیب کی تطہیر ہوتا ہے۔ ان کی جماعت وزیروں، گورنروں اور حاکموں کی جماعت نہیں، صالحین صدیقین اور شہداء کرام کی جماعت ہوتی ہے۔ اس جماعت (علماء کرام) کے پیش نظر سیاست نہیں، سیادت و سعادت ہوتی ہے۔ ایسی سیادت و سعادت جس کی گرد راہ میں ہزاروں تاج و تخت ذروں سے زیادہ اہمیت و حیثیت نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کی نگاہ میں تاج و تخت کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اختیار و اقتدار کا خیال بھی ان کے دلوں میں نہیں آتا، وہ بزرگی و بہتری کے آثار تنی ہوئی گردنوں اکڑے ہوئے سینوں اور اڑتے ہوئے پرچموں میں تلاش نہیں کرتے۔ ان کا سرمایۂ فخر و مباہات، کٹی ہوئی گردنیں، چھدے ہوئے سینے اور سینچے ہوئے پیٹ ہوتے ہیں!

وہ (علماء) رضائے نفس کی جگہ رضائے الٰہی کے جویا ہوتے ہیں۔ وہ طلب حصول کی جگہ ترک و ایثار پر نظر رکھتے ہیں، وہ مقامی نہیں

آفاقی ہوتے ہیں، قومی نہیں انسانی فلاح ان کے پیشِ نظر رہتی ہے۔ وہ اپنی جماعت کو سیاسی نہیں "حزب اللہ" کہتے ہیں۔ وہ اقتدار کے پیچھے سرگرداں نہیں ہوتے، اقتدار تو ان کے تقویٰ اور تدبر کے نتیجے میں خود ایک پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں آگرتا ہے۔ وہ صراطِ مستقیم میں قدم بڑھاتے اور ملاتے ہیں۔ حسنات دنیا و آخرت ان کا حق حصہ ضرور ہے۔ لیکن حق و حصے کی اس منزل پر وہ سیاسی راستوں سے نہیں پہنچتے۔ قانون الٰہی کی متابعت ان کا یہ حصہ خود بخود مقرر کر دیتی ہے۔ ان کے لیے سیاست شجرِ ممنوعہ نہیں ہوتی بلکہ ایک پیش پا افتادہ شے ہوتی ہے۔ ان کے یہاں شاہی تصور تاج و تخت کے تصور سے وابستہ نہیں ہوتا ؎

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند　　در شہنشاہی فقیری کردہ اند

ان کی قوت کا راز ووٹ مانگنے یا حاصل کرنے کی مساعی میں نہیں: خدا سے رضائے خدا مانگتے میں ہوتا ہے۔ وہ حصول و وصول دنیا کی پروا نہیں کرتے، اسے اپنی ٹھوکروں میں رکھتے ہیں۔ وہ عوام کا تو کیا، خواص کا سہارا بھی تلاش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود عوام و خواص کا سہارا ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ بے ہمہ ہو کر بھی باہمہ رہتے ہیں۔

یونہی تو نہیں کہا گیا ؎

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہٰ است حسین

اقتدار ان کے پاؤں چومتا ہے وہ اسے ٹھکراتے ہیں، امامانِ فقر کی زندگیاں

پکار پکار کر کہہ رہی ہیں۔ وہ سیاسی نہیں دینی اور خالص دینی ہیں۔ پھر حضرت مولانا مودودی کس منہ سے فرماتے ہیں کہ ان کی جماعت دینی نہیں سیاسی ہے؟ اور یہ فرما کر وہ کس کو فریب دے سکتے ہیں؟"

(مدیر)

تبصرہ "اس اداریئے"، "آفاق" اخبار کے خط کشیدہ غیر شعوری بیان ہیں جس ضمیر فروشی کا ثبوت ابوالاختلاف مودودی نے دیا ہے۔ کیا اس کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ کسی معمولی پڑھے لکھے انسان سے تو کیا ایک جاہل قسم کے رند طاآپ اور ناآشنا لیڈر سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ پریس کانفرنسوں کو اخبارات کے لئے ایسے غیر شعوری اور ایمان سوز بیانات دیگر ہر خاص و عام میں اپنی رسوائی کے خود سامان پیدا کرے۔"

ماہنامہ "ترجمان القرآن" بابت جون تا اگست ۱۹۴۱ء (۲)
حقوق الزوجین صفحہ ۲۷ بعنوان "ایک جدید مجموعہ قوانین کی ضرورت"

مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

"قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گنہگاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اس لئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی سنت تمہارے پاس اس لئے تھی تم اسے کو لئے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہوتے رہیں۔ ہم نے اپنے دین کو آسان بنایا تھا۔ تم کو کیا حق تھا کہ اسے مشکل بنادو؟ ہم نے تم کو قرآن اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ تم پر

کس نے فرض کیا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو؟ ہم نے ہر مشکل کا علاج قرآن میں رکھا تھا تم پیسے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لئے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو؟ اس بازپرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی۔ البتہ جہلا کو یہ جواب دہی کا موقع ضرور مل جائے گا کہ

"رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ؕ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ؕ"

تبصرہ

غور فرمایا آپ نے اس پیغمبرانہ انداز بیان اور پیغمبرانہ وعید پر؟ ابوالمجدد صاحب مودودی کا جن لوگوں کو گہرا مطالعہ نہیں ہے وہ صرف اسی غم میں مبتلا ہیں کہ ابوالمجدد صاحب مودودی "مہدی" ہونے کا اعلان کرنے والے ہیں؟

آیت کا ترجمہ (اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی انھوں نے ہم کو صحیح راہ سے گمراہ کیا! اے ہمارے رب ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت فرما)

درحقیقت ان کفار و مشرکین کے حق میں ہے کہ جب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو وہ اپنے بڑوں سے بیزاری کا اظہار اور اعلان ان الفاظ میں کریں گے لیکن مودودی نے "کنز الدقائق" "ہدایہ" و "عالمگیری کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو ان کفار و مشرکین کی صف میں کھڑا کر دیا، حالانکہ یہ وہ کتابیں ہیں۔ جن کو تمام مجددین زمانہ اور محدثین و فقہائے امت نے قرآن و حدیث تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھ کر ہی پڑھا اور پڑھایا۔ لیکن مودودی علماء اور

فقہاء پر جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو ہی پڑھو۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

ــــــ "جو حضرات اس قسم کے شبہات کا اظہار کر کے بندگان خدا کو جماعت اسلامی کی دعوت حق سے روکنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ میں نے ان کو ایک ایسی خطرناک سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جس سے وہ کسی طرح رہائی حاصل نہ کر سکیں گے، اور وہ سزا یہ ہے کہ انشاء اللہ میں ہر قسم کے دھبوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اپنے خدا کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور پھر دیکھوں گا کہ یہ حضرات خدا کے سامنے اپنے ان شبہات کی اور ان کو بیان کر کے لوگوں کو حق سے روکنے کی کیا صفائی پیش کرتے ہیں" ــــــ لہ

نوٹ ــــ شاید کہ یہ لکھتے وقت مودودی صاحب کو یاد نہ رہا کہ یہ جماعت اسلامی کا آفس ہے یا میدان محشر؟ جس آفس کی نمایاں کارگزاری یہ ہے کہ اپنی من مانی تاویلات کو نص قرآنی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کوثر نیازی کے خط اور مکتوب میں گزر چکا۔ داور محشر کے حضور حاضری کا جذبہ انتقام مشتعل تو کر رہا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو۔

؏ :۔ مجرم ان کو سمجھتا تھا قصور اپنا نکل آیا

تبصرہ ان دونوں اقتباسات میں ابوالوعید صاحب مودودی نے وعیدی انداز بیان میں اپنے مبعوث من اللہ ہونے کو جس خوبصورتی کے ساتھ ناقابل تردید پیرائے میں ظاہر فرمایا ہے کیا اس کے بعد بھی کسی قسم کے دعویٰ کرنے کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے۔

"تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں
خوب پہچانتے ہیں چور کو تھانے والے

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے
مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن
میں ایک قوی الاسناد کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے یا جن
میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں،
یہی حال امام مالک کا ہے۔ باوجودیکہ اخباری نقطۂ نظر ان پر زیادہ غالب
ہے۔ مگر پھر بھی ان کے تفقہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی
احادیث کے خلاف فتویٰ دینے پر مجبور کر دیا جنھیں محدثین صحیح قرار دیتے
ہیں۔ چنانچہ لیث بن سعد نے ان کی تفقہ سے تقریباً ستر مسئلے
اس نوعیت کے نکالے ہیں، امام شافعی کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ
مختلف نہیں" ــــــــ ۱؎

نوٹ ــــ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ "احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہ ان کے اصحاب کچھ یا یہ کہ امام صاحب کے تفقہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتویٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ جنھیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں" یہ نہ صرف اجتہاد اور تفقہ فی الدین سے ایک قسم کی کھلی بغاوت ہے۔ بلکہ اپنی کج فہمی اور ناواقفیت کا بھی برملا اعلان ہے۔ فقہی مسائل کی تعبیر قطعاً غلط ہے کہ مجتہد نے حدیث کے خلاف فتویٰ دیا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ جبکہ مجتہد مسائل کے استخراج و استنباط میں قرآن و سنت ہی کو ماخذ قرار دیتا ہے۔ ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو فقہ کی بنیادی حیثیت ہی ناقابل تسلیم قرار دے دی جائے۔ چونکہ مجتہدین کے بنیادی اصول میں کہیں کہیں اختلافات ہیں۔ جس کا اثر مسائل پر پڑنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ اسی اختلاف کا یہ ثمرہ ہے کہ بسا اوقات بعض احادیث امام شافعی کی نظر میں قوی الاسناد ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ کی نظر میں ضعیف الاسناد ہیں۔ اب خواہ کوئی قوی الاسناد کو ماخذ قرار دے یا جو بظاہر ضعیف الاسناد

ہے اسے اپنا ماخذ بنائے لیکن کسی ایک پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ اس نے حدیث کے خلاف فتویٰ دیا۔ چونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید حرام ہے۔ اس لئے ان کے اصول کی ذیلی دفعات ایک کی دوسری سے مزاحم ہوسکتی ہے۔ جو ان کے اپنے منصب سے متعلق ہے، لیکن ایک مقلد اگر یہ کہہ کر گزرجانا چاہئے تو اس کی حیثیت چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا اور کچھ نہیں۔ مودودی صاحب نے لکھا ہے :۔

——— " افسوس ہے کہ مدتوں کی چلی ہوئی اس روش کو چھوڑنے پر ہمارے علماء کرام کسی طرح راضی نہیں ہوتے۔ انھوں نے اصل اور فرع، نص اور تاویل کے فرق کو نظر انداز کردیا ہے۔ وہ ان فروع کو بھی اصول بنائے بیٹھے ہیں۔ جن کو انھوں نے خود یا ان کے اسلاف نے اپنے مخصوص فہم کی بناء پر اصول سے اخذ کیا ہے۔ وہ ان تاویلات کو بھی نصوص کے درجے میں رکھتے ہیں۔ جو نصوص سے معانی اخذ کرنے میں ان کے گروہ نے اختیا طکی ہیں ——— لے

نوٹ ——— سلامتی اسی میں ہے جس روش پر علماء حق چلے آرہے ہیں۔ ورنہ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ آپ چاہ رہے ہیں تو اب تک ایک نیا اسلام اور نئی شریعت ہر صدی بعد منصۂ شہود پر آگئی ہوتی۔

——— البتہ اسلام کے حق میں اس رکاوٹ کو جس چیز نے شدید تر رکاوٹ بنادیا ہے۔ وہ ہماری یہ جامد اور بے روح مذہبیت ہے جسے آجکل اسلام سمجھا جارہا ہے اس بے روح مذہبیت کا پہلا بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں اسلام کے عقائد محض ایک دھرم کے مزعومات بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں ....

دوسرا بنیادی نقص اس فسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی

شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہد گزشتہ کی ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے اور اسلام کی تعلیم دینی والی درسگاہ آثارِ قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہو گئی"۔۔۔۔ ؎۱

۔۔۔۔ "عبادات اور چند خاص مذہبی اعمال اس بے گناہ زندگی کا کفارہ ہیں۔ بس ان ہی کو پورے انہماک سے ٹھیک ناپ تول کے ساتھ انجام دیتے رہنا چاہیے" تاکہ آخرت میں نجات حاصل ہو۔ اس ذہنیت نے انبیاء کی امتوں میں سے ایک گروہ کو مراقبہ، مکاشفہ، چلہ کشی وریاضت اور اوراد و وظائف احزاب و اعمال (یعنی عملیات کو جن سے بڑھ کر بے عملی کی کوئی صورت انسانی ذہن نے آج تک ایجاد نہیں کی) اسیر مقامات (یعنی مقامات روحانی) اور حقیقت کی فلسفیانہ تعبیروں (یعنی وحدۃ الوجود) کے چکر میں ڈال دیا۔۔۔۔ ؎۲

نوٹ:۔۔۔ ہمیں اس کا اعتراف ہے۔ مغربیت کے جس چکر میں آپ مبتلا ہیں۔ اس میں مراقبہ، مکاشفہ، ڈاڑھی، پائینچہ، تسبیح، تہجد، چلہ کشی، ریاضت، احزاب و اعمال اور اوراد و وظائف کو جگہ مل ہی نہیں سکتی، تو ہماری یہ درخواست ہے کہ آپ الیکشن، صدارتی انتخاب، بیت المال کا خزانہ چھوڑ کر کسی گوشۂ عافیت میں اللہ اللہ کرنے کے لیے ابھی تشریف ارزانی فرمائیں، نہ آپ کو اتنی فرصت ہے اور نہ ہی آپ کا نفس اس کی اجازت دے سکتا ہے۔ البتہ یہ گزارش ضرور کی جائے گی کہ اللہ کے وہ نیک بندے جو اس کی یاد میں لگے ہیں انھیں خواہی نخواہی اپنے تیرِ ملامت

؎۱ :۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۸۵، ۱۸۶ بعنوان "مشکلات کا جائزہ"

؎۲ :۔ (تجدید و احیاء دین صفحہ ۲۵، ۲۶ بعنوان جاہلیت راہبانہ")

کا نشانہ بھی نہ بنایئے ورنہ داورِ محشر کے حضور صرف آپ ہی کو بولنے کا تنہا اختیار نہ ہوگا۔ اگر اللہ والوں کی زبان کھل گئی تو آپ اور آپ کی جماعت کا کیا عالم ہوگا؟

"میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ علماء کرام وقت کے رجحانات سے منہ موڑ کر بیٹھ جائیں اور اس عمل کو بالکل بھول جائیں کہ وہ ہدایہ اور ہدائیہ کے زمانۂ تصنیف میں نہیں بلکہ نت نئی سائنٹیفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں۔ اس دور میں روز بروز نئے مسائل کا پیدا ہونا لابد ہے اور ان مسائل کو ہدایہ و ہدائیہ کی روشنی میں حل کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کا خطرہ نوجوان سائل نے اپنے استفسار میں ظاہر کیا ہے۔ ہماری نئی نسلیں شدت کے ساتھ اپنے زمانے کے حالات سے متاثر ہو رہی ہیں اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ زمانہ اپنی طبعی رفتار سے جو حالات اور مسائل پیدا کر دے۔ ان سے وہ قوم یکسر بے تعلق ہو کر رہے جو کروڑوں کی تعداد میں دنیا کے ہر حصے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان نئی نسلوں میں اگر کوئی غیر اسلامی رجحان پیدا ہو تو اس کو روکنے کے لئے علماء اسلام کے پاس وہ طاقتور دلائل چاہئیں جو اس زمانے کے دماغوں سے اپنا لوہا منوا سکتے ہوں۔ چھٹی صدی ہجری کی منطق اب کام نہیں دے سکتی اور اگر یہ لوگ جدید تمدنی زندگی میں، اسلام کی شاہراہ پر آگے بڑھنا چاہیں تو ان کی رہنمائی کے لئے علماء اسلام میں وسعت نظر اور روحِ اجتہاد کی ضرورت ہے۔ قدم قدم پر عالمگیری اور تاتارخانی کو لا کر سدِ راہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانے کے مسلمان قرآن و حدیث کو بھی پیچھے چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے گا چل نکلیں گے

جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے۔ــــــــ [1]

ــــــــ "یہ تعلیم جو آپ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جا رہی ہے۔ غیر اسلامی حکومتوں کے لئے جو سیکرٹری اور وزراء تک فراہم کر سکتی ہے۔ مگر پرانہ مانیے اسلامی عدالتوں کے لئے چپراسی اور اسلامی پولیس کانسٹیبل تک فراہم نہیں کرسکتی اور یہ بات جدید تعلیم ہی تک محدود نہیں ہے۔ ہمارا وہ پرانا نظام تعلیم جو حرکت زمین کا سرے سے قائل ہی نہیں ہے وہ بھی اس معاملہ میں اتنا ناکارہ ہے کہ اس دور جدید میں اسلامی حکومت کے لیے ایک وزیر، ایک وزیر جنگ، ایک ناظم تعلیمات اور ایک سفیر بھی مہیا نہیں کرسکتا [2] مودودی صاحب "ایک طرف ترکی قوم میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتداء ہو رہی تھی دوسری طرف ترکی کے علماء اور مشائخ تھے۔ جو اب بھی ساتویں صدی کی فضا سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے جمود، ان کی تاریک خیالی، ان کی رجعت پسندی اور زمانے کے ساتھ حرکت کرنے سے ان کے قطعی انکار کا اب بھی وہی حال تھا۔ جو سلطان سلیم کے زمانے میں تھا۔ وہ اب بھی کہہ رہے تھے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حالانکہ ان کی آنکھ کے سامنے الحاد کا دروازہ کھل رہا تھا۔ وہ ابھی تک فلسفہ و کلام کی وہی کتابیں پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھے جن کو پھینک کر زمانہ پانچ سو برس آگے نکل چکا تھا۔ وہ اب بھی اپنے وعظوں میں قرآن کی وہی تفسیریں اور وہی منیعت حدیثیں سنا رہے تھے جن کو سن کر سو برس پہلے تک کے لوگ سر دھنتے تھے مگر آج کل کے دماغ ان کو سن کر صرف ان مفسرین و محدثین ہی سے نہیں بلکہ خود قرآن و

---

[1] :- تفہیمات جلد دوم صفحہ ۳۰۸، بعنوان "آلہ جبر الصوت کا استعمال")

[2] :- مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۲۲، بعنوان "خام خیالیاں")

حدیث سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں، وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کئے جائیں گے جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں خواہ اس اصرار کا نتیجہ یہی کیوں نہ ہو کہ ترک قوانین کے اتباع سے بھی آزاد ہو جائیں جو قرآن و سنت رسول میں مقرر کئے گئے ہیں ——— ؎۱

(تنقیحات ص۱۲۹)

——— "ترکی تاریخ کے ان تحولات سے جو لوگ واقف ہیں وہ عجیب عجیب غلطیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ پرانے مذہبی خیال کے لوگ نوجوان ترکوں پر کفر اور فسق کے فتوے لگا بیٹھے ہیں۔ مگر ان کو خبر نہیں کہ نوجوان ترکوں سے زیادہ گنہگار تو ترکی کے علماء و مشائخ ہیں"۔ (مودودی صاحب)

نوٹ ——— علماء و مشائخ تو بغیر کسی جرم و خطا کے آپ کی نظروں میں گنہگار ہیں۔ ان کا یہی جرم کیا کم ہے کہ وہ ایڈووکیٹ اور لیڈر نہیں بلکہ مولوی اور صوفی ہیں۔

——— "اس کے ساتھ علوم اسلامیہ کو بھی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجئے بلکہ ان میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجئے، ان کی اصل اسپرٹ دلوں میں اتار دیجئے اور ان کا صحیح تدبر دماغوں میں پیدا کیجئے۔ اس غرض کے لئے آپ کو بنا بنایا نصاب کہیں نہ ملے گا۔ ہر چیز از سر نو بنانی ہو گی۔ قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں، ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن و سنت کے مغز کو پا چکے ہوں۔ اسلامی قانون کی تعلیم بھی ضروری ہے۔

(؎۱ تنقیحات صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، بعنوان یہ ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش سے)

مگر یہاں بھی پرانی کتابیں کام نہ دیں گی ——— ۱؎

نوٹ ——— مذکورہ بالا اقتباس پر حسب ذیل سوالات ہیں۔

۱:۔ اگر حدیث کا پرانا ذخیرہ نہ چاہیئے تو نئی حدیث کے لئے نیا پیغمبر چاہیئے، مسئلہ خاتم النبیین پر ضرب آتی ہے۔

۲:۔ متاخرین کی آمیزشوں کو ہم چھوڑ دیں لیکن آپ کا جدید اضافہ قبول کیا جائے یا نہیں؟ اگر کیا جائے تو کیوں؟

۳:۔ اس غرض کے لئے بنا بنایا نصاب تعلیم کہیں نہ ملے گا۔ ہر چیز از سرِ نو بنانی ہوگی۔ اسے کون بنائے گا۔؟

۴:۔ تفسیر کے پرانے ذخیرے اگر بیکار ہیں تو کیوں؟ اور نیا کارآمد ہوگا تو کیوں؟

۵:۔ جو قرآن وسنت کا مغز پا چکے ہیں، ان کی نشاندہی بھی کر دیجئے کہ ایسے افراد درسگاہ جماعت اسلامی کے علاوہ بھی کہیں ہیں یا نہیں؟

——— "جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن اور سنت تک بلا واسطہ دسترس حاصل نہ کرے گا اسلام کی روح کو نہ پا سکے گا نہ اسلام میں بصیرت حاصل کر سکے گا۔ وہ ہمیشہ مترجموں اور شارحوں کا محتاج رہے گا" ۲؎

نوٹ ——— اپنی درسگاہوں کو تراجم، تفاسیر، شروح، حواشی سے خالی کر کے تجربہ کیجئے، پھر دوسروں کو دعوتِ عمل دیجئے یا کھل کر یہ کہہ دیجئے کہ بغیر آپ کو واسطہ بنائے کوئی اسلام کی روح نہیں پا سکتا! گول مول بات کرنے سے کیا فائدہ؟

قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر ہو۔ جس نے قرآن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پہ قرآن

(۱؎ :۔ حوالہ بالا صفحہ ۲۴۴، ۲۴۵ بعنوان "ہمارے نظام تعلیم کا بنیادی نقص)

۲؎ :۔ تنقیحات صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱، بعنوان "مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی و لائحہ عمل)

پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو، وہ اپنے لکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کردے گا۔ پھر بی اے میں پورا قرآن اس طرح پڑھا دے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے ——— لہ

نوٹ ——— بالکل صحیح فرمایا آپ نے! "قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں" البتہ آپ کے ترجمان القرآن کی ساری دنیا محتاج ہے۔ جبھی تو آپ اس کے پیچھے پڑے ہیں۔

" چند ایسے فضلا کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جو مذکورہ بالا علوم پر جدید کتابیں تالیف کریں۔ خصوصیت کے ساتھ اصول فقہ، احکام فقہ، اسلامی معاشیات، اسلام کے اصول عمران اور حکمت قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قدیم کتابیں اب درس وتدریس کے لئے کارآمد نہیں ہیں...... ؎ ۲

نوٹ ——— فضلاء کو تو جانے دیجئے۔ اپنی جماعت کے افضل الفضلاء ہونے کی حیثیت سے قدیم کتابوں کا سہارا لئے بغیر آپ ہی اصول فقہ اور احکام فقہ پر لکھکر اپنے کو آزما لیجئے۔ پھر پتہ چل جائے گا کون کتنے پانی میں ہے۔

تبصرہ ابوالالحاد صاحب مجددِ اعظم مودودی سے کیا کوئی پوچھنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ جناب نے اقتباس گذشتہ میں بہ شانِ پیغمبر بطور وعید فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز پوچھے گا کہ تم کو کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو

لہ :- حوالہ بالا صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳ بعنوان "مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل"

کہ :- ایضاً صفحہ ۳۴۴، بعنوان بالا،

کافی سمجھو؛ لیکن یہاں اس اقتباس میں جناب فرما رہے ہیں کہ اصول فقہ اور احکام فقہ وغیرہ جدید کتابیں تالیف کرانے کے لئے چند فضلاء کی خدمات حاصل کی جائیں تو کیا یہ فضلاء انسانوں کے علاوہ اللہ کی کسی دوسری مخلوق میں سے ہوں گے؟ اور قیامت کے دن احکم الحاکمین کے دربار میں اگر مواخذہ ہوگیا تو ان فضلاء کے دامنوں میں بھی پناہ مل سکے گی یا نہیں؟ جیسا کہ جناب والا نے اقتباس گذشتہ کے آخر میں باخبر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بازپرس سے امید نہیں کہ قیامت کے دن کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ وغیرہ کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی۔"

صحابہ کرامؓ کے متعلق دریدہ دہنی

قارئین کرام!

آگے نہ صرف پڑھیئے بلکہ ذہن نشین کر لینے کے بعد صحابہ کرام سے بے اعتنائی اور ان کی بارگاہ میں دریدہ دہنی و گستاخی کے چند در چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے!

نظامی

امیر جماعت (مولانا مودودی) یا اپنے مقامی "امیر جماعت اسلامی" کے احکام و منشاء سے بے اعتنائی برتنا ویسا ہی گناہ ہے۔ جیسے کہ خدا اور رسول کے احکام و منشاء سے بے اعتنائی برتنے کا گناہ ہوتا ہے۔ [1]

تبصرہ میں مودودی جماعت کے اُن کذاب اور دشمن دین وایمان، وظیفہ خوار اور دجال قسم کے کورا ایمان، لوگوں سے پوچھتا ہوں جو عموماً قابل گرفت اور ناقابل تردید اعتراضات کے جوابات میں جب لاجواب ہو جاتے ہیں تو فوراً عزت بچانے کے لیے، شاطرانہ طریقے سے کہا کرتے ہیں کہ "چھوڑیئے مولانا مودودی کو آپ جماعت کی بات کریں، ہم مولانا مودودی کے مقلد نہیں ہیں، ہمارا تعلق جماعت اسلامی سے ہے۔ مولانا مودودی کی ذات سے نہیں"۔ کیا وہ لوگ اس قسم کے پُر دجل جوابات سے خدا اور خدا کے نیک دیندار بندوں کو دھوکا نہیں دیتے جبکہ یہ عقیدہ ان کی جماعت کے بنیادی عقائد میں شامل ہے اور کیا سادہ لوح عوام کو یہ کہکر دھوکا نہیں دیا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں جس امیر کی اطاعت کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں جس امیر کی اطاعت کی یہ تعریف کی گئی ہے، وہ اس امیر کی اطاعت کا حکم ہے کہ جو صاحب اقتدار اور صاحب عدالت ہو اور کافروں کے مقابلے کے لئے فوج اور اس کے تمام متعلقہ انتظامات بھی رکھتا ہو اور اللہ کے دین کی حقیقی معنوں میں سربلندی چاہتا ہو، نہ کہ مودودی کی طرح در پردہ انہدام دین میں معروف و سرگرداں ہو اور رات دن نہ صرف حاملان دین یعنی اولیائے کرام، محدثین، فقہاء امت،

---

[1] ماہنامہ ترجمان القرآن بابت مئی ۱۹۴۶ء، جلد ۲۸، عدد ۲، صفحہ ۳ بعنوان "اطاعت امر"

صحابۂ کبار اور انبیاء عظام کے خلاف نقائص ہی تلاش اور بیان کرنے میں مصروف و منہمک رہتا ہو۔ بلکہ قرآن کریم کے معانی اور مفہوم میں تحریف، تغیر اور حدود اللہ کی تردید و تنسیخ کرنے میں بھی جھجک محسوس نہ کرتا ہو اور جس کو نہ صرف حصول اعزاز و اکرام ہی کی بدہضمی ہوگئی ہو بلکہ دین و دنیا کے ہر دور، ہر زمانے، ہر طبقے، ہر گروہ، ہر شعبے، ہر مذہب اور ہر مسلک کی بڑی سی بڑی شخصیتوں کی عیب جوئی کا ہیضہ بھی ہو! حدیث شریف میں تو ایسے باطل امیروں کی بیخ کنی کرنے اور ان سے بچنے اور بچانے کا حکم ہے"۔ ——— لہ مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

——— "رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجے میں ہو اس کو اسی درجے میں رکھے"۔ ——— ۲ـہ

نوٹ ——— مندرجہ بالا اقتباس نہ تو قرآن کی کسی آیت کا ترجمہ ہے اور نہ ہی کسی حدیث کا، ایک ایسے غیر نبی کے ذہن کی پیداوار ہے۔ جو خود ہی معیار حق نہیں، اس لئے ایسے غیر معیاری انسان کی لایعنی بات پر توجہ دینے سے کیا فائدہ معیار حق تو سرور کونین روحی فداہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و صحابہ کی ذات گرامی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک میں تلاش کیا جائے کہ اپنے عشرۂ مبشرہ اصحاب بدر وغیرہ سے متعلق کیا ارشاد فرمایا ہے آیا یہ کہ ان پر تنقید کی جائے اور ان کی ذہنی غلامی نہ کی جائے یا اس کے سوا کچھ اور؟

لہ :۔ روئیداد اجتماع جماعت اسلامی حصہ چہارم، آن صفحہ ۱۳۹، ۱۵۰

۲ـہ :۔ دستور جماعت اسلامی پاکستان صفحہ ۲۳، "بعنوان "عقیدہ"

مثلاً اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم وغیرہ کے متعلق لکھا ہے :۔

"معیاری مسلمان تو در اصل اس زمانے میں بھی رہے تھے اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن اور حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کے رگ و پے میں قرآن کا علم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہو گا ۔۔۔۔ [1]

نوٹ ۔۔۔ چونکہ یہ ایک غیر معیاری انسان کی کہی ہوئی بات ہے اس لئے یہ تلاش کیجئے کہ حق یہیں ہے یا کہیں اور ؟

تبصرہ خط کشیدہ جملہ "اب بھی وہی ہیں" ذرا غور سے پڑھیئے اور سمجھئے کہ ابوالمعیار مودودی کیا چیز ذہن نشین کرانا چاہتا ہے ؟ کیا "اب بھی وہی ہیں" کا مطلب صاف اور صریح نہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت قطعاً بے معنی ہے ۔ جبکہ "معیاری مسلمان" اس وقت بھی اسی وقت کی طرح بن سکتا ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت پانے ہوئے اصحاب بہمہ صورت ناقابل معیار ہوئے "

صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں :۔

"۔۔۔ انسان کے ذاتی جذبات قومی اور خاندانی جذبات سے کہیں زیادہ عزیمت شکن اور بے پناہ ہوتے ہیں ، جب غیرت اور حمیت کا طوفان جوش مارتا ہے تو بڑے سے بڑے ارباب عزم و متانت کے پاؤں بھی اسی کی زد میں اکھڑ جاتے ہیں ۔ نفس کا یہ سب سے کامیاب

---

[1] :۔ تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۱۹ بعنوان " حدیث کے متعلق چند سوالات "

اور خطرناک وار ہے جسے روکنے کے لیے نبوت کا استقلال چاہئے
اسلام کی بلند نظری اور حق پسندی یہاں اپنے انتہائی کمال پر
پہنچ جاتی ہے۔ اگرچہ "غیرت" "انسانیت" کا ایک بہترین جوہر ہے لیکن
اسلام اسے بھی آزاد نہیں چھوڑتا اسے بھی اپنے تابع بناتا ہے۔ اسے اعتدال
کی حدود سے باہر نہیں جانے دیتا اور انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ کبھی
بھی نفس کے رجحانات سے مغلوب نہ ہو جو کچھ کرے نفسانیت اور جذبات
سے عاری ہو کر محض خدا کے لئے اس کی رضا جوئی کے لئے اور اس کے
نظام عدل کی برقراری کے لئے کرے، اسلام کا یہ نازک ترین مطالبہ
ہے کہ ایک تربیت صدیق اکبر جیسا بے نفس، متورع اور سراپا للّٰہیت،
انسان بھی اس کو پورا کرنے سے چوک گیا۔ ــــــ ۱؎

نوٹ ــــــ رسول خدا کے چہیتے اور مقبول صحابی حضرت سیدنا صدیق اکبر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان گرامی میں یہ ایک ناروا جسارت ہے۔ ان کے فضائل و
محاسن ہی اتنے ہیں کہ ان کے سمیٹنے میں زندگی ختم ہو جائے۔ اس رخ کو چھوڑ کر ان
کے نقائص اور کمزوریوں کی تتبع و تلاش، یہ ایمان کی کمزوری اور خبث باطن کی
واضح دلیل ہے۔ خدا قدیر اپنے اسلاف و اکابر کا ہمیں نیاز مند و عقیدت کیش
بنائے، ان کی بارگاہ کا سرپھرا نہ بنائے۔

صدر الدین اصلاحی نے مزید لکھا ہے:
لیکن دنیا تو ہر بلندی کے آگے سرٹیک دینے کی خوگر تھی
اور ہر بزرگ انسان کو مقام بشر سے کچھ نہ کچھ برتر ہی سمجھتی آرہی تھی
چنانچہ اس تخیل کا اثر ملتے ملتے بھی کبھی کبھی نمایاں ہو جاتا تھا۔ غالباً
یہ ہی شخصی عظمت کا تخیل تھا۔ جس نے رحلت مصطفوی کے وقت

اضطراری طور پر حضرت عمر کو مغلوب کر لیا تھا......لیکن ان تمام تصریحات کے باوجود اس جگر گداز خبر کو سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، حضرت عمر جیسا تربیت یافتہ مسلمان بھی وفور جذبات میں توازن کھو دیتا ہے، تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتا ہے کہ قضائے الٰہی کے سامنے بالا و پست سب ایک ہیں اور حیران ہو ہو کر سوچتا ہے کہ اتنی بڑی ہستی کس طرح اس معمولی انداز میں گزر جا سکتی ہے۔ پیغمبرانہ شخصیت کی بزرگی کا جو سکہ نفس میں مرتسم تھا اس کی بنا پر وہ آپ کی وفات کا یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔۔۔ دیکھئے اسی اقتباس کا صاف اور واضح مطلب اور خلاصہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے یعنی حضرت عمر کے قلب سے وہ جذبہ اکابر پرستی جو زمانہ جاہلیت کا پیداوار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات تک بھی پوری طرح محو نہ ہوا تھا اور آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ابھر ہی آیا"۔ —— لہ

نوٹ —— سرورِ کونین سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے پر حضرت سیدنا فاروق اعظم کا مضطربانہ سوال ان کے وفور عشق و محبت کا نتیجہ تھا یا اسی جذبۂ اکابر پرستی کا جو زمانۂ جاہلیت کا پیداوار تھا (معاذ اللہ) ان دو تعبیروں میں جو زیادہ مناسب ہو اسے ناظرین قبول کر لیں۔ یہ بات کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے کہ فاروق اعظم جیسے جلیل القدر صحابی، خدا، قدیر کے سوا کسی غیر خدا کے حی و قیوم ہونے کے قائل تھے۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے۔ اس نوع کے اچانک حادثے پر بطور اضطرار ایسے جملے زبان پر آ ہی جاتے ہیں۔

لہ:- ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ربیع الثانی ۷۵ھ جلد ۱۲، عدد ۴، ص ۲۸۸۔

بس یہی کچھ حال حضرت فاروقِ اعظم کا بھی تھا کہ جذبۂ اکابر پرستی جو زمانہ جاہلیت کا پیداوار تھا۔ وہ عود کر آیا تھا۔

"مگر ایک طرف حکومتِ اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے ان کے زمانہ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماع کے اندر گھس آنے کا موقع مل گیا حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور انھوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر ان کی جان کی قربانی بھی اسس انقلابِ معکوس کو نہ روک سکی ـــــ لـه

نوٹ ـــــ جہت تقابل میں یہ اعتدال کی راہ نہیں کہ کسی صحابی کی تنقیص کی جائے مذکورہ بالا اقتباس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اسلام کی کوئی مخلصانہ خدمت نہیں، بلکہ اس پردے میں خود اسلام کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی ہیں۔ خداوند کریم اصلاح و ہدایت مرحمت فرمائے اور لوگوں کو یہ سمجھنے کی توفیق دے کہ یہ تحریک قبول کرنے کے لائق ہے یا اس سے اجتناب وگریز ضروری ہے

مودودی صاحب نے لکھا ہے :-

"اسلام کی عاقلانہ ذہنیت کسی خفیف سے خفیف غیر اسلامی جذبہ کی شرکت بھی گوارا نہیں کر سکتی اور اس معاملے میں اس قدر نفس کے

لـه :- تجدید و احیاء دین صـ۳۴ ، بعنوان "جاہلیت"

میلانات سے متنفر ہے کہ حضرت خالد جیسے صاحب فہم انسان کو بھی اس کے حدود کی تمیز مشکل ہوگئی ——— ۱؎

نوٹ ——— اسلام کی عاقلانہ ذہنیت بس یہ ہے کہ صدیق اکبر، فاروق اعظم عثمان غنی، حضرت خالد اور عام صحابہ پر تبرا کیا جائے کوئی چوک گیا۔ کوئی حدود کی تمیز نہ کر سکا کسی میں خصوصیت کی کمی تھی، کسی میں جاہلیت کا جذبہ عود کر آیا تھا بس ایک مودودی صاحب ستھرے ہیں جو نہ چوکتے ہیں نہ بھولتے ہیں۔

صدر الدین اصلاحی نے لکھا ہے:۔

"اس تصور کی خالص اخلاقیت اور بے لوث عقلیت اتنی بلند تھی کہ اس کی رفعتوں تک پہنچنے میں ان لوگوں کو بھی ابتداً، بڑی دشواریاں پیش آئیں جو نفسانیت اور جاہلیت کو بکسر خیر آباد کہہ چکے تھے۔ برسوں کی تعلیم و تربیت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میدان جنگ میں لائے اور باوجودیکہ ان کی ذہنیت میں انقلاب عظیم رونما ہو چکا تھا۔ مگر پھر بھی اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں صحابہ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصل اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کرتے تھے ——— ۲؎

نوٹ ——— صحابہ کرام بار بار غلطیاں کر جاتے تھے۔ شاید کہ مودودی شریعت میں صحابہ کرام کی روح کو ایصال ثواب کا یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔

خود مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

"ان سب سے بڑھکر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک

۱؎:۔ ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ جلد ۱۲ عدد ۴ ص ۲۹۵

۲؎:۔ ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ جلد ۱۲۔ عدد ۴ صفحہ ۲۹۱

دوسرے پر چوٹیں کر جایا کرتے تھے۔ ابن عمر نے سنا کہ ابو ہریرہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ فرمانے لگے کہ ابو ہریرہ جھوٹے ہیں۔ حضرت عائشہ نے ایک موقع پر انس اور ابو خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق فرمایا کہ "حدیث رسول کو کیا جانیں وہ تو اس زمانے میں بچے تھے۔ حضرت حسن بن علی سے ایک مرتبہ شَاھِدٍ وَّ مَشْھُوْدٍ کے معنی پوچھے گئے۔ انھوں نے اس کی تفسیر بیان کی عرض کیا گیا کہ ابن عمر اور ابن زبیر تو ایسا ایسا کہتے ہیں، فرمایا دونوں جھوٹے ہیں۔ عبادہ بن صامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاری پر جھوٹ کا الزام لگایا۔ حالانکہ وہ بدری صحابہ میں سے ہیں" ——— لے

تبصرہ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، یہ واقعات جس انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ اوّل تو یہ بالکل خلاف حقیقت اور بے بنیاد ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ ابوالکذاب مغرب زدہ مفتی مودودی عربی زبان کا ماہر اور عربی محاورات سے واقف ہوتا تو یہ ذلیل و شر انگیز اور لا یعنی بکواس بکنے کی جرأت کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے کہ عہد صحابہ میں جب آپس میں مسائل پر ایک دوسرے کے لئے لفظ "کذب" استعمال ہوتا تھا تو اس کے معنی محض غلط فہمی کے ہی لئے جایا کرتے تھے جیسا کہ تاریخ اسلام میں آج تک صحابہ کرام کی افہام و تفہیم کے ان اختلافات کو اس قدر قبیح اور مکروہ انداز میں یہ مت بہ اعدائے دین کسی سلیم الانسان اور راسخ العقیدہ مسلمان عالم یا مورخ نے پیش نہیں کیا" مودودی صاحب کے لفظوں میں معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ملاحظہ ہو:

لے تفہیمات، جلد ۱، صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴، بعنوان "مسلک اعتدال"

—— " نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور جس کے اثرات تھوڑی ہی مدت گزرنے کے بعد دریائے سندھ سے لے کر اٹلانٹک کے ساحل تک دنیا کے ایک بڑے حصے نے محسوس کر لئے۔ اس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا۔ جس کے اندر کیریکٹر کی زبردست طاقت موجود تھی اگر خدانخواستہ آپ کو بودے، کم ہمت، ضعیف الارادہ اور ناقابل اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے" —— [1]

نوٹ —— تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی اگر ایسے صاحب صلاحیت افراد رسول خدا کو نہ ملتے تو ہرگز ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کامیابی کا سبب افراد کی صلاحیت ہے نہ کہ رسول خدا کی تربیت۔ موصوف، قرآن کریم کے بارے میں یوں لکھتے ہیں

—— " قرآن حکیم " نجات " کے لئے نہیں بلکہ " ہدایت " کے لئے کافی ہے، اس کا کام صحیح فکر اور صحیح عمل کی راہ بتانا ہے اور اس راہنمائی میں یقیناً کافی ہے " —— [2]

تفہیم القرآن لکھنے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے :-

—— " میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے۔ اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں " —— [3]

---

[1] :- اسلامی نظریہ زندگی صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰ بعنوان " بنیادی انسانی اخلاقیات "

[2] :- تفہیمات حصہ اول صفحہ ۲۴۳ بعنوان " قرآن اور سنت رسول "

[3] :- تفہیم [illegible]

نوٹ :۔۔۔۔۔ پچھلے صفحات پر یہ عبارت گزر چکی ہے۔ جس کا سرسری جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

تبصرہ ایسی تفسیر اور ایسا ترجمہ تو یقیناً سمندر ہی کے نذر کر دیئے جانے کے قابل ہو سکتا ہے۔

اس سے کتاب کے تین ہزار نسخے نکل چکے تھے کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ ایک صاحب اسے ناجائز طور پر طبع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لہٰذا ہم نے اس کا یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر نسخے پر مصنف اور طابع و ناشر کے قلمی دستخط ہوں گے تاکہ ہر وہ نسخہ مال مسروقہ قرار پائے۔ جن پر یہ دستخط نہ ہوں۔ دستخط کرنے کا یہ طریقہ قسم سوم کے نسخے نمبر ۱۰۰۱ ہم قسم دوم کے نسخہ نمبر ۱۰۰۲ اور قسم سوم کے نسخے نمبر ۱۰۰۵ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ ہم اس امر کا اعلان بھی کرتے ہیں کہ مکتبہ انسانیت کے دفتر میں ان سب لوگوں کے نام اور پتے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ جن کو کتاب کا کوئی نسخہ قیمتہً یا ہدیتہً دیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو صاحب مصنف کی اجازت کے بغیر یہ کتاب طبع اور شائع کریں گے۔ ان کی چوری چھپ نہ سکے گی اور ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ [له]

ہدیہ ۲۵/ ۱۶	مصنف	طابع و ناشر
	ابو الاعلیٰ (مُہر)	محمد قمر الدین

(اعلان برائے تفہیم القرآن مودودی)

تبصرہ قرآن کریم اور اس کی تفسیر ہی دین و اسلام کا سرچشمہ ہے اور اللہ کے دین کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اللہ کے دین کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق حتی الامکان

له :۔ (تفہیم القرآن جلد اول طبع چہارم کے ستیاق کا اندرونی صفحہ)

ہر مسلمان کا فرض ہے اس لئے قرآن کریم اور اس کی تفسیر کا زیادہ سے زیادہ چھپنا بھی یقیناً اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا پرسہولت اور آسان و ارزاں سبب ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم اور تفاسیر، احادیث شریف اور فقہ ہرگز بھی کسی فرد واحد یا کسی کمپنی کی جاگیر نہیں بن سکتی جیسا کہ تاریخ اسلام میں آج تک قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کی طباعت اس قدر عام رہی ہے کہ "نول کشور" وغیرہ جیسے غیر مسلموں نے بھی لاانتہا ہی تعداد میں قرآن وحدیث وفقہ وتفسیر کی طباعت کرائی ہے جو ارزاں سے ارزاں ترقیمتوں پر فراہم ہونے اور زیادہ سے زیادہ شائع ہونے کا سبب بنا۔ لیکن ابوالتجار صاحب مودودی نے اپنی تفسیر اور اپنی وہ تمام خصوصی تصانیف جو عالم اسلام میں تجدید واحیاء دین واقامت دین واشاعت دین وترغیب دین اور تبلیغ دین کا ہی سہارا لے کر لکھی اور شائع کی گئی ہیں۔ ان سب کے جملہ حقوق پر طباعت کی پابندی لگا کر اور گراں سے گراں ترقیمتوں پر فروخت کر کے نہ صرف اپنی یا اپنے باپ دادا کی جاگیر ہی بنالی ہے بلکہ اس گمراہ کن طریقے کو دوسروں کے لئے جواز یا مشعل راہ بنا دیا ہے اور یہ اسلام اور دین فروشی اور قلم فروشی کا ایسا ناقابل تردید اور واضح ثبوت ہے کہ جس کا سوائے ڈوب مرنے یا پاکستان اور تمام ممالک اسلامیہ سے روپوش ہو جانے یا پھر اللہ کے حضور میں توبہ کرنے اور قوم سے معافی مانگنے کے کوئی تدارک یا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس کے برعکس بے غیرتی اور ڈھٹائی ملاحظہ فرمایئے کہ ابوالتجار مودودی کی ان پرفریب اور پُردجل چالوں کو تاڑ اور بھانپ کر اور ان کے اسلام فروشی کے پرخطر نتائج سے متاثر ہو کر جس نے قلم فروشی ہی کہدیا یا لکھدیا تو فوراً ہی ان کے صالحین اور قانتین کوٹ،

پتلون کے بٹن کھول اور آستین چڑھا ایسے برہم ہوتے ہیں کہ جیسے نہ معلوم حضرت قبلہ مولانا ابوالتجار صاحب مودودی کی شان مبارک میں کوئی ناروا گستاخی یا بے بنیاد الزام اور مکروہ بہتان لگا دیا ہو۔ اس لیے اب میں ابوالتجار اور ابوالقلم صاحب مودودی کا ایک دینی وادبی و اصلاحی اقتباس پیش کرتا ہوں۔ الخ

خانۂ کعبہ، حرم محترم اور دیارِ عرب کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

"وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا۔ اس جاہلیت کے قریب تر پہنچ گئی ہے۔ جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دور دور سے بڑی عقیدتیں لئے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں۔ مگر اس علاقے میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بد اخلاقی، بدانتظامی اور عام باشندوں کی طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے الٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری، جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبے میں مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ختم کیا تھا اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لئے جائیداد اور حج ان کے لئے

ا؎ :۔ خطبات حصہ چہارم ص ۵۲، ۵۲ بعنوان "حج کا عالمگیر اجتماع" (ا۔ ن ص ۹۳)

تجارت بن گیا ہے۔ حج کرنے والوں کو اپنا آسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں۔ تاکہ اسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں، ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے اسامیوں کو گھیر لائے۔ قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو سنا سنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ نہ اس لئے کہ انھیں خدا کا عاید کیا ہوا فرض یاد دلایا جائے بلکہ صرف اس لئے کہ ان احکام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے گویا اللہ اور اس کے رسول نے یہ سارا کاروبار ان کی مہنتوں اور ان کے دلالوں کی پرورش کے لئے پھیلایا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مذہبی مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلّم، مطوف، کلید بردار کعبہ اور خود حکومت حجاز سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں حج کے سارے مناسک معاوضہ لے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خانۂ کعبہ کا دروازہ تک فیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ نعوذ باللہ من ذالک " یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اس دین کے نام نہاد خدمت گزاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے۔ جس نے مہنت گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو۔ جہاں عبادت گاہوں کو ذریعہ آمدنی بنالیا گیا ہو، جہاں احکام الٰہی کو اس غرض کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجالانے کے لئے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے روپیہ

گھسیٹا جائے۔ جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لئے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو۔ ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں کو اس عبادت کے حقیقی و روحانی فائدے حاصل ہوں گے۔ جبکہ یہ سارا کام سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو"

(مودودی صاحب)

تبصرہ ملاحظہ فرمائیے! ابوالہفوات صاحب مودودی کی کلیجہ چیر دینے والی اور مومن آزاد تحریر؟ کیا عالم اسلام میں تجدید و احیائے دین کا کوئی علمبردار تو درکنار کوئی عام اور مذہب سے آزاد رہنے والا مسلمان بھی کہیں اتنی جرأت اور بے باکی دکھا سکتا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی غیر مسلم بھی حرم پاک اور علمائے حق اور منتظمین کعبہ کے خلاف اتنی جرأت اور بے باکی سے قلم نہیں اٹھا سکتا۔ اچھا میں بھی پوچھتا ہوں کہ اللہ نے سارا نظام اسلام قرآن و حدیث اور غلافِ کعبہ وغیرہ کا کاروبار صرف مودودی پرشاد اور اس کے دلال ساتھیوں کے لئے پھیلایا ہے۔ [1]

مودودی صاحب کا دنیا کے بارے میں اور مصائب شدائد کے متعلق نظریہ یہ ہے۔

"یہ دنیوی زندگی چونکہ آزمائش کی مہلت ہے۔ اس لئے یہاں نہ حساب ہے نہ جزا نہ سزا، یہاں جو کچھ دیا جاتا ہے۔ وہ کسی نیک عمل کا انعام نہیں۔ بلکہ امتحان کا سامان ہے اور جو تکالیف، مصائب، شدائد وغیرہ پیش آتے ہیں۔ وہ کسی عمل بد کی سزا نہیں بلکہ زیادہ تر اس قانونِ طبعی کے

---

[1] ۔ خطبات حصہ چہارم منعقدہ ۱۹۳۸ء بعنوان "حج کا عالمگیر اجتماع" ا۔ن صفحہ ۹۳

تحت جس پر اس دنیا کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ آپ سے آپ ظاہر ہونے والے نتائج ہیں۔ ـــــ [۱]

تبصرہ یہ عقیدہ قرآن اور اسلامی تعلیم کے قطعاً خلاف ہے اس میں الحاد اور دہریت کی نہایت پر فریب اور تلبیسانہ انداز میں نہ صرف تائید ہی کی گئی ہے۔ بلکہ تعلیم بھی دی گئی ہے اور قرآن کریم کی صریح مخالفت اور تکذیب کی گئی ہے۔

مودودی صاحب کا بدکردار اور عیاش لوگوں پر کرم بالائے کرم ملاحظہ ہو:۔

یہ کہ متعہ کو مطلقاً حرام قرار دینے یا مطلقاً مباح ٹھہرانے میں سنیوں اور شیعوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس میں بحث اور مناظرے نے بیجا شدت پیدا کر دی ہے۔ ورنہ امر حق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ انسان کو بسا اوقات ایسے حالات سے سابقہ پیش آجاتا ہے۔ جن میں نکاح ممکن نہیں ہوتا اور وہ زنا یا متعہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں زنا کی بہ نسبت متعہ کر لینا بہتر ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے اور ایک مرد و عورت کسی تختے پر بہتے ہوئے ایک ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں کوئی آبادی موجود نہ ہو، وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں۔ جب تک وہ آبادی میں نہ پہنچ جائیں یا آبادی ان تک پہنچ جائے۔ کم و بیش ایسی ہی اضطراری صورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔ متعہ اسی قسم کی

---

[۱] :۔ ان صفحہ ۴۵، تجدید و احیائے دین صفحہ ۲۹، بعنوان "اسلام"

اضطراری حالتوں کے لئے ہے"۔۔۔۔۔۔[1]

تبصرہ اچھا چلئے، تھوڑی دیر کے لئے فرض ہی کر لیا جائے اور یہ محیر العقول صورت پیش آہی جائے کہ سمندر کی سینکڑوں ہزاروں فٹ بے پناہ بلند بالا اور خطرناک لہریں کسی جہاز کو اس طرح توڑ پھوڑ اور نیست و نابود کر دیں کہ صرف ایک ہی تختہ بہ ایں شان محفوظ رہ جائے کہ اس پر ایک مرد ایک عورت بہتے ہوئے کسی سنسان اور غیر آباد جزیرے میں پہنچ جائیں (قطع نظر اس کے کہ وہ دونوں حقیقی بھائی بہن یا ماں اور بیٹے یا دونوں ضعیف العمر بوڑھے ہوں) تو کیا وہاں پہنچ کر ان دونوں مرد و عورت کو نہ کھانے پینے کا فکر ہوگا نہ گرمی سردی کے بچاؤ کا تردد پیدا ہوگا؟ اور نہ عزیز و اقارب، ماں باپ اور بال بچوں کی یاد ستائے گی اور نہ مال و دولت اور ساز و سامان کے چھوٹ جانے کا غم کھائے گا؟ اور نہ ہی درندوں وغیرہ کا خوف اور موت و حیات کا ہولناک تصور اور تخیل ہی سامنے آئیگا بس صرف بھرپور جوانی کا جوش و جنون ہی دل و دماغ پر مسلط ہوگا اور تختے سے اترتے ہی "من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی" کے گیت گانے میں مصروف و منہمک ہو جائیں گے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ بھلا کیا عقل سلیم اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ ایسی بیچارگی اور ہولناک صورت حال میں بھی جنسی بھوک کی شدت اور اضطراری کیفیت پیدا ہوگی؟ نعوذ باللہ اس قسم کے ذلیل مرد و عورت ابوالمتعہ مودودی ہی کے ذہن میں ممکن ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ در حقیقت ابوالاضطرار مودودی کو متعہ کی صحیح تعریف کا علم ہی نہیں ہے۔ اگر متعہ کی

---

[1] :- ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ماہ اگست ۱۹۵۵ء، صفحہ ۳۰۰، جلد ۴۴ - عدد ۱۴)

صحیح تعریف سے باخبر ہوتے تو یقیناً تفسیر قرآن کے نام سے تو یہ لغزش ان سے ہرگز سرزد نہ ہوتی"۔

خلع کے بارے میں مودودی نے شریعت مطہرہ پر پانی پھیر کر یوں خانہ بربادی کا پروگرام پیش کیا ہے۔

"خلع کے مسئلے میں دراصل یہ سوال قاضی کے لئے تنقیح طلب ہے ہی نہیں کہ عورت آیا جائز ضرورت کی بنا پر طالب خلع ہے یا محض نفسانی خواہشات کے لئے علیحدگی چاہتی ہے۔"[1]

تبصرہ ابوالتنقیح مودودی غیر مشروط طور پر عورت کو خلع کی آزادی دے کر نہ صرف زوجین کی خانگی زندگی ہی کو تباہی اور الجھنوں میں مبتلا کر رہا ہے۔ بلکہ اس دور فتن میں عورت کو خلاف شرع آزادی دے کر اسلامی معاشرہ کو بھی تباہ اور بدنام کرنے کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ابوالتنقیح مودودی کو اجتہاد کا ہیضہ ہو گیا ہے! غور فرمائیے، جبکہ قاضی کے لئے سبب خلع یا ضرورت خلع قابل تنقیح ہی نہیں ہے تو عورت کا قاضی کے پاس درخواست دینے کا مطلب حصول خلع تو نہ ہوا بلکہ صرف اطلاع خلع ہی مقصود ہوا کہ وہ اپنے رجسٹر میں اندراج کر لے کہ میں نے آج اپنے "اولڈ ٹائپ کھوسٹ" شوہر کو (جو کہ نہ مجھے سینما دکھاتا ہے نہ کلب ہی میں مجھے اپنے دوستوں کے ساتھ جانے دیتا ہے اور نہ مجھے شاپنگ کے لئے بازار جانے دیتا ہے) طلاق دے دی ہے۔ لہٰذا تحریر لکھ دو کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

"خلع کی صورت میں عدت صرف ایک حیض ہے۔ دراصل یہ عدت ہے ہی نہیں بلکہ یہ حکم محض استبرائے رحم کے لئے دیا گیا ہے، تاکہ دوسرا نکاح

---

[1] دو حقوق الزوجین صفحہ نمبر ۔، ۱ء "لیعنوانہم" "احکام خلع"

کرنے سے پہلے اس امر کا اطمینان حاصل ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے۔[1]

تبصرہ الوالاجتہاد مودودی نے یہ بھی قرآن کے خلاف اجتہاد کیا ہے کیونکہ خلع اور طلاق کی عدت کا در حقیقت ایک ہی حکم ہے۔

اس لئے خلع کے لئے عدت کا صرف ایک حیض مقرر کر دینا قرآن کی آیت یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (ترجمہ اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض تک، سورۃ البقر آیت ۲۲۸) کے صریح خلاف ہے۔

مودودی صاحب کے نزدیک منصب رسالت یہ ہے:۔

——— "اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں ———"[2]

تبصرہ ملاحظہ فرمایا آپ نے اس عبارت کو انبیاء علیہم السلام کے پاک نفسوں کے لئے بھی "نفس شریر" کے الفاظ کو شریر استعمال کر رہا ہے۔ ابوالشریر مودودی کی اس شریر و خبیث تحریر پر غور فرمائیے گویا جس طرح کہ عام انسانوں کے لئے "نفس شریر" کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لئے استعمال کر رہا ہے نعوذ باللہ من ذالک گویا انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی نفس شریر ہوتا ہے اس پر بھی الوالشریر مودودی کو ادیب و فصیح سمجھا جاتا ہے، لعنت ہو ایسی گستاخ اور شریر ذہنیت پر!

مودودی صاحب نے نیا فرقہ کھڑا کرنے کی غرض و غایت یوں بیان کی ہے:۔

——— "ہم دراصل ایک ایسا گروہ تیار کرنا چاہتے ہیں۔ جو ایک طرف

---

[1] (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۷۷، سورۃ البقر حاشیہ ۲۵۲۔

[2] (تفہیمات جلد صفحہ ۱۶۲، بعنوان "کیا نجات کے لئے صرف کلمہ طیبہ پر ایمان لانا ضروری ہے")

زہد و تقویٰ ایں اصطلاحی زاہدوں اور متقیوں سے بڑھ کر ہو اور دوسری طرف دنیا کے انتظام چلانے کی قابلیت و صلاحیت بھی عام دنیا داروں سے زیادہ اور بہتر رکھتا ہو۔ صالحین کی ایک ایسی جماعت منظم کی جائے جو خدا ترس بھی ہو، راست باز، دیانت دار بھی ہو۔ خدا کے پسندیدہ اوصاف و اخلاق سے آراستہ بھی ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے معاملات کو دنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھ سکے"۔ ___ لہ

نوٹ ہمیں بھی آپ کی کامیابی کا شدت سے انتظار ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے دورِ ہمایوں میں راکٹ اور جہاز چاند پر بھیجے جائیں گے۔ بلکہ چاند خود جماعت اسلامی کے آفس کا طواف کرنے آئے گا۔ اصطلاحی زاہدوں کی پھونک سے تو ٹینک میں کیڑے نہیں پڑیں گے البتہ آپ کی خانقاہ جس کے بیچ صحن میں سینما ہال بھی ہوگا۔ اس سے جو متقی و پرہیزگار نکلیں گے۔ ان کی نگاہ کا گرم تیور بھی ٹینک سہہ نہ سکے گا۔ بلکہ برف کی مانند پگھل کر پانی پانی ہو جائے گا۔ آپ کی تیار کردہ صالحین کی منظم جماعت میں یقیناً ایسے افراد ہوں گے۔ جو شاہ اسماعیل، سید احمد، شاہ ولی اللہ کو منہ چڑھائیں گے اور ڈارون، لینن، مارکس کو انگوٹھا دکھائیں گے۔

میں خود بھی نہ سمجھ سکا کہ آپ کی اس عبارت کو پڑھ کر مجھے شیخ چلی کیوں یاد آگیا؟

لہ (دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات صفحہ ۱۰ "بعنوان" دعوت اسلامی اور اس کا طریق کار")

سینما کے شائقین کو مودودی صاحب یوں شرعی پرمٹ دیتے ہیں ۔

"جس سینما میں علمی واقعاتی فلم دکھائے گئے ہوں، اس کے دیکھنے میں مضائقہ نہیں ہمارے ملک میں تو سینما ہاؤس جانا بجائے خود ایک موضع تہمت ہے ۔ اس لئے علمی اور واقعاتی فلم دیکھنے کے لئے بھی اس خرابات میں قدم نہیں رکھا جا سکتا ۔ انگلستان میں آپ چاہیں تو اس طرح کی فلم دیکھ لیں"۔ [۱]

نوٹ: فلم بینی کا ذوق البھر ٹک جذبہ بس آپ ہی کو مبارک ہو ۔ پاکستان میں نہ سہی تو انگلستان میں جا کے دیکھئے لیکن اس علیم و خبیر کی خدائی ہر جگہ ہے ۔ جس کی بازپرس بہت ہی سخت اور عذاب انتہائی المناک ہے ۔

مزید یوں لکھتے ہیں :-

"میں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ یہ خیال ظاہر کر چکا ہوں کہ سینما بجائے خود جائز ہے ۔ البتہ اس کا ناجائز استعمال اس کو ناجائز کر دیتا ہے ۔ سینما کے پردے پر جو تصویر نظر آتی ہے ۔ وہ دراصل تصویر نہیں بلکہ پرچھائیں ہے ۔ جس طرح آئینے میں نظر آیا کرتی ہے ۔ اس لئے وہ حرام نہیں ۔ رہا وہ عکس جو فلم کے اندر ہوتا ہے تو وہ جب تک کاغذ یا کسی دوسری چیز پر چھاپ نہ لیا جائے نہ اس پر تصویر کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ وہ ان کاموں میں سے کسی کام کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ جس سے باز نہ رہنے ہی کی خاطر شریعت میں تصویر کو حرام کیا گیا ہے ۔ ان وجوہ سے میرے نزدیک سینما بجائے خود مباح ہے"۔ [۲]

---

[۱] رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۵۹، بعنوان "تفہیمات"

[۲] بحوالہ بالا و بعنوان بالا ۔

نوٹ: اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے! سینما کے پردے پر جو چیز نظر آتی ہے وہ تصویر نہیں بلکہ پرچھائیں ہے پھر اس سوال کا کیا جواب ہوگا ؟ کہ جس تصویر کی پرچھائیں پردے پر نظر آتی ہے وہ تصویر کہاں سے لی گئی ؟ یہ تصویر کشی جائز ہے یا حرام ؟ اسی کو "بناء فاسد علی الفاسد" کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جو چیز مفضی الی الفساد ہو، وہ خود فاسد ہے، اندریں حالات "علمی اور واقعاتی قید" اسے فساد سے محفوظ نہیں کرسکتی، پھر وہ کتنی ہی واقعاتی اور علمی ہو، لہو ولہب سے خالی نہیں ہوسکتی۔ آخر لہو ولہب سے متعلق مودودی شریعت کا کیا فتویٰ ہے ؟

اس کے فساد کی متعدد تفریعات ہیں، جلد اوّل میں اقتباسات کا محض سرسری جائزہ ہے شیشش محل کے جلد دوم میں سیر حاصل گفتگو کی جائے گی۔ اب مودودی صاحب کا الوالمعیار بننا ملاحظہ ہو۔

"جہاں تک مجھے علم ہے قرآن کا منشا یہی ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں وراثت اور شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہوں، ...... آئندہ شادی بیاہ کا تعلق پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان نہ ہونا چاہیئے۔" [1]

نوٹ: جب صحابہ تک معیار حق نہیں۔ پھر آپ کے علم اور آپ کی فہم و سمجھ پر کیونکر اعتبار و بھروسہ کیا جائے۔ آپ کی "میں" جہاں چلتی ہے، وہ دنیا اور ہے اپنی میں کے علاوہ کوئی ایسی دلیل پیش کیجئے۔ جس پر یقین و اعتماد کیا جاسکے مزید لکھتے ہیں

"اور یہی جہالت ہم کو ایک نہایت قلیل جماعت کے مشرق سے لیکر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں۔ خواہ وہ ان پڑھ عوام ہوں، یا دستار بند علماء، خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں

---

[1] رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۱۹۶، بعنوانے "نفسیات"

کے تعلیم یافتہ حضرات، ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں۔ مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں یہ سب یکساں ہیں ــــــ [۱]

مودودی صاحب نے فنِ سپہ گری کو ڈوب مرنے کی بات بتایا ہے۔

ــــــ "غالب جیسا شخص فخریہ یہ کہتا ہے کہ" سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری" یہ بات کہتے ہوئے اتنے بڑے شاعر کو ذرا خیال تک نہ گزرا کہ پیشہ دمانہ سپہ گری کوئی فخر کی بات نہیں ڈوب مرنے کی بات ہے" ــــــ [۲]

نوٹ: افسوس یہ ہے کہ غالبؔ نے آپ کا زمانہ نہیں پایا ورنہ علامہ فضل حق خیرآبادی جیسے فضلاءِ عصر کی مرافقت چھوڑ کر آپ ہی سے استفادہ کرتا کیا عجب کہ غالب کی روح اپنی قبر میں کرب و اضطراب کی یہ چوٹ محسوس کرتی ہو۔

سچ ہے آپ نے صحابہ سے لے کر غالب تک پر نقد و نظر کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ نہ تو ترکش میں کوئی تیر رہ جائے اور نہ ہی آپ کے نشانے سے بچ کر کوئی نکل جائے ورنہ آپ کے بھی مجدد کامل ہونے میں شبہ رہ جائے گا مزید لکھتے ہیں :-

ــــــ "چنانچہ ہمارا شاعر اسے خاندانی مفاخر میں شمار کرتا ہے۔

ع "سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری" حالانکہ کسی شخص کا پیشہ ور سپاہی ہونا حقیقت میں اس کے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے باعث ننگ ہے نہ کہ باعث عزت" ــــــ [۳]

---

[۱] (تنقیحات جلد اول صفحہ ۳۸ بعنوان "اسلام ایک علمی اور عقلی مذہب")

[۲] اسلامی نظامِ زندگی صفحہ ۳۲۹، بعنوان "بناؤ بگاڑ"

[۳] مسلمانوں کا ماضی و حال صفحہ ۱۴۰، بعنوان "دینی حالت"

نوٹ: غالب بیچارہ نا آشنائے حقیقت! جو اپنے وقت کا صرف شاعر تھا، نہ مجدّد نہ مہدی اور نہ مجتہد، یہ جملہ صفات تو محض آپ کی ذات والا سے مختص ہیں اسے کیا معلوم تھا کہ پیشہ ور سپاہی ہونا باعث ننگ ہے یا باعث عزت، اس کو ردیف اور قافیہ سے غرض تھی نہ کہ سربستہ اسرار و رموز کی عقدہ کشائی سے واسطہ؟ جو صرف آپ کا اپنا حصہ ہے اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ میرے بعد مسند مجددیت پر اپنے وقت کا نئے طرز کا مجدد نہیں بلکہ لیڈر پیدا ہونے والا ہے جو پوری دنیائے اسلام میں تھکڑ بکھڑ پیدا کر دے گا تو یقیناً وہ احتیاط سے کام لیتا اور ایسی غلطی ہرگز نہ کرتا۔ جس سے آپ کو تازیانۂ قلم اٹھانے کی زحمت پیش آتی۔ اب ذرا مودودی صاحب کے بنائے ہوئے غیر مسلم بھی دیکھ لیجئے۔

"رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض چیز ان کے ذمے ہے۔ دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں، کعبۂ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں، جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گزرتا وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن سے جاہل ہے۔ جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے، ان کے دل میں اگر مسلمان کا درد اٹھتا ہے تو اٹھا کرے۔ اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہرحال ان کے دل میں نہیں ہے۔" [1]

نوٹ: یہ بھی ایک رہی! ساحل جدہ سے گزر جانے والا خواہ کچھ کہے یا نہ کہے لیکن اس کی نیت پر حملہ کر کے اسے کافر بنانا یہ تو آپ ہی جیسے مجتہد العصر کو زیب

[1] :۔ خطبات حصہ چہارم صفحہ ۲۸، ۲۹، بعنوان "حج کی تاریخ"

دنیا ہے۔اس پر طرفہ تماشہ یہ بھی کہ جو اس غریب کو مسلمان سمجھے وہ قرآن سے جاہل ہے! کفر کی خانہ ساز مشین گن آپ کے ہاتھ ہے۔اس کی پرواہ کئے بغیر چلا ہے کہ کس کا کلیجہ چھلنی ہوگا۔مزید لکھتے ہیں۔

"مگر اسلام کہاں ہے؟ مسلمانوں میں نہ اسلامی سیرت ہے نہ اسلامی اخلاق نہ اسلامی افکار ہیں، نہ اسلامی جذبہ۔ حقیقی اسلامی روح نہ ان کی مسجدوں میں ہے نہ مدرسوں میں ہے نہ خانقاہوں میں عملی زندگی سے اسلام کا ربط باقی نہیں رہا۔ اسلام کا قانون، نہ ان کی شخصی زندگی میں نافذ ہے نہ اجتماعی زندگی میں، تمدن و تہذیب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا نظم صحیح اسلامی طرز پر باقی ہو۔ ایسی حالت میں دراصل مقابلہ اسلام اور مغربی تہذیب کا نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی افسردہ، جامد اور پسماندہ تہذیب کا مقابلہ ایسی تہذیب سے ہے جس میں زندگی ہے، حرکت ہے، روشنی علم ہے، گرمی عمل ہے۔ ایسے نامساوی مقابلہ کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہی ظاہر ہو رہا ہے، مسلمان پسپا ہو رہے ہیں۔ ان کی تہذیب شکست کھا رہی ہے۔ ـــــ"[1]

نوٹ:— س۔ مگر اسلام ہے کہاں؟ ج۔ جماعت اسلامی کے صدر دفتر میں! پوری دنیائے اسلام کی روح سمٹ کر آپ تک پہنچ گئی ہے۔ اب تو ساری دنیا آپ کی رہین کرم ہے جو آپ اور آپ کی جماعت سے وابستہ ہو جائے بس وہی مسلمان ہے ورنہ سب کے سب پاپی، گنہگار اور جہنمی ہیں۔ ع۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ مودودی صاحب نے چودھویں صدی میں اجتہاد کے بند دروازے کو کھولنے کی یوں کوشش کی ہے۔

---

[1] (تنقیحات صفحہ ۴۳، ۴۴ بعنوان "دور جدید کی بیمار قومیں")

"جدید حالات نے مسلمانوں کے لئے جو پیچیدہ علمی اور عملی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ ان کے حل کرنے میں ان حضرات کو ہمیشہ، ناکامی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ان مسائل کا حل اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں اور اجتہاد کو یہ اپنے اوپر حرام کر چکے ہیں، اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین کو بیان کرنے کا جو طریقہ آج ہمارے علماء اختیار کر رہے ہیں وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو سلام سے مانوس کرنے کے بجائے الٹا متنفر کر دیتا ہے اور بسا اوقات ان کے مواعظ سنکر یا ان کی تحریر پڑھ کر بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے کسی غیر مسلم یا بھٹکے ہوئے مسلمان کے چشم و گوش تک یہ صدائے بے ہنگام نہ پہنچی ہو۔"[1]

نوٹ یہ شکوہ بیجا کیوں؟ حلت و حرمت کی کنجی آپ کے ہاتھ ہے۔ علماء نے سینما کو حرام اور ناجائز کہا۔ آپ نے اسے اپنی مخصوص تاویل کے تحت مباح اور جائز قرار دیا اب اگر علماء نے چوتھی صدی کے بعد سے اجتہاد کو عملاً ممنوع قرار دیا ہے تو اس کو جائز اور حلال کرتے بجا دیر؟ ایک جگہ ہدایت مآب بن کر یوں تحریر کرتے ہیں:۔

"پھر جو لوگ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اٹھتے ہیں۔ ان کی زندگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ جھلک تک نظر نہیں آتی، کہیں مکمل فرنگیت ہے، کہیں نہرو اور گاندھی کا اتباع ہے، کہیں جبوں اور عماموں میں سیاہ دل اور گندے اخلاق لپٹے ہوئے ہیں۔ زبان سے وعظ اور عمل میں بدکاریاں، ظاہر میں خدمت دین اور باطن میں خیانتیں، غداریاں اور نفسانی اغراض کی بندگیاں، جمہور مسلمین بڑی بڑی امیدیں لے کر ہر نئی تحریک کی طرف دوڑتے ہیں۔ مگر مقاصد کی پستیاں اور عمل

---

[1] ۔ تنقیحات صفحہ ۹۹ ۔ ۱۰۰ (بعنوان بالا)

کی خرابیاں دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں ____ [1]

نوٹ | کوثر نیازی کا خط اور استعفیٰ پچھلے صفحات پر گذر چکا ہے۔ جو اس یقین کے لئے کافی ہے کہ اس آئینے میں مودودی صاحب کو اپنی تصویر نظر آرہی ہے۔ جبوں اور عماموں کی آڑ میں جتنی خرابیاں شمار کی گئی ہیں سب کی سب ارکان جماعت اسلامی اور اس کے امیر میں پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زائد "شیش محل" کی جلد دوم میں "تعبیر کی غلطی[2]" کے اقتباسات حاضر کئے جائیں گے۔ جس سے ان کی حقیقت اور بھی زیادہ بے نقاب ہو جائے گی۔

____ "آزادی کے پروانے کو لے کر جو حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ آئندہ کے قومی جمہوری لادینی اسٹیٹ میں ان کے مذہب اور ان کی تہذیب کا پورا تحفظ ہو گا۔ انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تحفظ اسی نوعیت کا تحفظ ہے جیسا کہ پرانی تاریخی عمارتوں کا ہوا کرتا ہے، یہ محض اس امر کی ضمانت ہے کہ موجودہ نسل کے جو لوگ اپنی مذہبیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، ان کی گردن پر چھری رکھ کر زبردستی کلمۂ کفر نہیں کہلوایا جائیگا مگر یہ اس امر کی ضمانت نہیں ہے کہ ان کی آئندہ نسل کو غیر مسلم بنانے والی تعلیم و تربیت نہ دی جائے گی۔ اس تحفظ کے معنی صرف یہ ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو قال اللہ و قال الرسول میں مشغول رہیں۔ آپ کی ڈاڑھی یقیناً زبردستی نہیں مونڈی جائے گی۔ نہ آپ کی عبا ضبط کی جائے گی۔ نہ آپ کی تسبیح چھینی جائے گی، نہ آپ کی زبان درس قرآن و حدیث سے روکی جائے گی۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آئندہ نسل کو بھی اسس

---

[1] :- مسلمانوں اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول صفحہ ۵۵ بعنوان "مسائل حاضرہ میں قرآن اور اسوۂ رسول کی راہنمائی۔

---

[2] :- مولفہ مولوی وحیدالدین خاں اعظمی، جو جماعت اسلامی کے سرگرم کارکن اور اہل قلم تھے اب جماعت سے الگ ہو گئے ہیں۔

"غلط فہمی" میں مبتلا رہنے دیا جائے گا کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور تمام مذاہب سے برتر اور اصلح ہے۔ مذہبی آزادی کا یہ پروانہ لیکر جو صاحب خوش ہونا چاہتے ہیں وہ خوش ہولیں ہمیں تو اس پروانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[1]

نوٹ "نہ آپ کی عبا ضبط کی جائے گی نہ آپ کی تسبیح چھینی جائے۔ آپ کی ڈاڑھی یقیناً زبردستی نہیں مونڈی جائے گی۔

اس دلخراش انداز خطابت کا خلاصہ یہ ہے کہ سمجھ کو پسند ہو تو ہو مجھکو ناپسند ہے۔ مودودی صاحب نے نادار مسلمانوں پر یوں کرم فرما ہوا ہے۔

______:- افلاس، جہالت اور غلامی نے ہمارے افراد کو بے غیرت اور بندۂ نفس بنا دیا ہے۔ وہ روٹی اور عزت کے بھوکے ہو رہے ہیں۔ ان کا یہ حال ہوگیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام ونمود کے چند کھلونے پھینکے، یہ کتوں کی طرح ان کی طرف لپکتے ہیں اور ان کے معاوضے میں اپنے دین وایمان، اپنے ضمیر اپنی غیرت وشرافت اپنی قوم وملت کے خلاف کوئی خدمت بجالانے میں ان کو باک نہیں ہوتا ______[2]

نوٹ بُرا ہو اس آمرانہ ذہنیت کا! جس نے آپ کو اس حد تک اندھا بنا دیا ہے کہ آپ کو اتنی بھی ہوش نہیں کہ آپ کا مخاطب کون ہے؟ مسلمان ہونے کا دعویٰ اور اپنے ہی بھائی برادر کو یہ لکھنا کہ یہ قوم روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے کتوں کی طرح لپکتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کردار آپ اور آپ ہی کے افراد جماعت کا ہے۔ عام مسلمان افلاس وغربت کے کتنے ہی خطرناک دلدل میں کیوں نہ پھنسے ہوں۔ لیکن وہ نام ونمود کے چند کھلونوں اور روٹی کے چند ٹکڑوں

---

[2] مسلمانوں اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ دوم صفحہ ۱۳۴، بعنوان "بنیادی حقوق"

پر اس طرح نہیں بکتے۔ جس طرح کہ آپ کی جماعت کے افراد بکا کرتے ہیں، جس پر گورنر نیازی کا خط اور استعفیٰ شاہد عدل ہے۔

ہماری جماعت کا حال تو یہ ہے کہ ان کی قیمت کوئی لگا ہی نہیں سکتا۔ ؎

جب تک بکا نہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

جو بازارِ مدینہ میں بک چکا ہو اب دنیا کے کسی مارکیٹ میں اس کی دکان نہیں لگائی جاسکتی روٹی کے چند ٹکڑوں پر کتوں کی طرح لپکنا، عطار تو نقاد تو کے بمرجب آں بدولت کو مبارک ہو۔ موصوف کی زبانی لاعلاج مریضوں کا ذکر سنیے:-

"یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی پر جذبہ انتقام مستولی ہو گیا ہو اسے اگر ہاتھوں سے اتنی تکلیفیں پہنچی ہوں کہ وہ جوش غضب میں اندھا ہو گیا ہو اور کہتا ہو کہ اگر حق کی تلوار نہیں ملتی تو پرواہ نہیں میں باطل ہی کی تلوار سے اس دشمن کا سر اڑا دوں گا۔ چاہے ساتھ ہی ساتھ میری اپنی ملت کی بھی رگِ جاں کٹ کے رہ جائے ایسے شخص کی بیماری دل کا علاج خداوند عالم کے سوا کسی اور کے پاس نہیں، اللہ اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ورنہ ڈر ہے کہ جس راہ پر وہ اس جذبے کے ساتھ چل رہا ہے۔ اس میں اپنی عمر بھر کی کمائی ضائع کر دے گا اور قیامت کے روز اس حال میں خدا کے سامنے حاضر ہو گا کہ ساری عبادتیں اور نیکیاں ان کے نامۂ اعمال سے غائب ہوں گی اور ایک قوم کی قوم کو گمراہی اور ارتداد میں مبتلا کرنے کا مظلمۂ عظیم ان کی گردن پر ہو گا۔"[1]

---

[1]: مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ دوم صفحہ ۱۹۲، بعنوان "تنبیہ الغافلین"

مودودی صاحب مسلمانوں کی مرثیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

——— یہ غریب تعلیم کے لیے جدید درسگاہوں میں جاتے ہیں تو وہاں زیادہ تر غیر مخلص اور مکار ملاحدہ یا نیم مسلم و نیم ملحد حضرات سے ان کو پالا پڑتا ہے۔ قدیم مدارس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اکثر مذہبی سوداگروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ دینی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو خطیبوں اور واعظوں کی عظیم اکثریت انھیں گمراہ کرتی ہے، روحانی تربیت کے طالب ہوتے ہیں تو پیروں کی غالب اکثریت ان کے لئے راہ خدا کی راہزن ثابت ہوتی ہے دنیوی معلومات کے سرچشموں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اخبارات اور رسائل سے ان کو سابقہ پیش آتا ہے۔ جن کی بہت بڑی اکثریت ہماری قوم کے سب سے زیادہ ذلیل طبقے کے ہاتھ میں ہے۔ قومی اور ملکی معاملات کی سربراہ کاری کے لئے لیڈر ڈھونڈتے ہیں تو وہ زیادہ تر ملاحدہ اور نیم ملاحدہ اور مترفین کے گروہ سے نکلتے ہیں، اپنی معیشت کی تلاش میں رزق کے منبعوں کی طرف جاتے ہیں تو وہاں بیشتر ان لوگوں کو قابض پاتے ہیں۔ جنھوں نے حلال اور حرام کے امتیاز کو مستقل طور پر ختم کر رکھا ہے۔ غرض ہماری قوم کے وہ طبقے جو دراصل ایک قوم کے دل اور دماغ ہوتے ہیں اور جن پر اس کے بناؤ اور بگاڑ کا انحصار ہوا کرتا ہے۔ اس وقت بدقسمتی سے ایک ایسا عنصر بنے ہوئے ہیں۔ جو اس کے بنانے کے بجائے بگاڑنے پر تلا ہوا ہے اور بناؤ کی ہر صحیح و کارگر تدبیر میں مزاحم ہے ——— [1]

---

[1] :۔ جماعت اسلامی کا مقصد تاریخ اور لائحہ عمل ص ۱۰۳ بعنوان "تیسرا عنصر"

تبصرہ: فرمائیے! کچھ آنکھوں میں روشنی، قلب میں نور، ایمان ایمان میں کچھ تازگی پیدا ہوئی۔ یہ ہے ہائی اسٹینڈرڈ پوزیشن کے مالک فل پاور ماڈرن مجدد اعظم مودودی کی تبحر علمی اور سنجیدگی مزاجی کا نایاب اور عدیم المثال قسم کا نمونہ! کیا ان صحائف کو پڑھنے کے بعد بھی واجب التعزیر، معلم الملکوت ابوالفتور مودودی کسی قسم کے آداب و لحاظ کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے؟

مودودی صاحب اپنی قوم کا تعارف یوں کرواتے ہیں:۔

— یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں — [1]

مودودی صاحب نے اپنے معبود کا تعارف یوں کروایا ہے:۔

— "اور کیا وہ اللہ کی چال سے بے خوف ہو گئے سو اللہ کی چال سے تو وہی بے خوف ہوتے ہیں۔ جن کو برباد ہونا ہے" — [2]

نوٹ — کوئی چالباز ہی ایسا کہہ سکتا ہے۔

مزید تعارف ملاحظہ ہو۔

— ان چالوں کے مقابلہ میں خدا بھی ایک چال چلا مگر خدا کی چال ایسی تھی کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکتے تھے پھر اسکا توڑ کہاں سے کرتے — [3]

---

[1]:۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے صفحہ ۸ بعنوان "خام خیالیاں"

[2]:۔ تفہیمات صفحہ ۱۳۶

[3]:۔ تنقیحات صفحہ ۳۰۴

مودودی صاحب کی نظر میں رسولوں کی اتنی توقیر ہے : ۔

"پھر اسرائیلی چرواہے کو دیکھئے جس سے وادیٔ مقدس طویٰ میں بلا کر باتیں کی گئیں ۔ وہ بھی عام چرواہوں کی طرح نہ تھا" ۔۔۔۔ ۱؎

نوٹ ۔۔۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر کو "اسرائیلی چرواہا" کہہ کر آپ نے دین کی خدمت کی یا زیاں کی ؟ خدائے قدیر اس نوع کے اہانت آمیز انداز تحریر سے ہر خوش عقیدہ و نیاز مند مسلمان کو محفوظ رکھے آمین ۔

فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعارف مودودی صاحب یوں کراتے ہیں : ۔

"صحرائے عرب کا یہ ان پڑھ اور بادیہ نشین جو چودہ سو برس پہلے اس تاریک دور میں پیدا ہوا تھا ۔ دراصل دورِ جدید کا بانی اور تمام دنیا کا لیڈر ہے" ۔۔۔۔ ۲؎

نوٹ ۔۔۔ محبوب خدا کی بارگاہ اور یہ الفاظ گلہ بان ، سوداگر ، بادیہ نشین لیڈر ، ان پڑھ سچ ہے نئے اسلام کو نیا لباس چاہیے موصوف مزید لکھتے ہیں : ۔

"ایک گلہ بانی اور سوداگری کرنے والے ان پڑھ ، بادیہ نشین کے اندر یکایک اتنا علم ، اتنی روشنی اتنی طاقت ، اتنے کمالات ، اتنی زبردست تربیت یافتہ قوتیں پیدا ہو جانے کا کون سا ذریعہ تھا ۔ ۳؎

کیا قارئین کرام مودودی صاحب کے مقام کا اندازہ کر سکتے ہیں جب کہ انہوں نے لکھا ہے : ۔

"اور کبھی کبھی اقتضائے بشریت کی بنا پر جب کبھی آپ سے کوئی اجتہادی لغزش ہوتی ہے" ۔۔۔۔ ۴؎

۱؎ : ۔ تفہیمات صفحہ ۲۴۱ ۔ ۲؎ : ۔ تفہیمات صفحہ ۲۱۱

۳؎ : ۔ بحوالہ بالا ص ۲۴۱ ۔ ۴؎ : ۔ تفہیمات صفحہ ۳۴

نوٹ ـــــ یہ انداز وہی ہے۔ جیسا کہ کوئی بڑا اپنے سے چھوٹے پر تبصرہ کر رہا ہو مذکورہ بالا تحریر میں نخوت وغرور، سرکشی، بے اعتنائی کی بھرپور جلوہ گری ہے۔ البتہ جو چیز ڈھونڈے نہیں ملتی وہ جذبۂ نیازمندی وعقیدت کیشی کی ادنیٰ جھلک ہے

اب نادر شاہی فتویٰ ملاحظہ فرمایئے۔

ــــــ "اسلام میں ایسے شخص کے مسلمان کہے جانے کی گنجائش نہیں ہے جو نماز نہ پڑھتا ہو" ــــــ [1]

مزید لکھتے ہیں ــــ "سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ آپ نے نماز روزے کے ارکان اور ان کی ظاہری صورتوں ہی کو عبادت سمجھ رکھا ہے ــــ [2]

دجال کے بارے میں اپنی تحقیق کا جوہر یوں پیش کیا ہے :۔

ــــــ "یہ کانا دجال تو افسانے ہیں۔ جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں [3]

مزید وضاحت یوں کی ہے۔

ــــــ "ان امور (یعنی کانا دجال وغیرہ) کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں، وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ جن کے بارے میں آپ (یعنی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم) خود شک میں تھے لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ بات ثابت نہیں کی کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا" ــــــ [4]

نوٹ ــــ ہوسکتا ہے مودودی شریعت میں وہ پیغمبر جو من جانب اللہ مطلع علی الغیب ہے اس کی پیشینگوئی کا مقام وہی ہو جو کاہنوں اور جوگیوں کے اٹکل پچو کا جس کا مفہوم یہ ہے، ع "لگے تو تیر نہیں تکا" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ" ورنہ اس باب میں جن لوگوں کی نظریں قرآن وحدیث کی تعلیمات پر ہیں ــ وہ آپ کی اس حرکت ما

---

[1] :۔ حقیقت صوم وصلوٰۃ صفحہ ۱۸ [2] حقیقت صوم وصلوٰۃ صفحہ ۵۴

[3] :۔ ترجمان۔ ستمبر واکتوبر ۱۹۴۵ء [4] ۔ ترجمان۔ فروری ۱۹۴۶ء

طفلانہ کوگو زشتر سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں گے۔ پھر اتنی مدت گزر جانے کے بلوجود کانا دجال کا عدم ظہور اگر پیشین گوئی کے عدم صحت کی دلیل ہے تو حضرت مہدی سے متعلق بھی اسی دلیل کو کام میں لانا چاہیے، وہاں ان کی بعثت پر اصرار کیوں ہے؟ اب موصوف کی احادیث کے خلاف محاذ آرائی ملاحظہ ہو :۔

"آپ کہہ سکتے ہیں کہ جس "حدیث" کو وہ "محدثین" صحیح قرار دیتے ہیں، وہ حدیث حقیقت میں بھی صحیح ہے۔ صحت کا کامل یقین تو خود ان "محدثین کو بھی نہ تھا۔ ۔۔۔۔۔۔ ۱ے

نوٹ ۔۔۔۔۔ آپ کو بجائے خود حدیث کی صحت کامل کا یقین ہو یا نہ ہو لیکن اگر محدثین کو اس کی صحت کا یقین نہ ہوتا تو وہ اسے یقیناً صحیح قرار نہ دیتے ورنہ یہ علم دین کی دنیا میں ایک بہت بڑی مجرمانہ خیانت ہے، شاید کہ منکرین حدیث کی گود کے پروردہ بھی ایسے فتنہ پرور ذہن کی پرورش نہیں کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر راویان حدیث در وسائط کو یونہی ساقط الاعتبار سمجھ لیا جائے تو کل قرآن کے متعلق بھی الحاد کی زبان، بے لگام ہو سکتی ہے۔ جس کی راہنمائی آں بدولت فرما رہے ہیں۔ یہ دین کی خدمت نہیں بلکہ شجر اسلام پر تیشہ زنی ہے

مذکورہ سلسلے میں موصوف کی اُ نا کا رقبہ ملاحظہ ہو :۔

"آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے۔ جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں "۔۔۔۔۔ ۲ے

مزید اس فتنے کو یوں ہوا دیتے ہیں :۔

۱ے :۔ تفہیمات صفحہ ۲۱۲ ۲ے :۔ تفہیمات صفحہ ۲۰۳

—— "محدثین جن بنیادوں پر احادیث کے صحیح یا غلط ہونے یا ضعیف وغیرہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ان کے اندر کمزوری کے مختلف پہلو میں بیان کر چکا ہوں۔" —— [1]

شریعت کے دوسرے ماخذ کو مودودی صاحب یوں خرد برد کرنا چاہتے ہیں:۔

—— "ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہیئے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھا چاہئے نہ کبھی ہم نے یہ دعویٰ کیا کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو، اس کو آنکھیں بند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مان لیا جائے۔" —— [2]

نوٹ —— ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھنے یا جو کتاب قال رسول اللہ سے شروع ہو اس کو حدیث مان لینے کی تائید آپ کر ہی نہیں سکتے۔ یہ سب پرانے اسلام کی روایت اور دستور ہے اب تو یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ تفہیمات میں ایسا ہے اور تجدید واحیاء دین میں ایسا، یہ کتابوں کا جال اور نشریات کا دفتر کس دن کام آئے گا۔

خدا کی سلطنت میں اختیار سے محروم حضرات کی فہرست مودودی صاحب نے یوں تقسیم کنندہ بن کر پیش کی ہے:۔

—— "خدا کی سلطنت میں سب سے بے اختیار رعیت ہیں خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء و اولیاء" —— [3]

مودودی صاحب چودھویں صدی میں نیا اسلام مرتب کرنا چاہتے ہیں، جس کا انھوں نے یوں اعلان کیا ہے:۔

---

[1] : ذکر بالا صفحہ ۳۴۳، [2] تفہیمات حصہ اول صفحہ ۳۵۵، [3] دستور جماعت اسلامی صفحہ ۵،

—— "اسلام میں ایک نشاۃ جدیدہ کی ضرورت ہے۔ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا" —— لے

نوٹ —— پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ مودودی شریعت میں کام آئے یا نہ آئے لیکن جس کا نام شریعت محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں وہ سرمایہ کارآمد تھا، ہے اور رہے گا۔ معبود کی تعریف مودودی صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو:-

—— "اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اس کو الٰہ بنانا ہے اور اس سے دعا مانگنا ہے" —— لے

الٰہ کی مزید تعریف یوں بیان کی ہے:-

"کسی کو خدا کے یہاں سفارشی قرار دے کر اس سے مدد کی التجا کرنا اور اس کے آگے مراسم تعظیم و تکریم بجالانا اور نذر و نیاز پیش کرنا، اس کو الٰہ بنانا ہے" ۔ سے

مودودی صاحب کی شرک فروشی کا بھاؤ ملاحظہ ہو:-

—— "کسی کو شفیع یا سفارشی سمجھنا اسے الٰہ بنانا اور خدائی میں اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے" —— سے

نوٹ —— شفیع یا سفارشی کو الٰہ و معبود قرار دینا یا خدائی میں اللہ کا شریک ٹھہرانا یہ اندھیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر وہ انہیں الٰہ و معبود قرار سمجھتا تو سفارشی کیوں ٹھہراتا۔ شفیع سمجھنا یہ خود اس بات کی روشن دلیل ہے کہ وہ شفیع کو الٰہ نہیں سمجھتا۔ اسی سلسلے میں مزید یوں لکھا ہے۔

"کسی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ تمہاری فریاد رسی کر سکے۔ دعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حامی و ناصر، ولی و کارساز بن سکے، نفع یا

لے تنقیحات صہ ۱۵ ۔ سے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۱۹ ۔ سے بحوالہ بالا صفحہ ۲۲ ۔ سے بحوالہ بالا صہ ۲۳

یا نقصان پہنچا سکے۔ لہٰذا الٰہ کا جو مفہوم بھی ہمارے ذہن میں ہے۔ اس کے لحاظ سے کوئی دوسرا "الٰہ" نہیں ہے۔ حتٰی کہ کوئی اس معنی میں بھی الٰہ نہیں کہ فرمانروائے کائنات کے یہاں مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اس کا زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو" ـــــــــ [1]

ـــــــــ "اولیائے کرام کی عداوت کے جذبات میں سرشار ہو کر مودودی صاحب یوں نئی شریعت گھڑتے اور اصطلاحیں وضع کرتے ہیں:۔

ـــــــــ "معبودوں سے مراد اولیاء اور صلحاء ہیں اور ان کی عبادت سے مراد ان کی زندگی کی صفات سے بالاتر اور ذاتی صفات سے متصف سمجھنا اور ان کو غیبی امداد، مشکل کشائی و فریاد رسی پر قادر خیال کرنا اور ان کے لیے تعظیم کے وہ مراسم ادا کرنا جو پرستش کی حد تک پہنچے ہوں" ـــــــــ [2]

زکوٰۃ کے بارے میں نادر شاہی فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

ـــــــــ "زکوٰۃ کے بغیر نماز، روزہ اور ایمان کی شہادت سب بےکار ہیں کسی کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا" ـــــــــ [3]

نوٹ ـــ مودودی بیت المال جو سیاسی ہتھکنڈوں میں استعمال کیا جاتا ہے اسے پر کرنے کا یہ مہذب طریقہ ہے۔ غیر مسلموں کی فہرست یوں مکمل کی ہے:۔

ـــــــــ "اسلام میں کسی ایسے شخص کے مسلمان سمجھے جانے کی گنجائش نہیں ہے جو نماز نہ پڑھتا ہو، قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو" ـــــــــ [4]

نوٹ ـــ ہو سکتا ہے مولوی منظور نعمانی، مولوی امین احسن اصلاحی جیسے لوگوں

---

[1] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۳۷) [2] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۲۳

[3] خطبات ص ۱۲۷) [4] خطبات ص ۱۳۳

کی جماعت سے بیزاری و علیحدگی کے وجوہ میں ایک یہ بھی ہو جس میں زبان غالب فتویٰ مغلوب ! ذکر الٰہی مودودی صاحب کے دین سے خارج ہے۔ جیسا کہ خود لکھا ہے۔

"صرف اس لئے کہ خدا خوش ہو گا پس دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں جا بیٹھنا اور تسبیح ہلانا عبادت نہیں" ۔۔۔۔۔ ۱؎

مودودی صاحب کے نزدیک استنباط ناقابلِ قبول ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"ڈاڑھی کے متعلق شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ علماء نے جو حد مقرر کرنے کی کوشش کی ہے وہ بہرحال استنباطی چیز ہے ۔۔۔ ۲؎

نوٹ ۔۔۔ شریعت اسلامیہ کے ہزاروں مسائل استنباطی ہیں، پھر ایک ڈاڑھی پر کیوں قہر و جلال کی بجلی کوند رہی ہے۔ جو کہتا ہو برملا کہئے ڈھکے چھپے کب تک؟ مودودی صاحب نے احکامِ خداوندی میں ترمیم و تنسیخ کرنے کا حق بھی بزعم خود حاصل کیا ہوا ہے۔ چنانچہ حدود کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

۔۔۔ اسی طرح حد سرقہ کو بھی قیاس کر لیجئے کہ وہ صرف اسی سوسائٹی کے لئے مقرر کی گئی ہے جس میں اسلام کے معاشی تصورات اور اصول اور قوانین پوری طرح نافذ ہوں، قطع ید اور اسلامی نظم معیشت میں ایسا رابطہ ہے جس کو منقطع نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں یہ نظم معیشت قائم ہو وہاں قطع ید ہی عین انصاف ہے اور اقتضائے فطرت ہے اور جہاں نظم معیشت نہ ہو وہاں چور کا ہاتھ کاٹنا دوہرا ظلم ہے" ۔۔۔۔ ۳؎

اسی سلسلے میں مزید یوں لکھا ہے:۔

"اپنی جگہ تو چور کے لئے ہاتھ کاٹنا ہی نہیں، بلکہ قید کی سزا بھی بعض حالات میں ظلم ہوگی ۔۔۔۔ ۴؎

۱؎ : حقیقت صوم و صلوٰۃ ص ۱۸ ۲؎ (رسائل و مسائل صفحہ ۸۴) ۳؎ (تفہیمات ص ۲۸۱ و ص ۲۸۲)
۴؎ (تفہیمات ...

مودودی صاحب نے بدکرداروں اور عیاشوں کی حوصلہ افزائی کے لئے یوں شرعی پرمٹ جاری کئے ہیں :-

جہاں مدرسوں میں، دفتروں میں، کلبوں اور تفریح گاہوں میں خلوت وجلوت میں ہر جگہ جوان مردوں اور بنی ٹھنی عورتوں کو آزادانہ ملنے جلنے اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا ہے، جہاں ہر طرف صنفی محرکات پھیلے ہوئے ہوں اور ازدواجی رشتے کے بغیر خواہشات کی تسکین کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بھی موجود ہوں۔ جہاں معیار اخلاق بھی اتنا پست ہو کہ ناجائز تعلقات کو کچھ معیوب نہ سمجھا جاتا ایسی جگہ زنا اور قذف کی شرعی حد جاری کرنا بلاشبہ ظلم ہوگا"۔ [1]

---

[1] :- تفہیمات جلد دوم ص۲۸۱،

بحث و نظر

نوٹ: شیش محل کے اکثر فارم پریس کے سپرد ہو جانے کے بعد ۲۷ مارچ ۱۹۶۶ء مخدوم زادہ مولانا سید محمد مدنی میاں جانشین حضور محدث اعظم ہند نے آفس دار العلوم غریب نواز میں "دستور جماعت اسلامی ہند کا تنقیدی جائزہ" جس کا دوسرا ایڈیشن مع اضافہ جدیدہ منظر عام پر آگیا ہے۔ اس کی کاپی مرحمت فرمائی ۔۔۔ "بحث و نظر" کے زیر عنوان شاہزادہ محدث اعظم ہند، عزت مآب مخدومی سید حسن مثنیٰ میاں ایم اے علیگ نے کوثر نیازی کے خط و استعفیٰ پر ایک مفید اور دلچسپ تبصرہ فرمایا ہے۔ جسے قارئین کی ضیافت طبع اور کتاب کی افادیت کے پیش نظر من و عن تحریک کر لیا گیا ہے۔

نظامی

قومی آواز، لکھنؤ نے یکم مارچ ۱۹۶۵ء کو جناب کوثر نیازی صاحب کا مراسلہ اور ۴ مارچ ۶۵ء کو ان کا استعفیٰ نامہ شائع کیا تھا۔ ان ہی دنوں میں تنقیدی جائزہ کا مسودہ تیار ہو کر پریس جاچکا تھا لہٰذا اب اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ ان دونوں تاریخی دستاویزوں کو معمولی انتخاب کے ساتھ بغیر کسی انتخاب و نظر کے مذکورہ کتاب کے پیش لفظ میں شامل کر لیا جائے۔ ان ہی تاریخوں میں قومی آواز کے مسلسل اداریئے نکل رہے تھے اور وہ کوثر نیازی صاحب کے خط اور استعفیٰ نامہ دونوں کی روشنی میں جماعت کی مطلق العنانیت پر بے لاگ تبصرہ کر رہا تھا: ظاہر ہے کہ قومی آواز کا تعلق نہ کسی مذہبی جماعت سے ہے اور نہ وہ مذہبی آرگن بننے کا دعویدار ہے۔ لہٰذا اس کی غیر جانبدارانہ پالیسی نے ایک ایسی فضا بنا دی تھی جسے دیکھ کر جماعت اسلامی کے

نور چشموں کی سراسیمگی و ہیجان اور افرادِ ملت اسلامیہ کا ذوق نظارہ بڑھ گیا تھا۔ ان حالات میں خاموش رہنے ہی میں عافیت تھی اور میں اس بات کا بھی منتظر تھا کہ ملک کے دوسرے صحافیوں اور اربابِ فکر و نظر کی رایوں سے مطلع ہو جاؤں۔ تو اظہارِ خیال کروں! آج جبکہ نقد و تبصرہ کا یہ ہنگامہ گزر چکا ہے اور مخالف و موافق خیالات بھی منظرِ عام پر آگئے ہیں تو ایسے مناسب وقت میں چھان بین اور تحقیق و جستجو کے زیادہ امکانات کے تحت نتیجہ خیز انداز میں گفتگو کی جا سکتی ہے۔ اس طویل عرصے کی خاموشی میں مجھے اس امر کا بھی اندازہ ہو گیا کہ کوثر نیازی صاحب کی تحریریں کا جواب جماعتِ اسلامی کے وکیلوں کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں جسے پاکستانی امیر جماعت کے لب اعجاز نے ہندو پاک کی فضائے بسیط میں پھیلا رکھا ہے کہ "کوثر نیازی اخلاص و للّٰہیت سے محروم ہو چکا ہے اور دوسرے محرکات کے تحت وہ کام کر رہا ہے" بس یہی دو جملے عقیدتمندان جماعت کے لئے برہانِ قاطع بن گئے اور ان کے متفکر و مضمحل چہرے یکایک اس طرح چمکنے لگے گویا گھر میں سب خیریت ہے۔ اس مصنوعی انشراحِ صدر کی صحیح آئینہ داری ماہنامہ تجلی دیوبند نے کی ہے۔ مذکورہ ماہنامہ کے شمارہ مئی ۱۹۶۵ء میں 'کوثر نیازی اور جماعت اسلامی' کے عنوان سے مدیر تجلی کا ایک مختصر مضمون اور عبدالرحمٰن بزمی کا ایک مراسلہ زینت قرطاس بنا ہوا ہے۔ مضمون اور مراسلہ پر اظہارِ خیال کرنے سے قبل مدیر تجلی کے تعارف کے لئے ان ہی کی ایک تحریر ملاحظہ فرمایئے۔

جماعتِ اسلامی کی دعوتِ دینی اور تحریکی فلسفے کو میں تہ دل سے عزیز رکھتا ہوں۔ میری نظر میں دین کی اقامت اور احیاء کے لئے مولانا مودودی کا برپا کیا ہوا منظم فکر اس دورِ ضلالت کی ایک قیمتی متاع ہے۔ میں مولانا مودودی کو اپنے وقت کا امام تصور کرتا ہوں، میرا خیال ہے

وہ دنیا کے عبقری انسانوں کی فہرست میں شامل ہیں یہ ان کی ذات سے نہیں۔ ان کی صفات اور بنیادی فکر سے اتنی ہی محبت رکھتا ہوں جتنی بیٹا اپنے باپ سے اور مرید اپنے مرشد سے رکھتا ہے۔ ۱؎

ان کی پُرجوش محبت وعقیدت کا یہ سیلاب انھیں اس مقام پر بھی پہنچا دیتا ہے کہ وہ اپنے "ایک عزیز" ہی پر رعب جماتے ہیں:۔

"آئندہ جماعت اسلامی پر کیچڑ اچھالنے سے پرہیز کریں۔ بغیر اس کے کھانا ہضم نہ ہوتا ہو تو عامر عثمانی کو برا بھلا لکھیے۔ اس کی، سیاہ کاریاں دنیا کو دکھلائیے۔ اس پر ہمیں جوش نہیں آئے گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ اس بدنہاد کے پیچھے آپ کے ساتھ ہم بھی تالیاں بجانے میں شریک ہو جائیں ——— ۲؎

مدیر تجلی کے ذہنی جغرافیہ کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ موصوف کی وابستگی مودودی صاحب اور ان کی چلائی ہوئی تحریک سے کس قدر اندھا دھند اور جنون انگیز ہے! سپردگی اور وارفتگی کا یہ ہوش ربا انداز غمازی کر رہا ہے کہ مدیر محترم اپنے امام وقت، پدر معنوی اور مرشد کامل نیز اپنی پسندیدہ جماعت اسلامی پر کسی تنقید کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ جب سینے میں محض جذبات متلاطم ہوں تو بالعموم فکر و نظر مفرور ہو جاتی ہے اور گویائی کے اسلوب پر بھی قابو نہیں رہتا ہے اس کی کامیاب مثال مدیر تجلی کا مضمون ہے۔ جس کی ابتدا اس دعوے سے ہوتی ہے

"اس دنیا میں کسی جماعت سے بعض لوگوں کا خروج کوئی نادر واقعہ نہیں۔ جماعت اسلامی بھی اس دنیا کی جماعت ہے۔ اس سے اگر کچھ لوگ وقتاً فوقتاً خروج کرتے رہے ہیں تو اس میں نہ حیرت کی کوئی بات

۱؎: تجلی دیوبند۔ شمارہ مئی ۶۵ء صہ ۵۱) : ۲؎ (ایضاً صہ ۵۲)

ہے۔ نہ یہ خروج جماعت اسلامی کے عیب دار ہونے کی دلیل ہے" لے مذکورہ بالا دعویٰ کی صداقت کے لئے دلیل بھی ملاحظہ فرمائیے :۔

—— "قافلۂ انسانی کے میر کارروان، ہر بشری عظمت ورفعت کے خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے متصل بعد خروج کا ایک طوفان آیا۔ ...... بے شمار لوگ اسلامی جماعت سے کٹ کر حزب الشیطان کے کیمپ میں جا پہنچے تھے۔ مگر یہ کٹنا اور اسلامی جماعت سے نکل جانا اس بات کی دلیل نہ تھا کہ اسلام یا اسلام کے حامل صحابۂ کرام میں کوئی نقص تھا —— ۲ے

آگے چل کر مدیر تجلی گریز کا پہلو اختیار کرتے ہیں :۔

—— "آج کی مصطلحہ جماعت اسلامی سے خروج اگرچہ اسلام سے خروج نہیں بلکہ محض ایک تنظیم سے خروج ہے اور خروج کرنے والوں کے لئے کسی قسم کا کفر ثابت نہیں کیا جا سکتا" —— ۳ے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دین اسلام سے خروج اور مصطلحہ جماعت اسلامی سے خروج کی حیثیت و نوعیت میں بنیادی طور پر فرق ہے اور دونوں کے جداگانہ نتائج مرتب ہوتے ہیں تو عمل خروج کی محض ایک جزوی مماثلت سے مدیر تجلی کے دعویٰ کو کیا تقویت پہنچ سکتی ہے؟ اور اس تمثیل کا یہاں کیا محل تھا؟ ارباب عدل و دیانت غور فرمائیں! مدیر تجلی کے مذکورہ دعویٰ کی صداقت کے لئے دین اسلام سے قطع نظر جماعتی خروج ہی کو اگر دیکھئے تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ کیا انہیں کے انداز میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ امام ابوالحسن اشعری، المتوفی ۳۲۴ھ نے جماعت معتزلہ کی آغوش میں پرورش پائی، کم و بیش ۴۰ سال تک معتزلہ کے عقاید و نظریات کی تبلیغ کرتے رہے اور جب انھوں نے

لے تجلی دیوبند شمارہ مئی ۱۹۶۵ء، صہ ۳۵) ۲ے ایضاً صہ ۳۵) ۳ے ایضاً صہ ۳۵)

جماعت معتزلہ سے خروج کیا تو ان کا یہ عمل جماعت معتزلہ کے باطل اور عیب دار ہونے کی دلیل نہیں یا ان کا کٹنا اور جماعت معتزلہ سے نکل جانا اس بات کی دلیل نہ تھا کہ معتزلہ یا اس کے افکار و نظریات کے حامل لوگوں میں کوئی نقص تھا!!

مجھے امید ہے کہ مدیر تجلی اپنے دعویٰ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس بات سے بھی اتفاق کریں گے کہ دین اسلام کے تاریخی فتنہ "ارتداد" کی غلط، بے محل اور پرفریب تمثیل پیش کر کے مصطلحہ جماعت اسلامی سے خروج کرنے والوں کی بے توقیری کرنا ان کے شکستہ دلوں کی آواز کو ہوا میں اڑا دینا۔ ان کی زندگی کے اہم تجربات و مشاہدات کو بیک قلم مسترد کر دینا اور محض جماعت کی عصمت و پاک دامنی کے تحفظ کے لیے اختراعات کا جال بچھانا انہیں لوگوں کا مزاج و شعار رہا ہے۔ جن کے دماغ پر ہمیشہ ذل مسلط رہتا ہے یا جن کی فکر و نظر ہمہ وقت جذبات کے طغیان میں ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے۔ کسی جماعت سے کسی شخص کے خروج پر کوئی حکم صادر نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ خروج کرنے والا کون ہے؟ اور خروج کے اسباب و علل کیا ہیں؟ اگر کوئی محض اپنی تلون مزاجی، کوتاہ نظری اور مادی مفاد کے پیش نظر کسی جماعت کو خیرباد کہے تو بلاشبہ مذکورہ جماعت کی صحت پر کوئی خراب اثر نہیں پڑے گا لیکن اگر کوئی ایسا شخص جس نے

"بلند توقعات اور اصلاح ذات اور خدمت دین کی حسین آرزوؤں کے ساتھ جماعت میں شرکت کی تھی۔ جس نے خدمت دین اور نجات اخروی کی خاطر محض کسی تنظیم میں شرکت ہی نہیں کی۔ بلکہ اس کے لئے والدین اور اعزہ و اقربا کو چھوڑا، اپنوں کو بیگانہ بنایا اور دنیا بھر سے لڑائی مول لی .... جس نے جماعت کو حق کا علمبردار سمجھا تو اس کی ایک ایک بات کی تبلیغ و تائید میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور جن لوگوں نے جماعت کی مخالفت کی

ان کے حملوں سے اسے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تمام توانائیوں کو نچوڑ دیا۔

.... جو جماعت کے اعلےٰ منصب پر بھی فائز تھا اور اپنی سترہ سالہ

خدمات کی بنا پر حلقے کے قیم سے لے کر امیر تک کے لئے انتہائی موزوں آدمی

تھا"۔۔۔۔۔ ۱؎

اپنے مسلسل شواہد و تجربات کو باقاعدہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور جماعت کی بے اصولی، کمزوری مصلحت پرستی، ابن الوقتی، نفع خوری اور اخلاقی زوال و انحطاط کے گھناؤنے مناظر سے تنگ آکر جماعت سے خروج کرے تو ایسے شخص کے لئے چلتے فقرون' مزاحیہ ریمارکس (Humorous Remarks) طنزیہ لب و لہجے اور غم و غصہ کے طور پر یہ کہہ دینا سودمند نہ ہو گا کہ

"(جماعت) سے اگر کچھ لوگ وقتاً فوقتاً خروج کرتے رہے ہیں

تو اس میں نہ حیرت کی کوئی بات ہے نہ یہ خروج جماعت اسلامی کے

عیب دار ہونے کی دلیل ہے"۔ (ایضاً صہ ۳۵)

یا ۲؎ " اچھا ہی ہوا کہ موصوف جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے

خدا کرے اور بھی وہ لوگ جلد الگ ہو جائیں۔ جن کی بے کرداری

اور نفاق و بزدلی کا یہ عالم ہو۔۔۔۔ ۱؎

بلکہ یہ خروج درحقیقت جماعتی تاریخ کا وہ المیہ (Tragedy) ہے۔ جس کے گہرے اثرات کو محو کرنے کے لئے قوی تر دلائل فراہم کرنے پڑیں گے اور خالص جذبات کو مشتعل کرنے کے بجائے فہم و شعور کو آواز دینی ہوگی۔ مسئلہ کے اس اہم رخ کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ خروج کرنے والے کوئی سرپھرے نہیں تھے اور نہ انھیں کسی پاگل کتے نے کاٹ کھایا تھا۔ لہٰذا کوثر نیازی سے قبل بھی محمد منظور احمد نعمانی

۱؎ تلخیص استعفیٰ نامہ کوثر نیازی ۲؎ (ایضاً صہ ۳۹)

ابوالحسن علی ندوی، امین احسن اصلاحی اور حیدر الدین خاں جیسے مختلف جماعتوں کے اکابر کو جماعت اسلامی اور اس کے امیر سے کمال تنفر کیوں پیدا ہوا؟ اس ضمن میں مدیر تجلی نے ایک دلچسپ وجہ بتائی ہے کہ ان لوگوں کو "جماعت اسلامی کے بنیادی نظریات اور مقاصد و مبانی" سے اختلاف نہیں تھا بلکہ "یہ لوگ پالیسی اور طریقۂ کار سے اختلاف کے باعث آمادۂ خروج ہوئے" معلوم ہوتا ہے کہ کسی جماعت کے نصب العین یا مقاصد اور اس کی پالیسی یا طریقہ کار میں جو ربط باہمی ہوتا ہے۔ اس پر مدیر تجلی کی نظر نہیں پہنچی یا وہ دیدہ و دانستہ صرف "جماعت اسلامی کی اصل دعوت محوری فکر اور متفصلہ و مبانی" کی حفاظت و دفاع ہی کے لئے کوشاں ہیں۔

بہرحال یہ تو سیدھی سی بات ہے کہ اگر خروج کرنے والوں کو جماعت کے مقاصد و نصب العین سے اختلاف ہوتا تو شریک جماعت ہی کیوں ہوتے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ جماعت کی پالیسی یا طریقۂ کار کے اختلاف کی لپیٹ میں جماعت کا نصب العین بھی آجاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی اہمیت مدیر تجلی کی نگاہوں میں نہ سہی مگر آج کی ترقی یافتہ دنیا میں حصول نصب العین یا مقاصد کا انحصار تمامتر پالیسی اور طریقہ کار ہی پر ہے۔ کسی جماعت کے نصب العین یا مقاصد کو خوشنما کاغذی پیراہنوں میں ملفوف کر لینا اس جماعت کے اعلیٰ وارفع ہونے کی دلیل نہیں۔ جماعت کی بلندی کا راز اسی میں ہوتا ہے کہ وہ اپنی پالیسی اور طریقہ پر ہمہ وقت ایسی نظر رکھے کہ تحصیل نصب العین یا حصول مقاصد میں کسی شک کی گنجائش نہ ہو۔ اس اعتبار سے جن لوگوں نے مصلحِ جماعت اسلامی کی پالیسی یا طریقہ کار سے اختلاف کی بنا پر راہ خروج اختیار کی وہ مایوسی کا تلخ گھونٹ پی کر یہ اعلان بھی کر گئے کہ نمائشی نصب العین یا کاغذی مقاصد موجب فلاح و نجات نہیں بن سکتے! اب شاید یہ حقیقت واضح ہو گئی۔ ہو کر پالیسی یا طریقہ کار کا اختلاف جماعت کے مقاصد و نصب العین پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ کوثر نیازی صاحب پہلے شخص ہیں۔ جنھوں نے اپنے پیش رووں کی طرح جماعت اسلامی سے سبکدوشی نہیں حاصل کی بلکہ اس جہان خوب و زشت میں ایک ایسا "اضطراب شوق چھوڑ گئے کہ ان کا مراسلہ اور استعفیٰ نامہ آج بھی حلقہ بگوشاں جماعت کے لئے سوہان روح ہے۔

"اب کوثر نیازی صاحب نکلے ہیں، ان کا نکلنا قدرے ہنگامہ خیز اس لئے نظر آیا کہ اپنے خروج کے اسباب و علل کی تفصیل انھوں نے پریس میں بھی لانی ضروری سمجھی اور ان کا ایک مطول خط اخباروں میں شائع ہوا ہے۔" ــــــ لہ

مدیر تجلّی نے "ہنگامہ خیزی" پر تو نگاہیں رکھیں لیکن خروج کے "اسباب و علل" فراموش کر گئے اور صرف یہ اشارہ کر دیا کہ "ایک مطول خط اخباروں میں شائع ہوا ہے" آخر اس مطول خط کے مندرجات کیا ہیں؟ کن حقائق کو پیش کیا ہے؟ کس نوع کے سوالات اٹھائے ہیں؟ پالیسی یا طریقۂ کار پر کیا بحث ہے؟ جماعت کے نظام فکر و عمل کے کتنے زاویے دکھائے ہیں؟ جماعت کے لٹریچر کے کن خطرناک مضمرات کی نقاب کشائی کی ہے؟ تاریخ جماعت کی تہذیب و ترتیب کن بنیادوں پر ہے؟ اور تمام تجربات و مشاہدات کی صحت و صداقت کے لئے حجت و برہان کا اہتمام کیا ہے؟ غرض کہ یہ اور اس کی طرح بہت سارے سوالات ہیں، جو کوثر نیازی صاحب کے مراسلے کے بطن سے وجود میں آتے ہیں اور جنھیں مدیر تجلّی نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ موصوف اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ "دور بیٹھ کر نظریاتی اور علمی بحثیں تو ہو سکتی ہیں۔ لیکن واقعاتی صداقتوں کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔" ــــــ ٢ہ

اس سے قبل وہ مذکورہ مراسلے میں پیش کردہ حقائق کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ

لہ ایضاً ص۳۵ ٢ہ ایضاً ص۳۶

"لیکن ان کا درست ہونا کسی طرح بھی یہ معنی نہیں رکھتا کہ جس تحریک اور فکر کی تائید و حمایت ہم کرتے آ رہے ہیں۔ اس پر کوئی حرف آگیا"۔ [1]

اسی خیال کو وہ دوسری جگہ یوں ظاہر کرتے ہیں ؛۔

"کسی بھی غیر جانبدار اور سلیم الطبع پڑھنے والے کو اس میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آسکی۔ جس سے جماعت اسلامی کی اصل دعوت، محوری فکر اور مقاصد و مبانی پر حرف آتا ہے"۔ [2]

اسی مراسلے کے حرف حرف کو ایک ڈرامائی انداز میں تسلیم کر لینے کے بعد مدیر تجلی کی ترجمانی بھی ملاحظہ ہو :۔

"بس اتنا ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ حق و صداقت کے جس کا نادر صالح انقلاب کی جس دعوت کو مولانا مودودی لے کر چلے ہیں۔ اس کی پیش رفت اور کامیابی کے لئے ان سے زیادہ موزوں آدمی کی ضرورت ہے اور ان کے موجودہ ساتھی ایسے کردار اور استعداد کے حامل نہیں ہیں۔ جس کا تقاضا یہ کاز کرتا ہے"۔ [3]

مذکورہ بالا اقتباسات کے آئینے میں دیکھئے تو مدیر تجلی اس اعتراف کے بعد کہ "دور بیٹھ کر .... واقعاتی صداقتوں کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا"۔ دراصل اپنی بے خبری و لاعلمی ہی کا اظہار نہیں کر رہے ہیں بلکہ کوثر نیازی کے مراسلے کی بنیادی حیثیت کو بھی متعین فرما رہے ہیں ان کے پاس نہ تو مراسلے کے مندرجات کا کوئی مدلل و معقول جواب ہے اور نہ انکار کی جسارت ..... البتہ وہ جماعت کے نور نگاہوں کی "تالیف قلوب" کے لئے یہ کہنے کی جرأت ضرور رکھتے ہیں کہ "جس تحریک اور فکر کی تائید و حمایت ہم کرتے آ رہے ہیں۔ اس پر کوئی حرف" نہیں آیا یعنی "جماعت اسلامی کی اصل دعوت، محوری فکر اور مقاصد و مبانی" کو کوثر نیازی صاحب کے مراسلے سے کوئی ،

---

[1] (ایضاً ص۳۶)   [2] (ایضاً ص۳۵)   [3] (ایضاً ص۳۵)

نقصان نہیں پہنچا ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ وہ مفاہمت کی اس پست منزل پر بھی آگئے ہیں کہ "حق و صداقت کے جس کا نزاور صالح انقلاب کی جس دعوت کو مولانا مودودی لے کر چلے ہیں" اسے اگر امان دپناہ دے دی جائے اور اس کے عوض میں افراد جماعت سے لے کر امیر جماعت رجیسے وقت کا امام، دنیا کا عبقری انسان پدر معنوی اور مرشد کامل بتایا گیا ہے۔) تک کی دھجیاں اڑا دی جائیں یا ان کے کردار و استعداد" کو تہ و بالا کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اپنی اسی بات کو ایک اور جگہ زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں :-

"ہم سالہا سال سے جماعت اسلامی کا دفاع کر رہے ہیں مگر تجلی کا ورق ورق گواہ ہے کہ یہ دفاع اصول و نظریات کے رخ سے ہے ذوات و اشخاص کے تعلق سے نہیں ہے" [لے]

مدیر تجلی کی ان تحریری کوششوں کا حاصل یہ ہے کہ کوثر نیازی صاحب کے مراسلے کی ضربیں محض "ذوات و اشخاص" پر پڑتی ہیں۔ لہٰذا دفاع کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جماعت کے اصول و نظریات یا اصل دعوت، محوری فکر اور مقاصد و مبانی" کی صحت و عافیت مذکورہ مراسلے کی روشنی میں بالکل اطمینان بخش ہے۔ اگر ان کا یہ خیال درست ہوتا تو مضمون لکھ کر دفاع کی زحمت گوارہ نہ کرتے! سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے "طرز فکر یا زاویہ نگاہ" کے اظہار کے لئے کون سی اصطلاح وضع کی جائے!! کیا افراد جماعت اسلامی فکر و تدبر سے اس قدر عاری ہو چکے ہیں کہ مدیر تجلی جیسے مہربانوں کے اشارے پر جماعت کا نظریاتی یا مقصدی پلندہ سر پر رکھ کر اپنے گھر میں آگ لگا دیں گے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو مجھے بتایا جائے کہ اصول و نظریات اور ذوات و اشخاص کے درمیان تفریق غرض و غایت کیا ہے اور مدیر تجلی کی اس ترجمانی سے" وہ (جناب مودودی صاحب) اور ان کے موجودہ ساتھی ایسے کردار و استعداد کے حامل نہیں ہیں۔ جس کا تقاضا یہ

کا ذکر تک ہے"۔ جماعت کے مقاصد و نظریات کے سر پر کون سا سرخاب کا پرلگ جاتا ہے بات چونکہ مقطع میں آن پڑی تھی۔ اس لئے نشاندہی کر دی گئی۔ ورنہ اصل مدعا تو یہ ہے کہ مدیر تجلی جذبات کا نشہ پلا کر کوثر نیازی صاحب کے مراسلے کی بنیادی حقیقت کو پردۂ خفا میں رکھنا چاہتے ہیں۔ کہاں ہیں ان کے "غیر جانبدار اور سلیم الطبع پڑھنے والے، جنہیں کوثر نیازی صاحب کے خط میں جماعت کا نظام فکر سلامت دکھائی دیتا ہے۔ وہ ذرا ان عبارتوں کو بھی ملاحظہ کرلیں۔

"جماعت نے صدارتی انتخاب میں اپنے سابقہ مؤقف کو چھوڑ کر محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کو دین اسلام کا تقاضا اور جہاد قرار دے دیا۔ .... اس کے خطرناک نتائج دعواقب کارکنان جماعت میں بڑھتی ہوئی مایوسی، اضمحلال اور جمود کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ .... اس سے جماعت ایک ایسے راستے پر ڈال دی گئی ہے جو دینی اعتبار سے سخت دو غلے پن بلکہ نفاق کا راستہ ہے اور سیاسی حیثیت سے فہم و فراست اور حکمت و دانش کے پہلو سے ہمارے دیوالیہ ہو جانے کا اعلان عام ہے۔ .... حرمتوں کی ابدی اور غیر ابدی تقسیم کا جو نیا طریقہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے۔ دوسرے غیر جانبدار عناصر حتیٰ کا اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں۔ .... ہماری مجالس میں خدا اور رسول کا تذکرہ بھی برائے بیت رہ گیا ہے عبادات میں ہم سخت تساہلی کا شکار ہیں اور شاید یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے۔ جس میں عبادات کو مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے"۔ الخ

کوثر نیازی صاحب کے مراسلے کا یہ انتخاب سرسری طور پر کیا گیا ہے۔ جو بہت مختصر ہے لیکن اس اختصار سے بھی مدیر تجلی کی "ذنکاری" کا یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے کہ "اس میں ایسی کوئی چیز نہیں آسکی۔ جس سے جماعت اسلامی کی اصل دعوت، محوری فکر اور مقاصد و مبانی پر کوئی حرف آتا ہو" عورت کی سربراہی کا مسئلہ، حرمتوں کی ابدی اور غیر ابدی تقسیم کا نظریہ اور مقصود یعنی تشکیل حکومت کے لئے عبادات کو بذریعہ یا وسیلہ قرار دینے کا سوال .... یہ وہ مسائل ہیں جن کا براہِ راست تعلق مصطلحہ جماعت اسلامی کے مقاصد و نصب العین اور افکار و نظریات سے ہے اور جنھیں مشتہر کرکے کوثر نیازی صاحب نے جماعت کے نظام فکر کو متزلزل کردیا ہے۔ ان شواہد کی موجودگی میں جرأت نکار کا مظاہرہ کرنا دھاندلی اور آنکھوں میں دھول جھونکنا نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ اسی طور سے جماعت کے کاغذی نظریات کا دفاع کیا جائے گا اور کیا اس طرح سے ہوش پر جوش کو ترجیح دے کر جماعت کے مقاصد و نصب العین کی حمایت کا پروپیگنڈا جاری رہے گا۔

مدیر تجلی نے کوثر نیازی صاحب کے مراسلے کا وہ حصہ بھی پیش کیا ہے۔ جس میں انھوں نے عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے جماعت کے جبر و خوف کی بنا پر اپنی غلط تائید و حمایت کا بھی اقرار کیا ہے۔ اس موقع مدیر تجلی" منطق اور نفسیات کے زاویوں سے غور کرلینے کے بعد فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ

"اس میں جناب کوثر صاحب نے نہایت صفائی سے اپنی منافقت کا اعتراف کیا ہے" ـــــ [1]

اسی سلسلے میں کوثر صاحب کی منافقت کا ثبوت بھی ملاحظہ فرمایئے

"اگر واقعتہً وہ علم تفقہ کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ فاطمہ جناح کی حمایت خلافِ شرع ہے تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ جماعت اسلامی کی طرف سے

---

[1] ایضاً صـ ۳۷

فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ صادر ہونے سے قبل ہی فقط اس کے امکان[1] سے وہ اتنے سراسیمہ ہو گئے۔ الخ[2]

مدیر تجلی کے فراہم کئے ہوئے ثبوت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اگر آپ یہ نکتہ ذہن میں رکھیئے۔ جس کی وقت نے بھی تصدیق کر دی ہے کہ کوثر نیازی صاحب کا امکان غالب بر بنائے حقیقت تھا اور جماعت کا فیصلہ رسمی طور پر صادر ہونے سے قبل ہی گھر گھر پہنچ چکا تھا ان کی سراسیمگی اس یقین و اعتماد کو ظاہر کرتی ہے کہ جماعت کے جبری نظام کے تحت مستقبل قریب میں کیا رونما ہونے والا تھا! اب یہ بالکل دوسری بات ہے کہ انھوں نے دور اندیشی اور تدبیر منزل کی پست صلاحیتوں سے کام لے کر حق کو مخفی رکھا اور جماعت کی خوشنودی (خواہ جبر و خوف کی بنا پر ہو) کے لئے ناحق کی تبلیغ کرنے لگے۔ کوثر نیازی اگر بزدلی اور کم ہمتی کے بجائے عزیمت اور سرفروشی کی راہ اختیار کر لیتے تو آج نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ لیکن ہم ایسی جماعت کے ایک فرد سے بلند عزائم کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ جس کا امیر جماعت ہی ان تمام القاب و آداب کا زیادہ مستحق ہو جنھیں مدیر تجلی نے کوثر نیازی صاحب کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ یہ بات کسے نہیں معلوم کہ امیر جماعت نے عورت کے صدر مملکت بننے کے مسئلے میں اپنے خیالات کا اظہار و اعلان سالہا سال تک قرآن و سنت کے موافق کیا تھا لیکن ایک سیاسی مفاد کے موڑ پر انھوں نے بزدلانہ اور منافقانہ روش اختیار کی اور قرآن و سنت کو نظر انداز کر کے اپنے سابق فیصلے کو جس طرح رد کیا وہ ہزار کوثر نیازی کے کردار و عمل پر بھاری ہے۔ جماعت کی جبریت اور دنیا سازی کا اگر کوثر نیازی نے رونا رو دیا ہے تو چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں۔ امیر جماعت کا بھی یہی ارشاد ہے کہ:

---

[1] دراصل مراسلہ میں لفظ امکان غالب درج ہے مگر مدیر تجلی نے مفہوم کو ہلکا کرنے کی غرض سے لفظ امکان تحریر کیا ہے۔

[2] (ایضاً ص ۳۷)

"جماعت بطور جماعت جب کوئی فیصلہ کرے تو اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا" الخ[1]

اب اس اختیار کلی کے بعد جماعت کی جبریت اور دنیا سازی کی راہ میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے!! یہ صحیح ہے کہ مذکورہ دونوں "دانشوروں" کے طرز عمل میں یہ نمایاں فرق بھی ہے کہ ایک جماعت کی قہاری و جباری کی تاب نہ لا کر جماعت سے نہ صرف یہ کہ کنارہ کش ہو گیا بلکہ جماعت کی ریشہ دوانیوں کو بھی طشت از بام کر دیا اور دوسرے نے خاموشی کے ساتھ جماعت کے آگے سر اطاعت جھکا دیا۔ اسے زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی مصلحت پسندی، موقع شناسی اور مفاد پرستی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا مناسب ردِ عمل یہ نہیں ہونا چاہئے کہ صرف کنارہ کش ہونے والے ہی پر ملامت و نفرین کے تیر برسائے جائیں اور اس کا خون بہا کر جماعت کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا جائے۔

مدیر تجلی نے اپنے مضمون کی تقویت کے لئے عبد الرحمٰن بزمی کا ایک مراسلہ بھی شائع کیا ہے۔ بزمی صاحب کا تعارف ان لفظوں میں کیا گیا۔

"آپ اتفاق سے کوثر صاحب کے ہم زلف ہیں یعنی دونوں کی بیویاں آپس میں بہنیں ہیں۔ اس رشتے کی موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بزمی صاحب کے خیالات و آراء، فقط قیاس آرائی پر مبنی ہوں گے۔"[1]

تعارف میں رشتہ داری پر کمال اصرار لطف سے خالی نہیں اور اس سسرالی تعلق پر علمی صداقتوں کو منحصر کرنا غیر سنجیدہ اور ظریفانہ انداز فکر ہے۔ ارے صاحب! یہ کوئی پولیس کا قائم کیا ہوا مقدمہ نہیں ہے۔ جس میں فریق مخالف کے رشتہ دار اور وہ بھی سسرالی ——؟، کو گواہ بنا کر خانۂ شہادت (witness box) میں لایا جائے!! مجھے ایسا معلوم پڑتا ہے کہ بزمی صاحب

---

[1] (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تنقیدی جائزہ صفحہ ۳۷ رسالہ الحیات صفحہ ۳۹)

کی خدمت خلق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مدیر تجلی کی ضرورت کے وقت کام آئیں۔ چنانچہ تجلی کے شمارہ مئی ۱۹۶۵ء کے صفحہ ۵ میں "ایک قضیۂ نامرضیہ" کے تحت انھیں خانۂ شہادت میں دوبارہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر تحقیق و جستجو کی یہی روش رہی تو علمی اور سنجیدہ رسائل معلومات کا کیا حشر ہوگا! بزمی صاحب کے خط میں "قریبی رشتہ داری" کے اعلان کے علاوہ جتنی باتیں ہیں۔ انھیں مدیر تجلی کی صدائے بازگشت کہنا نامناسب نہ ہوگا۔ مدیر تجلی کی طرح بزمی صاحب بھی فرماتے ہیں کہ کوثر نیازی ابن الوقت اور مفاد پرست ہے۔ اسے اپنی صلاحیتوں کے بارے میں نہایت زعم ہے۔ وہ دنیا داری کے فن سے واقف ہے۔ وہ انانیت کا مارا ہوا ہے، نفاق کا متوالا ہے اس نے بھی وہی کام کئے ہیں۔ جن پر آج خود ہی طعنہ زن ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان خیالات سے اگر کوئی اتفاق رکھے تو کوثر صاحب کے کردار و عمل کی سیاہی کے سوا کوئی اور نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ یہ مخصوص "اسلوب نظر" اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب یہ دعویٰ کیا جائے کہ کوثر نیازی بلند اور اعلیٰ کردار کے حامل ہیں۔ لیکن یہاں ان کے کردار و عمل سے بحث نہیں ہے بلکہ ان کے مراسلے میں پیش کردہ ان مسائل سے ہے۔ جو مصطلح، جماعت اسلامی کے مقاصد و نظریات، طریق کار، امیر جماعت کی جبریت و دنیا سازی اور افراد جماعت کی دینی و اخلاقی زبوں حالی پر کاری ضرب لگاتے ہیں اور جنھیں تاریخی ترتیب اور شواہد و تجربات کے محکم دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مجھے واقعی افسوس ہے۔ کہ کوثر نیازی صاحب کے مراسلے کے مذکورہ مندرجات کا معقول و متوازن جواب نہ تو امیر جماعت جناب مودودی صاحب نے مرحمت فرمایا اور ان کے "فرزندان معنوی" میں سے کسی صاحب کو توفیق ہوئی کہ واقعات کی چھان بین کر کے حق و باطل کے درمیان ایک امتیازی خط کھینچ دیں اور اپنے قوی تر دلائل کے ساتھ کوثر نیازی صاحب کے فراہم کردہ تلخ اور عبرتناک حقائق کا تجزیہ کریں۔ محض چھلانگیں مارنے۔ بات کا بتنگڑ بنانے، ٹال مٹول

والا طریقہ اختیار کرنے اور غیر ضروری شکوک و شبہات کی تحقیق سے الجھنیں تو بڑھائی جا سکتی ہیں لیکن "حل مشکلات" سمجھنا یا سمجھانا یقیناً بڑی سادہ لوحی ہوگی اور کوثر نیازی صاحب کے مکتوب کے ایک ایک لفظ میں دَر پردہ تائید و تصدیق بھی !!

اب دیکھنا ہے کہ وابستگان جماعت تاریخ کے اس "دوراہے" پر پہنچ کر اپنے دوسرے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ جبکہ ان ہی کے ماضی کا ایک مستقبل نگاہوں کے سامنے ہے !!
